اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

(ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے کرداروں کے تجزیے و تقابل کی روشنی میں)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)

مقالہ نگار:

حامد محمود

رجسٹریشن نمبر: 759/PhD/Urd/F18

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست 2024ء

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

(ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے کرداروں کے تجزیے و تقابل کی روشنی میں)

مقالہ نگار:

حامد محمود

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (اردو)

کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست 2024ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ**

(ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے کرداروں کے تجزیے و تقابل کی روشنی میں)

پیش کار: حامد محمود رجسٹریشن نمبر: 759/Phd/Urd/F18

ڈاکٹریٹ آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان و ادب

ڈاکٹر صائمہ نذیر ____________________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ____________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

میجر جنرل شاہد محمود کیانی (ہلالِ امتیاز ملٹری) (ر) ____________________

ریکٹر

تاریخ: ______________

اقرار نامہ

میں حامد محمود حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے پی ایچ ڈی (اردو) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر صائمہ نذیر کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آیندہ کروں گا۔

حامد محمود

مقالہ نگار

فہرست ابواب

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم	Iii
اقرار نامہ	Iv
فہرست ابواب	V
Abstract	Ix
اظہار تشکر	Xi
پہلا باب موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث	13
الف تمہید	13
1۔ موضوع کا تعارف	13
2۔ بیان مسئلہ	15
3۔ مقاصدِ تحقیق	16
4۔ تحقیقی سوالات	17
5۔ نظری دائرہ کار	17
6۔ تحقیقی طریقہ کار	18
7۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق	19
8۔ تحدید	20
9۔ پس منظری مطالعہ	20
10۔ تحقیق کی اہمیت	20
ب ادب، ادب کی اقسام اور جاسوسی ادب	22
1۔ ادب	22
2۔ ادب کی اقسام	23
ادب عالی	24
مقبول عام ادب	27

	ناپختہ افسانوی ادب	30
	3۔ جاسوسی ادب	32
ج	**جاسوسی ادب کی مقبولیت کے عناصر**	36
	1۔ موضوع	36
	2۔ پلاٹ	38
	3۔ اسلوب	39
	4۔ کردار	40
د	**منتخب جاسوسی ناول نگاروں کی کردار نگاری کا جائزہ**	44
	1۔ ابن صفی کی کردار نگاری	44
	2۔ اشتیاق احمد کی کردار نگاری	49
	3۔ مظہر کلیم کی کردار نگاری	55
	دوسرا باب: ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا تعارف و تجزیہ	64
الف	**ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا تعارف و تجزیہ**	64
	1۔ کرنل فریدی کا تعارف و تجزیہ	64
	2۔ ساجد حمید کا تعارف و تجزیہ	75
	3۔ علی عمران کا تعارف و تجزیہ	80
ب	**اشتیاق احمد کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا تعارف و تجزیہ**	94
	1۔ انسپکٹر جمشید کا تعارف و تجزیہ	94
	2۔ محمود، فاروق، فرزانہ کا تعارف و تجزیہ	103
	3۔ انسپکٹر کامران مرزا کا تعارف و تجزیہ	110
	4۔ آصف، آفتاب، فرحت کا تعارف و تجزیہ	112
	5۔ شوکی برادران اور رفعت کا تعارف و تجزیہ	115

ج مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کردار کا تعارف و تجزیہ 119

1۔ علی عمران کا تعارف و تجزیہ 119

تیسرا باب: ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے مرکزی کرداروں کا تقابل 135

الف ابن صفی کے مرکزی کرداروں کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 135

1۔ کرنل فریدی کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 135

2۔ ساجد حمید کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 143

3۔ علی عمران کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 144

ب اشتیاق احمد کے مرکزی کرداروں کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 156

1۔ انسپکٹر جمشید کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 156

2۔ محمود، فاروق، فرزانہ کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 162

3۔ انسپکٹر کامران مرزا کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 162

4۔ آصف، آفتاب، فرحت کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 163

5۔ شوکی برادران اور رفعت کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 163

ج مظہر کلیم کے مرکزی کردار کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 165

1۔ علی عمران کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل 165

چوتھا باب: ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا ارتقائی مطالعہ 177

الف ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا ارتقائی مطالعہ 177

1۔ کرنل فریدی کا ارتقائی مطالعہ 177

2۔ ساجد حمید کا ارتقائی مطالعہ 188

3۔ علی عمران کا ارتقائی مطالعہ 199

ب اشتیاق احمد کے مرکزی کرداروں کا ارتقائی مطالعہ 226

1۔	انسپکٹر جمشید اور محمود، فاروق، فرزانہ کا ارتقائی مطالعہ	226
2۔	انسپکٹر کامران مرزا اور آصف، آفتاب، فرحت کا ارتقائی مطالعہ	242
3۔	شوکی برادران اور رفعت کا ارتقائی مطالعہ	245
ج	**مظہر کلیم کے مرکزی کردار کا ارتقائی مطالعہ**	258
1۔	علی عمران کا ارتقائی مطالعہ	258
	پانچواں باب: ماحصل	296
الف	**مجموعی جائزہ**	**296**
ب	**نتائج**	**317**
ج	**سفارشات**	**322**
	کتابیات	324
	ضمیمہ جات	335

ABSTRACT

Title: Characterization in the Urdu Detective Novel: An Evolutionary Study

(According to the analysis and comparison of the characters of Ibn Safi, Ishtiaq Ahmad and Mazhar Kaleem)

Characters play a major role in the popularity of Urdu detective literature. Among the best-known Urdu detective novelists, the characters of Ibn-e-Safi, Ishtiaq Ahmed and Mazhar Kaleem gained such popularity that they became the standard reference of Urdu detective literature. Looking at the popularity of these characters, it was felt necessary to find out how the above-mentioned three writers created their characters? What standards of characterization were established so that elements of their popularity could be brought to the attention of Urdu detective literature fans and researchers.

Since the purpose of this research was to highlight the characterization of the popular authors of Urdu detective literature, the main characters of the three authors were selected for the research. The intellectual, psychological and professional evolution is examined, so that the process of characterization can be fully evaluated and the diversity, change and development in the social, literary and political tendencies and ideas of the three writers over time can be seen in the light of the evolution of the characters.Therefore, along with the elements of popularity of the characters, the aspects of intellectual development of the authors have also been highlighted through this research and the standards and processes of their character writing have been evaluated to the extent possible. The research which makes it clear that these writers embellished their main characters with what qualities and what changes happened in them over time. This discussion revealed the factors behind the popularity of these characters .

The uniqueness of this research is that it has not only reviewed the characterization of the three famous writers mentioned above, but also compared and evaluated the main characters along with their evolution. Much has been written on Ibn Safi's characterization, but nowhere is there a review of Ishtiaq Ahmad and Mazhar Kaleem's detective literature or their characterizations with such detail. Also, by

analyzing, comparing and evaluating the main characters of the three authors, the art of characterization of the three authors has come to light, from which many new aspects of the characterization of these authors have been revealed to the readers and researcher .

From the review of the characterization of the three most famous authors of Urdu detective literature, it was found that these three authors were aware of and influenced by the social thoughts, political conditions, social trends and contemporary demands of their time. At the same time these characters inform the readers about their mood, character and mental tendencies. The characters realize the intangible social, political, regional and global changes taking place in that era and especially tried to make them aware of the possible threats and propose solutions to the problems and difficulties by themselves. Through their popular characters, all the three authors tried to educate the youth psychologically, mentally and politically and exhorted them to stay away from vices and play a purposeful and noble role in the society. There are many qualities in the characterization of the three authors and where the researcher has seen a deficiency or weakness, it has been marked, but the researcher has no hesitation in saying that in the light of the standards of characterization, Ibn-e-Safi's character’s meets the criteria of High Literature.

اظہار تشکر

تمام تعریفیں اس خالقِ کائنات کے لیے جس نے انسان کو علم، شعور اور اظہار کی نعمت عطا کی اور اسے فہم و تدبر کی وہ صلاحیت بخشی جس سے وہ کائنات کے اسرار کو سمجھنے کے قابل ہوا۔ درود و سلام اس پاکیزہ ہستی پر جن کی بعثت انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہے اور جن کی تعلیمات شرفِ انسانیت ہیں۔

اس علمی سفر میں سب سے پہلا اور بنیادی سہارا میرے والدین کی دعائیں اور بے لوث محبت کا رہا۔ ان کی شفقت اور تربیت، ان کی امیدیں اور دعائیں ہر مرحلے پر میرے لیے روشنی کا مینار بنیں۔ میرے بھائی حافظ مسعود احمد کا خصوصی شکریہ کہ جنہوں نے گھریلو ذمہ داریوں سے مجھے فارغ رکھا تاکہ میں پوری یکسوئی کے ساتھ تحقیق کے اس اہم مرحلے کو طے کر سکوں۔

میری علمی بنیاد رکھنے والے ابتدائی اساتذہ کا میں خاص طور پر ممنون ہوں، جنہوں نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا، سلیقہ عطا کیا اور اظہار کے وہ گر سکھائے جو آج میری علمی پہچان کا حصہ ہیں۔ انہی کی تربیت نے میری شخصیت کو سنوارا اور میرے شعور کو مہمیز دی۔

میں اپنے تمام اساتذہ کا صمیمِ قلب سے ممنون و احسان مند ہوں جنہوں نے نہ صرف میری رہنمائی کی بلکہ قدم قدم میری حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کے شعبہ اردو زبان و ادب کے اساتذہ کی تربیت نے میرے علمی وقار میں جو اضافہ کیا وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ یہی وہ ادارہ ہے جہاں کے ماہر اساتذہ نے تحقیق کی اصولوں، فکر کی بلندیوں اور علمی معیارات سے آگاہ کیا۔ اس ادارے نے نہ صرف میری علمی استعداد کو جِلا بخشی بلکہ مجھے علمی دنیا میں وقار سے کھڑا ہونے کا حوصلہ بھی دیا۔

خاص طور پر محترمہ پروفیسر ڈاکٹر فوزیہ اسلم، ڈاکٹر نعیم مظہر، ڈاکٹر محمد شفیق انجم، ڈاکٹر عابد سیال، ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان، ڈاکٹر بشریٰ پروین، ڈاکٹر صائمہ نذیر، ڈاکٹر رخشندہ مراد اور ڈاکٹر ظفر احمد کا شکریہ کہ جنہوں نے تحقیقی نظریات کی تفہیم سے لے کر عملی اطلاق تک ہر مقام پر میری رہنمائی فرمائی۔

میں اپنے محترم نگرانِ تحقیق ڈاکٹر صائمہ نذیر کی شکر گزاری کا خاص طور پر اعتراف کرتا ہوں، جنہوں نے نہ صرف میری علمی رہنمائی کی بلکہ حوصلہ افزائی اور اصلاحی تنقید سے میری کاوش کو نکھارنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

دوست، احباب اور معاونین کے تعاون کے تذکرہ کیے بغیر یہ اظہارِ تشکر ادھورا ہے۔ محترم رشید احمد منیب کی بے لوث معاونت کا کردار بنیادی اور مثالی ہے۔ ڈاکٹر شفیق سہروردی کی علمی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی بدولت یہ تحقیقی کام تکمیل کے مرحلے تک پہنچا۔ جناب راشد اشرف، ڈاکٹر جمیل احمد، ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی، ابن صفی کے صاحبزادے احمد صفی، محمد طاہر صابر، اشتیاق احمد کے ادبی تحقیقی ورثے کے محافظ عماد حسن، سید فہد حسینی، عاصم رضا، علی عمران ممتاز، بابر علی خان، ڈاکٹر بنارس خان اعوان، میاں خلیل احمد طارق، میاں ارشد محمود، ڈاکٹر زبیر مغل، قیصر دلاور جدون، ملک قیصر ذیشان، احمد رفیق، محمد عمیر، ماسٹر نثار احمد، محمد عثمان اور دیگر بے شمار احباب کا تعاون میرے لیے سرمایہ افتخار رہا۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ اظہار تشکر کے یہ الفاظ اُن احسانات کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتے جو مجھ پر روا رکھے گئے۔ احباب کی وہ طویل فہرست جو یہاں نہیں آ سکی ان سب کے لیے میرے دل میں ممنونیت کے جذبات ہیں جس کا اظہار بھلا یہ دو صفحات میں کیسے ممکن ہے!

حامد محمود

پہلا باب

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید:

1۔ موضوع کا تعارف

ادب عالیہ، سماج کے تمام پہلوؤں کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس کے مضامین میں وسعت اور گہرائی ہوتی ہے۔ اس کے کردار خاص ہوتے ہیں لیکن وہ معاشرے کے عمومی رجحانات، خیالات، معاملات اور رویوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ادب عالیہ میں فلسفہ، منطق، نفسیات اور دیگر سماجی علوم کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس میں سادگی اور پرکاری کے ساتھ عالمانہ خیالات پیش کیے جاتے ہیں۔ ادبِ عالیہ کے برعکس مقبول عام ادب میں کسی فلسفیانہ فکر کے بغیر محض مہم یا کرداروں کی بنیاد پر واقعات کو مربوط کیا جاتا ہے۔ مقبولِ عام ادب سماج کے تمام پہلوؤں کا فلسفیانہ انداز سے احاطہ نہیں کرتا۔

جاسوسی ادب، مقبول عام افسانوی ادب میں شمار ہوتا ہے۔ جاسوسی ناولوں میں سماجی زندگی کے ایک ہی پہلو یعنی جرم و سزا پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ سنسنی اور تجسس کی بنیاد پر مقبول عام ادب عام لوگوں کی ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی سطح کے قریب ہوتا ہے لہذا وہ اس میں زیادہ لطف محسوس کرتے ہیں۔ مقبول عام فکشن میں جاسوسی ادب کے بعد ناپختہ افسانوی ادب کی ایک سطح بھی موجود ہے جو محض سنسنی خیزی یا سطحی جذبات سے کہانی کا رخ متعین کرتے ہیں۔ اس میں سوقیانہ ذہنیت اور سطحی قسم کے الفاظ و واقعات ملتے ہیں۔ یہ گھٹیا اور سستے ترین کاغذ پر چھاپا جاتا ہے۔

جاسوسی ناول، مقبول عام افسانوی ادب میں اہم مقام کی حامل صنف ہے۔ اس کی بنیاد تجسس ہے۔ یہ سسپنس سے بھرپور ایسے فرضی واقعات پر مشتمل ہوتا ہے جن میں خفیہ ادارے، زیرِ زمین کام کرنے والی

تنظیمیں، بڑے اور طاقت ور گروہ، بااثر شخصیات اور حکومتیں کردار ادا کر رہی ہوتی ہیں اور ان واقعات کے اثرات (مفروضے کے طور پر) معاشرے کے وسیع طبقے پر مرتب ہوتے ہیں۔

ادب کی اس صنف میں لوگوں کی دل چسپی کے لیے واقعات کی رفتار، ان کے حیران کن ربط (یعنی پلاٹ) سے پیدا ہونے والا تجسس اور سنسنی خیز مہم جوئی کا لطف کرداروں ہی کی بدولت ہوتا ہے۔ اس صنف میں لکھے گئے ادب میں ایسے مستقل کرداروں کی روایت بھی موجود ہے جو ناولوں کی بُنت میں اپنی طے شدہ صفات کی بدولت مقبول ہوتے۔ یہ ایسے مرکزی کردار ہوتے ہیں جس کی بدولت ناول کو عام لوگوں میں سندِ قبولیت ملتی ہے۔ جاسوسی ناولوں میں بعض ادیبوں کا نام ان کے تراشے ہوئے کرداروں سے ہی زندہ ہے جیسے سر آرتھر کونن ڈوئل کا شرلاک ہومز وغیرہ۔ اس مثال سے جاسوسی ناولوں میں کردار کی اہمیت واضح ہوتی ہے ۔ کرداروں کی اہمیت کی دوسری مثال کرنل فریدی اور علی عمران ہیں۔

اردو کے جاسوسی ادب میں ابنِ صفی کے دو کردار کرنل فریدی اور علی عمران اس قدر مشہور ہوئے کہ انھوں نے اس صنف میں اساطیری یا دیومالائی حیثیت حاصل کرلی۔ ابنِ صفی کے یہ کردار اردو کے جاسوسی ادب کی پہچان بن گئے۔ ان کرداروں کے اردو ادب پر اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابنِ صفی کے معاصرین یا ان کے بعد کے کئی جاسوسی ناول نگاروں نے انہی کے کرداروں کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔

یہ بات جاننے کی ضرورت ہے کہ اردو کے جاسوسی ادب میں کردار نگاری کی اہمیت کیا ہے؟ جاسوسی ادب میں کردار نگاری کے بنیادی تقاضے کیا ہیں؟ مقبول مصنفین نے تخلیق کردہ کرداروں کی وجہ سے کیسے مقبولیت اور شہرت حاصل کی؟ کسی مقبول مرکزی کردار کا وجود، اس کی اٹھان، اس کی نشوونما اور مقبولیت کا ارتقائی سفر کیسے طے ہوتا ہے؟ ان سوالوں کا جواب جاننے کے لیے یہ جاننا ضروری ہوگا کہ کامیاب جاسوسی ناول نگاروں نے سماج، معاشرے اور اپنے عہد کے کن تقاضوں، ضروریات اور ترجیحات کو سامنے رکھ کر ناول کے مرکزی کردار تخلیق کیے اور یہ مرکزی کردار عہد بہ عہد کس طرح مختلف انداز میں ارتقاپذیر ہوتے رہے ہیں؟ ان سوالات کے جوابات کو تلاش کرنے اور اردو میں مقبولِ عام افسانوی صنف یعنی جاسوسی ادب میں کردار نگاری کے عمل کو بخوبی جانچنے اور جاننے کے لیے تحقیق کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر ”اردو کے جاسوسی ادب میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ“ کے عنوان سے مذکورہ مقالے کی بنت کی

گئی ہے تاکہ مرکزی کرداروں کے ارتقا کے اسباب و عوامل کا جائزہ لیا جائے۔ جاسوسی ادب کے مقبول مرکزی کرداروں کے اس مفصل جائزے سے سماجی مزاج اور انفرادی نفسیات کو سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔

اردو جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کے ارتقائی مطالعے کے لیے اردو کے تین معروف جاسوسی ناول نگاروں ابنِ صفی، اشتیاق احمد مظہر کلیم کا انتخاب کیا گیا ہے۔ مذکورہ ادیبوں کے کرداروں نے تین نسلوں پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ مذکورہ ناول نگاروں نے اپنے عہد کے سماجی تقاضوں اور سیاسی اور بین الاقوامی حالات و واقعات کی روشنی میں جاسوسی ادب پر طبع آزمائی کی۔ ان کے ناولوں میں سراغ رسانی کے ساتھ ساتھ گہری ادبی جھلکیاں، منظر نگاری، کردار کی موزونیت، مکالمہ نگاری اور ڈرامائی کیفیات اعلیٰ پائے کی ملتی ہیں۔ اس کے ساتھ ان کے موضوعات، کردار اور اسلوب بھی انفرادیت کا حامل ہے۔

اردو جاسوسی ادب میں ابن صفی کے کلیدی کردار کرنل فریدی اور علی عمران ہیں۔ مظہر کلیم نے بھی ابنِ صفی کے مرکزی کردار علی عمران کو ہی اپنی قلمی کاوشوں کے لیے منتخب کیا تاہم انھوں نے اس کردار کی کچھ خوبیوں کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی خصوصیات میں تبدیلی و اضافہ بھی کیا ہے۔ مظہر کلیم نے عمران کے کردار میں مزاج کے اعتبار سے کچھ ایسی تبدیلیاں کیں کہ اسے مذہبی اور دیومالائی رنگ میں پیش کیا ہے۔ اشتیاق احمد کے ناولوں میں انسپکٹر جمشید ، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادران مشہور مرکزی کردار ہیں۔ جاسوسی ناولوں میں کلیدی و ضمنی اور مجرم کرداروں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن مرکزی کردار زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مرکزی کردار ناول کی مقبولیت میں اہم کردار کرتے ہیں۔ ناول کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے مرکزی کردار کو مخصوص خصوصیات کے ساتھ ساتھ ہر ناول میں منفرد ڈھنگ میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ مذکورہ مقالے میں مرکزی کرداروں کی خصوصیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تجزیہ و تقابل کی روشنی میں جاسوسی ناول میں کردار نگاری کا ارتقائی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

2۔ بیانِ مسئلہ

ہمارے ہاں داستانوں کی روایت قدیم ہے۔ انگریزوں کی آمد کے بعد نئے اصناف کے امکانات روشن ہوئے تو ناول نگاری کی ابتدا ہوئی۔ اردو میں جاسوسی ناول کی آمد کا سہرا بھی انگریزی سے جڑا ہے۔ اردو کے جاسوسی ادب میں مقبول کرداروں کی روایت کا سہرا ابنِ صفی کے سر ہے۔ ابتدا میں انھوں نے انگریزی کے

جاسوسی ناولوں سے متاثر ہو کر اردو میں جاسوسی ناول لکھے۔ بعد میں انھوں اپنی الگ راہ نکال لی۔ ان کے قلم نے ایسے کردار تشکیل دیے جن پر اردو کے جاسوسی ادب کی عمارت قائم ہوئی۔ ان کی قائم کردہ روایت کو بعد میں آنے والے ناول نگاروں نے آگے بڑھایا۔ کسی نے نئے کردار تخلیق کیے اور کسی نے انہی کے تراشے ہوئے کرداروں کو قدرے ترمیم کے ساتھ پیش کیا۔ یہ جاسوسی ادب کرداروں کے مزاج اور سنسنی خیز واقعات کی بدولت ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ یہ معاشرے کے عام طبقے میں مقبول ہوا یہاں تک کہ تین نسلیں اس سے مستفید ہوئیں۔

اردو کے جاسوسی ادب کے مرکزی کرداروں کے ارتقائی مطالعے کے لیے ابنِ صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں ناول نگار مقبول کرداروں کے حوالے سے ادب کی اس مخصوص صنف میں امتیازی حیثیت، شہرت اور مقبولیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے اردو کے جاسوسی ادب کے معروف کرداروں کی بدولت لاکھوں پڑھنے والوں کو متاثر کیا۔ ان ناول نگاروں کے اسلوبِ نگارش، کرداروں کی صفات اور ان کے پیش کردہ ادب میں موجود معاصر افکار تجسس اور تحیر کی چاشنی اور فنکارانہ چابک دستی اور مہارت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان ناول نگاروں کے موضوعات، ان کے اسلوب اور ان کی کردار نگاری کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے۔ زیر نظر مقالے میں بیان کردہ مقاصد کے تحت اردو جاسوسی ناول کے مقبول مرکزی کرداروں کا ارتقائی جائزہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ اردو جاسوسی ناول کے مرکزی کرداروں کی علمی اور فنی بنیادوں پر وضاحت ہو سکے، کردار نگاری کے عمل کو مفصل انداز میں بیان کیا جاسکے اور مصنفین کی فکر و نظریے اور فن کی تشریح ہو سکے۔ اس مطالعے سے اردو کے جاسوسی ادب کی ترقی کے مزید امکانات روشن ہوں گے۔

3۔ مقاصدِ تحقیق

1۔ ادب عالیہ، مقبول عام ادب اور ناپختہ افسانوی ادب میں بنیادی فرق کا جائزہ لینا۔

2۔ ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کی کردار نگاری اور ان کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کی انفرادیت اور خصوصیات کا مطالعہ کرنا۔

3۔ ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناول کے مرکزی کرداروں کی صفات کے مابین اشتراکات و افتراقات کا جائزہ لینا۔

4۔ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے منتخب مرکزی کرداروں کا ارتقائی مطالعہ کرنا۔

4۔ تحقیقی سوالات

1۔ادب عالیہ، مقبول عام ادب اور ناپختہ افسانوی ادب میں میں کیا فرق ہے؟

2۔ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کی انفرادیت اور خصوصیات کیا ہیں؟

3۔ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے منتخب مرکزی کرداروں کے مابین اشتراکات اور افتراقات کیا ہیں؟

4۔ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے منتخب مرکزی کرداروں میں ارتقائی طور پر کیا نفسیاتی، رویہ جاتی، سماجی اور فکری تبدیلیاں رونما ہوئیں؟

5۔ نظری دائرہ کار

☆ایک ادیب مافی الضمیر، عصری رجحانات اور افکار کا اظہار کرداروں کے ذریعے کرتا ہے۔ادب عالیہ کی طرح مقبولِ عام ادب میں بھی کردار نگاری اہمیت کی حامل ہے اور کرداروں کے ارتقائی مطالعے اور ان کی صفات کے تجزیے و تقابل سے معاصر سیاسی و سماجی حالات، معاصر افکار اور رائج الوقت خیالات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ جائزہ مرکزی کرداروں کے حوالے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

☆ افسانوی ادب میں کرداری مطالعے کے دوران کرداروں کے نام، ان کی ظاہری شخصیت، لباس، غیر اختیاری افعال، گفتگو اور طرز گفتگو، مشابہت و انفرادیت، مخصوص طبقے کی نمائندگی اور تدریجی ارتقا کو مد نظر رکھتے ہوئے کرداروں کا داخلی اور خارجی سطح پر جائزہ لیا جاتا ہے۔ نفسیاتی اور فلسفیانہ عوامل کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے۔

☆ دور حاضر میں جامعات میں کرداری مطالعے کی روایت موجود ہے۔کرداری مطالعے کی یہ روایت کردار نگاری کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ کرداری مطالعے کی اہمیت کے پیش نظر محققین نے کردار نگاری کے بنیادی مباحث کو قلم بند کیا ہے۔اس کے علاوہ جامعات کی سطح پر مختلف ادیبوں کے معروف کرداروں کے

ساتھ ساتھ مختلف اصناف کے کلیدی، ہیرو، نسوانی، مرکزی اور ضمنی کرداروں پر تحقیقی کام کیا گیا ہے۔ عبد القادر سروری نے اپنی کتاب "کردار اور افسانہ" میں ایک حصہ "اشخاص قصہ" کے عنوان سے باندھا ہے تو دوسرے حصے میں ناول میں کردار نگاری کے بنیادی مباحث کو موضوع بنایا ہے۔ پہلے حصے میں انھوں نے کرداروں کی تعداد، اقسام، اہمیت، تعلق، پیکر تراشی، تاریخیت، انفرادیت، کرداروں کی معاشرتی مطابقت اور نفسیاتی جائزے پر روشنی ڈالی ہے جبکہ دوسرے حصے میں ناول میں کرداروں کی پیشکش کے اصول بیان کیے ہیں۔ مہ نور مانی بیگم نے اپنی کتاب "کرشن چندر کے ناولوں میں نسوانی کردار" میں اور پورا باب "ناول میں کردار" کے عنوان سے باندھا ہے۔ اس میں کردار نگاری کے بنیادی اصولوں کو بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر نجم الہدیٰ نے "کردار اور کردار نگاری" میں کردار نگاری کے بنیادی مباحث، کردار نگاری کے اصول، کرداروں کا داخلی و خارجی جائزہ اور کرداروں کے عناصر ترکیبی پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے کردار نگاری کے حوالے سے اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے مفکرین و محققین کی آرا کو بھی اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ مقبول عام ادب میں بھی کردار تخلیق شدہ ہوتے ہیں اور اس میں بھی کرداری مطالعہ کی ایک روایت موجود ہے۔

☆ اردو کے مقبول عام ادب میں ابنِ صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کو خاص طور پر غیر معمولی مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔ مذکورہ تینوں مصنفین کے تخلیق کردہ مرکزی کرداروں کے ارتقائی جائزے سے جاسوسی ادب میں کردار نگاری کے فن پر روشنی ڈالی جاسکے گی اور معاصر رجحانات کو ایک نئی جہت سے دیکھنے میں مدد ملے گی۔ معاصر سیاسی، سماجی تناظر اور ناول نگار کی فکر کی روشنی میں ان کے پیش کردہ کرداروں کا تجزیہ، تقابل اور ارتقائی جائزہ تحقیقی ادب میں اہم اضافہ ہو گا۔

☆ جاسوسی ناولوں میں مرکزی کرداروں کا ارتقائی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ اس ارتقائی مطالعے میں تجزیہ و تقابل کو مدنظر رکھا جائے گا۔

6۔ تحقیقی طریقہ کار

اس تحقیق میں کرداروں کا صفاتی، سماجی (خارجیت) و نفسیاتی (داخلیت) جائزہ و تقابل اور فکری و فنی مطالعہ ہے۔ اس لیے اس تحقیقی جائزہ کے لیے دستاویزی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا۔ جاسوسی ناول نگاری کا تعلق چونکہ مقبول عام فکشن سے ہے اس لیے انٹرویو اور سوالنامے کے ذریعے سے حاصل شدہ معلومات کو بھی

تحقیق میں شامل کیا جائے گا۔ کرداروں کے ارتقائی مطالعے کے ساتھ ساتھ تقابلی جائزہ بھی لیا جائے۔ ادب میں عام طور پر Rhetorical اور logical تقابل کی تکنیک کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مقالے میں بھی تقابل کی انہی تکنیک کو مد نظر رکھا جائے گا۔ منتخب ناول نگاروں کے نمائندہ مرکزی کرداروں کا نفسیاتی، سماجی خصوصیات کے حوالے سے اشتراکات وافتراقات کی بنیاد پر تقابل کیا جائے گا۔ یہ تقابل فکری وفنی ہر دو سطحوں پر کیا جائے گا۔ ضرورت پڑنے پر دیگر طریقہ ہائے تحقیق سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

7۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق

محقق کی معلومات کے مطابق اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری کا باقاعدہ ارتقائی مطالعہ نہیں کیا گیا۔ شخصیات کے حوالے سے بعض مقالہ جات میں عمومی مباحث ملتے ہیں۔

صرف ابن صفی پر تحقیقی کام ملتا ہے۔ خورشید احمد وٹو نے ابن صفی پر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے 1997 میں ایم فل کی سطح کا مقالہ "ابن صفی کی ادبی خدمات" کے عنوان سے لکھا۔ ابن صفی کے نسوانی کرداروں پر بھارت میں مقالہ لکھا گیا لیکن اس میں کرداروں کے ارتقا کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔ اس کے علاوہ ابن صفی پر لکھی گئی کتب میں ان کے معروف کرداروں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بہ حیثیت مجموعی منتخب ناول نگاروں کے معروف کرداروں کے ارتقائی مطالعے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ڈاکٹر بشریٰ پروین کے مقالے "مقبول عام ادب، پاپولر فکشن کا معیار، ضرورت و اہمیت (اردو افسانوی ادب کے حوالے سے)" میں مذکورہ شخصیات پر مختصر بحث ملتی ہے۔ "اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت اور اہمیت" مرتبہ ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی اردو اکادمی دہلی میں مقبول عام فکشن پر مضامین موجود ہیں جن میں "پاپولر لٹریچر اور جاسوسی ادب" کے عنوان سے قاسم خورشید کا تحریر کردہ مضمون شامل ہے، تاہم اس میں بھی کرداروں کا جائزہ نہیں ملتا۔ گذشتہ چند سالوں سے کرداری مطالعے کا رجحان بڑھا ہے۔

اردو تحقیق کی روایت میں بہت کم مقبول عام فکشن کو قابل اعتنا سمجھا گیا۔

8۔ تحدید

موضوعِ تحقیق کے مطابق ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے منتخب اور نمائندہ جاسوسی ناولوں کو مد نظر رکھا جائے گا جن میں ان کے تخلیق کردہ مرکزی کرداروں کی خصوصیات نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔ ایسے کرداروں کو شامل تحقیق رکھا جائے گا جو مذکورہ جاسوسی ناول نگاروں کے نمائندہ مرکزی کردار ہیں۔ مرکزی کرداروں کے علاوہ دیگر کردار تحقیق کا حصہ نہیں ہوں گے۔

مذکورہ شخصیات کی دیگر جہات کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ ناول کے مرکزی کرداروں کا تجزیہ و تقابل کیا جائے گا اور اس کی روشنی میں ارتقا کا جائزہ لیا جائے گا۔ ناول کے دیگر فنی مباحث کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

9۔ پس منظری مطالعہ

پس منظری مطالعے کے طور پر ادب عالی اور مقبول عام فکشن میں کردار نگاری کے مباحث اور کرداروں کے ارتقائی جائزے کا عمومی مطالعہ کیا جائے گا۔ اس ذیل میں ضروری مباحث کے لیے عالمی ادب سے استفادہ کیا جائے گا۔ اردو میں جاسوسی ناول نگاری کی روایت اور انگریزی ادب میں جاسوسی ناول نگاری کو بھی مد نظر رکھا جائے گا۔ ابنِ صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم پر لکھی گئی سوانحی معلومات اور ان کے جاسوسی ادب پر لکھے گئے تحقیقی مقالے، آرا، تبصروں اور تجزیوں کو بھی مد نظر رکھا جائے گا۔ مقبول عام ادب میں کرداروں کے حوالے سے عالمی مباحث کو بھی سامنے رکھتے ہوئے موضوع تحقیق کو آگے بڑھایا جائے گا۔

10۔ تحقیق کی اہمیت

جاسوسی ادب میں کرداروں کا ارتقائی مطالعہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی کرداروں کی خصوصیات کا تفصیلی تقابل کیا گیا۔ جاسوسی ناول میں مرکزی کرداروں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ انہی مرکزی کرداروں کی بدولت ادیب کے فن، اس کی سوچ اور کرداری نگاری کے فکر و فلسفے تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے اور کرداروں کے ارتقائی مطالعے کی بدولت ادیب کے ذہنی اور فکری رجحانات کو جانچا جاسکتا ہے۔

ایک کامیاب ادیب جہاں معاشرے کی ضرورت اور طلب کے مطابق تحریر عوام کے سامنے لاتا ہے وہیں وہ اپنی تحریر کی مدد سے معاشرے پر اثر انداز ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے موضوعات کی بدولت معاشرے کی سماجی بہتری کے لیے اپنا کردار ادا کرتا ہے اور کرداروں اور اسلوب کی مدد سے دلچسپی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی لسانی واخلاقی سمت بھی متعین کرتا ہے۔

ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے معروف و مقبول مرکزی کرداروں کے تجزیاتی و تقابلی مطالعے سے جہاں تحقیق کے کئی نئے گوشے سامنے آئیں گے وہیں مرکزی کرداروں کے اس جائزے سے اردو ادب میں ناول اور ناول نگاروں کی قدر و قیمت بھی متعین ہو سکے گی۔

ب۔ ادب، ادب کی اقسام اور جاسوسی ادب:

1۔ ادب

ادب کا انسان سے گہرا تعلق ہے اور یوں انسانی زندگی سے وابستہ دیگر شعبوں سے اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ ادب ایک وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے۔ ضیافت اور مہمانی سے لے کر شائستگی سے ہوتے ہوئے خوش بیانی اور پھر خوش اسلوبی کا معنی دیتے ہوئے "ادب" کا ایک طویل سفر ہے۔ یوں خوبیوں سے بھرپور تحریر کو ادب کہلانے تک لفظ "ادب" نے کئی مفاہیم وضع کیے۔ ہمارا موضوع اسی ادب کے مفاہیم کو لیے ہوئے ہے جس میں صحتِ زبان، انداز بیان، تخیل احساسات اور جذبات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ادب کا شمار فنون لطیفہ میں ہوتا ہے۔

میر سید شریف جرجانی نے اپنی کتاب التعریفات میں ادب کے متعلق لکھتے ہیں کہ لفظِ ادب کی تعبیر ایسی معرفت سے کی جاسکتی ہے جس کی بدولت انسان ہر نوع کی غلطی سے محفوظ رہ سکے۔ ادب کی یہ تعریف اس کے مفہوم میں شامل علم تہذیب، اخلاق کے ساتھ ساتھ تعلیم اور تربیت کے معانی کی جانب بھی اشارہ کر رہی ہے۔ اردو زبان میں ادب کا ایک مفہوم تو احترام اور عزت و تکریم ہے جبکہ دوسرے معنی کے اعتبار سے انسانی زندگی اور اس سے وابستہ ہر شے کے مطالعہ کا نام ادب ہے۔ مغربی روایت میں ادب اور لٹریچر میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ ہر لکھی گئی شے لٹریچر اور ان معنوں میں وہ ادب کا حصہ ہے۔

ادب سے انسان کی دلچسپی کی وجہ داخلی بھی ہے اور خارجی بھی، یعنی انسان جو سوچتا ہے اس کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے دل پر بیتنے والے جذبات واحساسات کا اظہار کرنا پسند کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو اس سے آگاہ کرنا چاہتا ہے اور حالات وواقعات بھی اسے اظہار کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ ادب تفریحِ طبع اور تسکین کا ذریعہ بھی ہے اور سیاست تہذیب، معاشرت، سماج اور لوگوں کے رویوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے بھی ادب کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ادب کی غرض وغایت میں اسے تنقید حیات کا منصب بھی دیا جاتا ہے۔ تنقید اور تخلیق دونوں مل کر انسانی زندگی کی مثبت اقدار کی حفاظت کرتے ہیں۔ مغربی مفکرین کے مطابق تیز رفتار تہذیبی تغیرات، مثبت اور منفی قدروں کے امتیازات کو اکثر مٹا دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسانی زندگی خیر و شر کے مابین معلق ہو کر رہ جاتی ہے، یہی صورتِ حال ادب کی تخلیق کا سبب بنتی ہے۔ یعنی انسانی قدروں کو جاننے

اور سماج پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے لیے بھی ادب کو لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔یوں تخلیق اور تنقید کی مدد سے معاشرے کو نیا ادب میسر آتا ہے۔ تخلیق کو کماحقہ اسی وقت صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے جب اسے تنقید کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھ لیا جائے۔

ادب کے ذریعے بظاہر ایک مشترک ثقافتی رشتے سے منسلک ہونے کے باوجود انسانی مزاج کا تنوع بھی ادب میں کار فرما رہتا ہے۔ ہر قوم اور علاقے کے کلاسیکل ادب میں مذہبی، قانونی، سماجی، نفسیاتی، اقتصادی، اقداری اور تہذیبی رویوں کا اختلاف واضح طور پر نظر آتا ہے۔اختلافِ طبائع اور تہذیبی تضادات کے باوجود انسان مختلف ادوار اور اقوام کے ادب میں دلچسپی رکھتا ہے۔ کیوں کہ ادب کے ذریعے انسان عہدِ رفتہ کی بازیافت کرتا ہے۔اس سے انسان مختلف انسانی رویوں کے درمیان اختلاف اور اشتراک کو جانچتا ہے،ماضی اور حال کے انسانوں کے فکری تقابل سے ارتقا کو سمجھتا ہے۔ادب کے ذریعے ایک ادیب گزشتہ تہذیبوں کی منظر کشی اور عصر حاضر کی تعبیر و تشریح کر سکتا ہے۔اس جگر سوزی کے ذریعے وہ پیش آمدہ معاشرتی مسائل، تہذیبی تغیرات، سیاسی تبدیلیوں، معاشرتی ناہمواریوں اور اپنے عہد کی جمالیات اور سماجی نفسیات کو تاریخ کے لیے محفوظ کر سکتا ہے۔ ادیب اجتماعی شعور سے کچھ خواب تلاش کرتا ہے اور پھر ان خوابوں کو فن کی ہنر مندی سے سجا کر اور فکر کو امیدوں کا روپ دے کر پیش کرتا ہے۔ایک نئے مستقبل کے خدوخال کی جستجو بھی اسی دل سوزی اور خونِ جگر کا ایک حصہ ہوتی ہے۔

ادب اپنے زمانے کا عکس ہوتا ہے۔ جو جذبات و احساسات لوگوں کے دلوں میں ہلچل مچاتے ہیں وہی ادب پر بھی اپنا سایہ ڈالتے ہیں۔ البتہ فکر و فن، خیالات و نظریات اور مضامین کے اعتبار سے جدید ادب کو مختلف درجات میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

2۔ ادب کی اقسام

ادب کو موضوع، پیشکش اور اسلوب کی بدولت کئی حوالوں سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک بڑی تقسیم نظم و نثر کی ہے۔ پھر نظم یا نثر میں دیگر کئی اصناف بھی ادب کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کرتی ہیں۔ ادب کے معیار اور مقبولیت کے حوالے سے جدید لٹریچر کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

ادب عالی یا کلاسیکل ادب، مقبول عام ادب، پلپ فکشن یا ناپختہ افسانوی ادب۔

انیسویں صدی میں مذکورہ تقسیم کے تانے بانے ملتے ہیں۔ اردو میں بھی ادبِ عالی اور مقبولِ عام ادب کی تقسیم جدیدیت کے بعد رونما ہوئی ہے۔ اس سے قبل اردو ادب میں کوئی تفریق نہیں برتی جاتی تھی اور ہر نوع کے ادب پر محض لفظِ ادب کا اطلاق ہوتا تھا۔ جدیدیت کے بعد ترقی پسند نقادوں نے سب سے پہلے ادب کو دو اصناف میں تقسیم کیا۔ بعد ازاں گھٹیا اور فحش ناولوں کے سیلاب کے بعد جنسی لٹریچری، فحش ادب یا پلپ فکشن (ناپختہ افسانوی ادب) کا نام بھی سامنے آنے لگا۔ یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ اردو کے علاوہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں یہ تفریق اب ختم کر دی گئی ہے اور ہر ادیب کو اس کے پیش کردہ ادب کے حوالے ہی سے دیکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ پلپ یا ناپختہ افسانوی ادب کو مدّ نظر رکھا جائے تو یہ تقسیم غیر موزوں نہیں لگتی۔ ادب کی مذکورہ تقسیم کا زیادہ حصہ اس کے موضوعات کو جاتا ہے اور اس کے بعد اس کی پیشکش اور اس کا انداز بیان ہے۔

ادب عالی :(High Literature)

ادب عالی یا کلاسیکل ادب کی اصطلاح روایتی ادبی سرمایے (روایتی ادب) کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس متعلق دو رجحانات سامنے آتے ہیں۔ ابتدائی طور پر کلاسیکل ادب کا اطلاق قدیم یونانی، مصری، رومن، عراقی اور عربی ادب پر کیا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس اصطلاح میں توسع پیدا ہو گیا۔ اب کسی زبان کا کلاسیکل ادب وہ سرمایہ کہلاتا ہے جو اس کے عہدِ زریں میں تخلیق کیا گیا ہو، جو اس کے نمائندہ شعرا اور مستند ادیبوں نے لکھا ہو، غرض کسی زبان میں کلاسک کا درجہ پانے والے ادبی سرمائے کو بھی ادبِ عالی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

ہر زبان کے کلاسیکی دور میں لکھا گیا نمائندہ ادب دراصل معیاری یا اعلیٰ ادب کہلاتا ہے اسی کے پہلو بہ پہلو "ادبِ عالی" بھی ایک اصطلاح بن گئی ہے جو کہ مقبولِ عام یا عوامی ادب کی ضد شمار ہوتی ہے۔

ادب عالی سے عام طور پر وہ ادب مراد لیا جاتا ہے جسے زندگی کا عکس کہا جا سکے، جو سماجی دائرے میں آنے والے حقائق کا مظہر ہو، جس میں انسانی رویوں کے تضادات اور معاشرے کے اچھے اور برے اور مثبت اور منفی کرداروں کو اجاگر کیا گیا ہو، جس میں مسئلے کو گہرائی سے دیکھا اور شدت سے بیان کیا گیا ہو، جس میں جذبات واحساسات کی فراوانی ہو اور فکر کی گہرائی کے ساتھ تخیل کی پرواز بھی موجود ہو، جو عام سطح سے اٹھ کر

اعلیٰ ذہنی سوچ کا آئینہ ہو اور جسے زبان و بیان کے بہترین سانچے، منفرد اسلوب اور پیرائے، دل نشین عبارتوں، برجستہ جملوں اور اونچے خیالات سے سجا کر پیش کیا گیا ہو۔ عموماً اس سطح کا ادب پڑھنے والے اور اس سے لطف اندوز ہونے یا تسکین حاصل کرنے والے معاشرے کے تعلیم یافتہ اور معاشی اعتبار سے قدرے خوشحال لوگ ہی ہوتے ہیں لہٰذا ان تمام وجوہ کی بنا پر اس نوعیت کے ادبی شہ پارے کو ادبِ عالی سے موسوم کیا جاتا رہا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناول ''آگ کا دریا'' کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

ہری شنکر کروٹ بدل کر کہنیوں کے بل بیٹھ گیا۔ ''گوتم میں نے پانی کی آٹھوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ میں کاشمیرا کے مدرسوں میں گیا ہوں جہاں سنسکرت کو مکمل بنایا جا رہا ہے۔ میں نے یاونون کی بولی بھی سیکھی ہے اور پارسیکاون کی بھی لیکن اب میں الفاظ ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیونکہ۔'' ہری شنکر کہتا رہا، ''زبان۔۔ الفاظ وعدے کرتے ہیں جو نبھائے نہیں جاتے۔ خیالات کا اظہار کرتے ہیں جن کا کوئی مطلب نہیں۔ ان کے معنی کی کھوج میں بھاگنا شروع کیا تو بھٹک کت میں کہاں سے کہاں جا نکلا۔ اسی وجہ سے گوتم سدھارتھ نے کہا تھا کہ۔۔۔''

''لیکن۔۔۔'' گوتم نیلمبر نے ہری شنکر کی بات کاٹی۔ ''لیکن اوم کے تین حرفوں اور پاسا کے تین سروں کے درمیان۔۔۔ تو کائنات کا سارا وجود بندھا ہوا ہے۔ آوازِ آکاش کا ایک گن ہے۔''

''کہے جاؤ۔'' ہری شنکر بولا۔

''برہسپتی مادہ پرست آکاش کو نہیں مانتے۔ تم تو مانتے ہو۔''

''مگر تمہارے ہم نام۔۔۔ گوتم۔۔۔ نے تو کہا تھا کہ اگر آواز ابدی ہے تو زبان سے پہلے لفظ سنائی دے جانا چاہیے۔ کیونکہ آکاش اور ہمارے کانوں کے درمیان کوئی روک نہیں ہے۔'' ہری شنکر نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''لفظ ابدی بھی ہے۔'' گوتم نے جواب دیا۔ ''حرف م ہمیشہ سے موجود ہے۔ یا حرف ن'' اس کو جب بھی ادا کیا گیا ہوگا اس کی آواز یہی رہی ہوگی۔ جیمنی کہتا ہے کہ

آواز اس لیے ابدی ہے کہ سننے کے بعد دماغ کو یاد رہتی ہے اور بیک وقت ہر جگہ موجود ہے اور کبھی ختم نہیں کی جا سکتی۔"

"اور اس لیے ویدوں کو۔۔۔ کیونکہ وہ الفاظ ہیں۔۔۔ کبھی رد نہیں کیا جا سکتا۔۔؟" ہری شنکر نے نظریں اٹھا کر پوچھا۔

"تم کیسے فلسفی ہو جو الفاظ میں یقین نہیں رکھتے۔" گوتم نے جھنجلا کر جواب دیا۔ "پانینی، تمہارے تکشلا کے استاد، نے کہا تھا اپنے یا دوسروں کے خیالات کے مظاہر صرف الفاظ ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کی ماہیت کا مطالعہ کرنا کس قدر ضروری ہے۔ الفاظ کے راستے کے بنا خالص خیال تک کس طرح پہنچ پاؤ گے؟ آواز الفاظ کا پراکرتک گُن ہے۔ اور مادہ ابدی ہے۔ وید زبان کی شکل میں برہما ہے اور مادہ برہما ہے۔"

"وقت کو ابدیت سمجھ کر تم لوگوں نے بہت گڑبڑ پھیلائی ہے۔" ہری شنکر نے دوبارہ فرش پر لیٹتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

"معنی اصل چیز ہے۔" گوتم نے جواب دیا۔ "پانینی کا کہنا ہے کہ سارے الفاظ کا ماحصل خالص وجود ہے۔ ست۔ اصلیت اور مختلف چیزوں کے لیے برہما کے الگ الگ نام ہیں۔ وہ سامنے سے گزرتا ہوا بھورا سُور۔۔۔ گھاٹ پر بیٹھی ہوئی ایودھیا کی لڑکیاں۔۔۔ تم۔۔۔ ہری شنکر یہ سب مہان آتما ہے۔"(1)

ادبِ عالی کو عام طور پر خواص کا ادب کہتے ہیں۔ چوں کہ ادبِ عالی کے درجے پر فائز سمجھی گئی تحریر زندگی کے ان پہلوؤں کی طرف توجہ دلاتی ہے جو اہمیت رکھنے کے باوجود لوگوں کے احاطہ شعور میں نہیں ہوتے۔ اس لیے عام زندگی بسر کرنے والے لوگوں کے لیے ایسی تحریر کو سمجھنا، اس پر غور کرنا اور پیش کردہ نظریے، استدلال اور نتیجے کو منطق کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول یا مسترد کرنا، نہایت مشکل ہوتا ہے اس لیے ادبِ عالی کو مخصوص طبقہ ہی دل چسپی سے پڑھتا ہے۔ البتہ اس تقسیم پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اگر سمجھ اور مقبول ہونے سے اسے غیر معیاری کہا جا رہا ہے تو قدیم کلاسیکل ادب جو اس وقت مقبول عام بھی تھا اسے کس خانے میں رکھا جائے گا۔

اس درجے کے ادب کی خاص بات یہ ہے کہ وہ مضامین کے لحاظ سے اہم اور عظیم اور بلند فکر موضوعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ اعلی جمالیاتی معیارات پر پورا اترتا ہے اور ذوق کی تشنگی کو دور کرتا ہے، عام طور پر اس سرمایے میں علمی اور فلسفیانہ مضامین شامل ہوتے ہیں لیکن زبان و بیان کا پیرایہ نہایت اعلیٰ ہوتا ہے۔ ادب کی اس قسم کے مطالعے سے انسان کو بہت سے افکار و خیالات، حوادث و واقعات اور روایات اور تجربات کا علم ہوتا ہے جس سے اس کے فہم، ذہانت اور علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

مقبول عام ادب (Popular Literature)

مقبول عام ادب کا مطلب ہے وہ ادبی سرمایہ جسے معاشرے میں قبولیت حاصل ہو جائے یعنی عام لوگوں کے رجحانات کے مطابق اسے لکھا گیا ہو، چونکہ یہ عام لوگوں کے لیے لکھا جاتا ہے اس لیے اس کے موضوعات بھی عام سماجی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً رسوم و رواج، عشق و محبت، طنز و مزاح اور جرم و سزا کے عام معاملات، غرض ادب کی اس طرز میں عام لوگوں کے تجربات اور مشکلات کو موضوع بنایا جاتا ہے اور ادبی یا افسانوی رنگ میں بیان کیا جاتا ہے جس سے عام لوگ متاثر ہوتے ہیں یا اس پر توجہ دیتے ہیں۔

عام لوگ مقبولِ عام ادب پڑھنے میں دل چسپی لیتے ہیں۔ جو زبان اور اندازِ بیان سکھانے میں معاون ہونے کے ساتھ ساتھ سماج کے عام پہلوؤں، عشق اور محبت کے افسانوں یا جرم و سزا کی کہانیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں عام طور پر سماج میں پیش آنے والے واقعات کو سنسنی خیز، تحیر آمیز یا مزاحیہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ لوگ اسے پڑھ کر تسکین یا حظ اٹھاتے ہیں یا کچھ دیر کے لیے زندگی کے بوجھل کاموں سے ذہنی طور پر چھٹکارا پاتے ہیں۔ مشہور سلسلہ وار ناول "دیوتا" کا اقتباس اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں۔

> ایسے ہی وقت جبکہ میں ایک وقت میں ایک ہی آواز تک پہنچنے لگا تھا مجھے بوڑھے بابا کی آواز سنائی دی، پہلے تو میں نے انھیں پہچان نہ سکا کیونکہ وہ میرے ہی دماغ میں بیٹھے میری سوچ میں بول رہے تھے۔
>
> "میں تمھارا خیال ہوں، پہلے اپنی سوچ کو سمجھو کہ یہ ہے کیا؟ ہر انسان کے دماغ میں دو سوچیں ہوتی ہیں، مثبت اور منفی۔ ہاں اور ناں۔ ایک سوچ تمھیں کسی بات کو قبول کرنے پر مائل کرتی ہے۔ دوسری سوچ اس بات سے انکار کرتی ہے، یہ اچھا ہے، یہ برا ہے، یہ کرو، یہ نہ کرو، والی کشمکش ہر انسان کے دماغ میں ہوتی ہے۔ اور ہم ٹیلی پیتھی

کے ذریعے کسی بھی شخص کی اس کشمکش کو پڑھتے اور سمجھتے رہتے ہیں۔ میں تمھاری سوچ کو پڑھ رہا ہوں۔ میں وہی بوڑھا ہوں جس سے تم ایک بار ٹرین میں مل چکے ہو۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم سے رابطہ قائم کروں گا، وہ وعدہ پورا کر رہا ہوں۔"

اس وقت میری خوشی کا ٹھکانا نہ تھا ایسے وقت جبکہ میں ان کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ خود ہی میری سوچ میں آکر سما گئے تھے۔ اس وقت میں نے سوچا کہ ان سے پوچھوں وہ کہاں ہیں۔ میں ان سے کہاں ملاقات کر سکتا ہوں۔ لیکن میرے پوچھنے سے قبل ہی انھوں نے میری سوچ کو پڑھ لیا۔

"تم جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو، اس کے لیے زبان ہلانے کی ضرورت نہیں ہے تم صرف سوچو، میں اسے سن لوں گا۔"

میں ان کی ہدایت کے مطابق سوچنے لگا۔ "بابا جی! میں جس دنیائے سماعت میں سانسیں لے رہا ہوں، وہاں آوازوں کی بھیڑ چھٹ گئی ہے۔ اب ہر آواز فرداً فرداً سنائی دیتی ہے۔ اب آپ مجھے یہ بتائیے کہ میں اپنے مطلوبہ دوست یا دشمن کی سوچوں کو کس طرح سن سکتا ہوں۔"

جواب میں بوڑھے بابا کی سوچ سنائی دی۔ "تم صرف اسی کے دماغ تک پہنچ سکتے ہو، جسے تم نے اپنی زندگی میں کبھی دیکھا ہو اور اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں کو یاد رکھا ہو۔ کیونکہ ہر انسان کی آنکھیں اس کے خیالات کی چغلی کھاتی ہیں اور چہرہ ان خیالات کا ردعمل پیش کرتا ہے۔ کتنے ہی لوگ اس حقیقت کو سمجھتے ہیں لیکن چہرے اور آنکھوں کے ذریعے کسی کے خیالات تک پہنچنے کے علم سے لاعلم ہوتے ہیں۔ تم علم کی اس حد تک پہنچ گئے ہو، جہاں ہر انسان کے جانے پہچانے چہرے اور ان کی آنکھوں کے راستے سے تم ان کی سوچ تک پہنچ سکتے ہو۔ میں تمھیں راستہ دکھاتا ہوں۔ تم سب سے پہلے یہ فیصلہ کرو کہ کس کا چہرہ اور آنکھیں ایسی ہیں، جو تمھاری یادداشت میں محفوظ ہیں۔ پھر تم اس کے چہرے کو چشم تصور میں لاؤ اور اس کی آنکھوں میں جھانکو، تم فوراً ہی اس کے دماغ تک پہنچ جاؤ گے۔"

میں سوچنے لگا۔ کتنے ہی چہرے ایسے تھے جو میری یادداشت میں محفوظ تھے۔ پھوپھی اور زرینہ کو متواتر کئی سالوں سے دیکھتا آرہا تھا، ان کے چہرے اور آنکھیں میں کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔ ان کے علاوہ بچپن سے جوانی تک کی یادیں تھیں۔ چچا جان، چچی، غزالہ اور ظہیر کے ایسے چہرے تھے کہ ہر وقت ان کی تصویر نگاہوں کے سامنے کھنچ جاتی تھیں۔ اور جو میری زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی وہ میری بہن شاہینہ تھی۔ اس کے سامنے جتنے رشتے تھے، جتنی محبتیں تھیں، وہ سب ہیچ تھیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اپنی بہن شاہینہ سے رابطہ قائم کروں گا۔(2)

اسی لیے اس نوعیت کے ادب کو عوامی ادب کہا جاتا ہے اور اس کا شمار زبان کے کلاسیکل ادب میں نہیں کیا جاتا۔ ادب کی اس تقسیم کے بارے میں مولا بخش اپنے مضمون ''پاپولر لٹریچر کی روایت'' میں لکھتے ہیں:

تہذیب اور ادب زندگی کا مکمل اظہار ہے اور ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ پاپولر کلچر اس کا حصہ ہے۔ اس کی پیدائش اچانک نہیں ہوئی بلکہ پاپولر ادب صدیوں سے چلی آرہی ادبی تخلیق کا روایت کا ایک روپ ہے۔ یعنی جب ہمارا سماج ان پڑھ سماج تھا تو ادب کی حیثیت روٹی، کپڑا اور مکان سے کم نہ تھی لیکن سماج جیسے جیسے مختلف ذاتوں طبقوں میں بٹا، ویسے ویسے طبقہ اشرافیہ کے ادب اور عوامی ادب کے دو خانے بن گئے۔(3)

مقبولِ عام ادب کی اصطلاح میں فکشن، جاسوسی ادب اور خواتین یا دیگر رسائل کو شامل کیا گیا ہے کیوں کہ ان میں معاشرے کے عام رویوں یا جرم و سزا کے عمومی واقعات کو موضوع بنایا جاتا ہے جس بنا پر اس نوعیت کے ادب میں سطحیت سی پیدا ہو جاتی ہے اور اسے پڑھنے والے معاشرے کے وہ عام لوگ ہوتے ہیں جو فلسفیانہ سوچ و فکر سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں نہ عصرِ حاضر کے مسائل اور تہذیبی تغیر اور سماجی اتار چڑھاؤ جیسے معاملات سے انھیں زیادہ تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے۔ مقبولِ عام ادب میں جو مواد پیش کیا جاتا ہے وہ عام طور پر کہانی کی ہی کوئی شکل ہوتی ہے، لوگ قصہ کہانیوں میں دل چسپی رکھتے ہیں، ہر زمانے کا انسان کہانی میں دلچسپی لیتا چلا آیا، مقبولِ عام ادب زیادہ تر افسانوں اور ناولوں کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ تاریخی، رومانوی، ماورائی اور جاسوسی ناول عوام میں مقبول ہوتے ہیں۔ آمنہ توصیف اپنے مقالے ''اردو میں جاسوسی ادب: ضرورت و

اہمیت“ میں ادب عالی کے حامل ناول نگاری کو سنجیدہ ناول نگاری اور مقبول عام ناول نگاری کو مقبول ناول نگاری کا عنوان دیتے ہوئے ان کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ناول نگاری چاہے سنجیدہ ہو یا مقبول، ان دونوں کے ادبی مقاصد ایک ہی ہیں یعنی معاشرے، سماج اور انسانی اقدار کی تلخ حقیقتوں کا اظہار اور ان کا حل۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سنجیدہ ادب گہرائیوں میں ڈوبا ہوتا ہے جس کے لیے قاری کو فکر کے سمندر میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔ جبکہ مقبول ادب میں بات تفریحاً اور سہل انداز میں کہی جاتی ہے۔(4)

مقبولِ عام ادب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد کو مطالعے کی عادت پڑتی ہے اور وہ زبان و بیان سے واقف ہوتے ہیں، ادب کی اس قسم کی وجہ سے خواندہ لوگوں میں مطالعہ کی عادت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جاسوسی ادب کو بھی مقبولِ عام ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔

ناپختہ افسانوی ادب :(Unpolished Fictional Literature)

ادب کی یہ قسم دراصل ناپختہ خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔ عام طور پر محض خیالی قصص ہی اس کا موضوع ہوتے ہیں۔ یہ ادب زیادہ تر افسانوں یا مختصر کہانیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں عام لوگوں کی زندگی کے واقعات کو رنگین انداز میں بیان کیا جاتا ہے، اس طرز کے ادب میں بسا اوقات بعض حقیقتوں کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ ادب کے اس طرز میں پھکڑپن، ابتذال، طنز، مزاح، یا عشق کے واقعات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

چوں کہ جدیدیت کی لہر مسلم سماج میں تفریح کے ساتھ ساتھ اباحت پسندی کا عنصر بھی لے کر آئی اسی لیے استعمار کے زیرِ اثر آنے والے معاشروں میں ادب بھی اباحت پسندانہ رجحانات کا شکار ہوا جس کے تحت برصغیر یعنی پاک و ہند کے سماج میں فحش نگاری کو حقیقت پسندی کے لبادے میں پیش کیا جانے لگا، یہ رجحان عام کرنے میں انگریزی اور دیگر زبانوں میں لکھے گئے پلپ فکشن (ناپختہ افسانوی ادب) کے تراجم نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ناپختہ افسانوی ادب فحش مواد، جنسی کج روی پر مبنی رویوں کے اظہار، نفسیاتی مریضوں کے رجحانات اور فرضی ڈراؤنے قصوں اور بے بنیاد توہمات کی عکاسی کرتا تھا۔ آسیب، چڑیلوں اور بھوتوں کی کہانیاں گھڑی گئیں اور غیر حقیقی بنیادوں پر بہادری کے اظہار اور ہیرو ازم نے جنم لیا۔ نوجوانوں کے لیے ایسی

کہانیاں اور افسانے پیش کیے گئے جو کہ نہ تو زبان و بیان کے اعلیٰ معیارات پر پورا اترتے تھے اور نہ ہی وہ سماجی رویوں کی اصلاح اور بہتری کے لیے کچھ بہتر مواد پیش کر رہے تھے۔ گو کہ اس قسم کے ادب کو محض تفریحی بنادوں پر پیش کیا جارہا تھا لیکن انھیں تفریح سے زیادہ وقت گزاری کا مشغلہ ہی کہا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے ادب میں فحش نگاری کا عنصر بھی در آیا تھا، سستے اور ہلکے کاغذ پر چھاپا گیا یہ مواد ادب کے نام پر عام ہونے لگا، اس مواد کی سب سے نمایاں خصوصیت یہی تھی کہ یہ محض وقت گزاری کا ایک ذریعہ تھا۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"کاش ابو جان مجھے اکرام کے ساتھ منسوب کرنے کا فیصلہ نہ کرتے۔"

"بھئی تم نے پوری بات تو مجھے آج تک نہیں بتائی۔ آخر یہ قصہ کیا تھا۔"

مرد نے ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد سوال کیا۔

"دراصل ہمارا یہ خاندانی جھگڑا ہے۔"

عورت ایک طویل وقفہ کی خاموشی کے بعد مدھم سروں میں کہنا شروع کیا۔

"اکرام میرے چچا کا لڑکا ہے اسکی بہن رئیسہ میرے بڑے بھائی کو بیاہی ہے میرے بڑے بھائی کو رئیسہ سے بالکل لگاؤ نہ تھا۔ مگر والدین کی مرضی کی وجہ سے مجبوراً انھیں شادی کرنا پڑی۔ میرے بھیا طوائف سے محبت کرتے تھے شادی کے بعد وہ ایک ایک ہفتہ گھر سے غائب رہنے لگے۔ گھر سے غائب رہ کر وہ اسی طوائف کے ہاں رہتے تھے۔ بھیا کی اس بات پر گھر میں جھگڑے پڑنے لگے۔ بھابی آئے دن ان سے لڑنے لگیں یہاں تک کہ بھابی کے گھر والوں کو بھی ان حرکتوں کا علم ہو گیا۔ بات بہت لمبی ہے۔ آپ اتنا سمجھ لیں کہ اکرام مجھ سے شادی کر کے اپنی بہن کا بدلہ اتارنا چاہتا ہے۔ میرے والدین بھی اسکی نیت سے باخبر تھے لیکن چونکہ اکرام مالدار گھرانے کا لڑکا تھا اس لئے میری شادی اس سے کرنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ میں جانتی ہوں کہ اگر اکرام سے میری شادی ہو جاتی تو وہ مجھے زندگی بھر طرح طرح کی اذیتیں دیتا ان اذیتوں سے بچنے ہی کی بنا پر مجھے آپ کا سہارا لینا پڑا۔ اگر میں آپ کے ساتھ نہ بھاگتی تو میرا کیا حشر ہوتا۔"

عورت سرد آہ بھر کر خاموش ہو گئی۔

"تم نے بہت اچھا کیا جو میرے ساتھ بھاگ آئیں۔"(5)

اس قسم کے ادب سے نہ ہی زبان و بیان کی صلاحیت بہتر ہوتی تھی اور نہ ہی سماج اور انسانی نفسیات کی درست عکاسی کی جاتی تھی، یہ ایک اچھے ذہن کے لیے معیاری تفریح کی ضرورت بھی پوری نہیں کرتا تھا البتہ سماج کے غلط رجحانات کی عکاسی کر کے سماج میں غلط تصورات کو مزید پختہ کرنے کا کام اس ادب نے بخوبی کیا۔

3۔ جاسوسی ادب

اردو میں ناول نگاری کی ابتدا مغرب سے آئی۔ جدید اصناف کی ترویج کی بدولت بعض قدیم اصناف دم توڑ رہی تھیں۔ بعض دم توڑتی اصناف کو جدید اصناف میں اپنا نیا وجود ملا۔ اردو یا ہندوستان میں داستان نے ناول میں اپنا نیا وجود پایا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ داستان کی طوالت اور قصہ آفرینی کو ناول کی صورت میں گویا ایک نیا رنگ و روپ اور آہنگ مل گیا تھا۔ اس لیے اردو میں ناول کی روایت کے ابتدائی دور کے ناولوں میں یہ داستانوی انداز ابھر کر سامنے آتا ہے۔ فائقہ جبین اپنے مقالے میں رقمطراز ہیں:

> جاسوسی ادب کی جڑیں تلاش کرتے ہوئے عہد قدیم کی مشرقی داستانوں خصوصاً "الف لیلیٰ" (عمرو عیار کی جاسوسانہ مہمات، بالخصوص بغداد و مصر کے متعلق حصے) "طلسم ہوشربا" اور بوستانِ خیال تک جانکلتے ہیں۔(6)

جاسوسی ادب کا موضوع جرم و سزا کے قصے ہوتے ہیں جن میں آخر کار قانون کی فتح یا مجرم کی سزا کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اردو میں جاسوسی ناول نگاری کا رجحان مغربی ادب میں لکھے گئے جاسوسی ادب کے تراجم کے بعد پیدا ہوا، تراجم کے علاوہ مغربی ادب کے جاسوسی ناولوں کے تراجم کو مقامی ماحول کے مطابق کرداروں کے ناموں کی تبدیلی کے ساتھ بھی پیش کیا گیا۔ چوں کہ یہ کردار دراصل مغربی ماحول میں تخلیق کیے گئے تھے لہذا وہ مقامی رنگ میں پوری طرح نہ ڈھل سکے، ان کا چربہ عمومی مقبولیت حاصل نہ کر پایا۔ وہ اردو کے جاسوسی ادب کو اس کے اپنے ماحول اور معاشرت سے جڑے کردار نہ دے پائے، لیکن ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اردو پڑھنے والے طبقے میں جاسوسی کہانیاں پڑھنے کا رجحان پیدا ہو گیا۔

چونکہ ہمارے ہاں ناول داستانوں کی ہی ایک نئی صورت گری تھی اس لیے جاسوسی ناولوں میں داستانوی عناصر کہیں زیادہ ابھر کر سامنے آئے جن میں مافوق الفطرت اور ماورائی عناصر، ہیرو کا غیر انسانی

کردار کا حامل ہونا اور طاقت کا سرچشمہ ہونا بطور خاص شامل ہوا۔ اردو جاسوسی ناول نگاروں میں ابن صفی نے مذکورہ عناصر کی بجائے اپنے مرکزی کردار کو ایک منفرد اور معاشرتی کردار کے حوالے سے پیش کر کے بہترین جاسوسی ادب کی بنیاد رکھی۔ جاسوسی ادب کے دائرہ کار کو اس اقتباس کی روشنی میں دیکھیے:

> جاسوسی ادب کا براہ راست تعلق اصلاح معاشرہ سے ہوتا ہے۔ جاسوسی مصنفوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسا موضوع منتخب کریں جس سے عوام کو غیر ملکی جاسوں اور سماجی جرائم سے آگاہی ملے اور وہ خود ان جرائم کی روک تھام کے لیے تیار ہو جائیں۔ بظاہر جاسوسی ادب کا مقصد محض تفریح سمجھا جاتا ہے مگر حقیقتاً اس میں وہ مسائل اور کسی حد تک اس کا حل ملتا ہے جو کہ ہر عام آدمی کی زندگی میں درپیش ہوتے ہیں۔ چوری، ڈاکہ زنی، دھوکا دہی یہاں تک کہ قتل کی واردات بھی موجودہ دور میں عام ہے۔ جاسوسی ادب میں ان مسائل کو تخیل کی اڑان بھرتے ہوئے ناقابل فہم مہمات بنا کر تحقیق و تفتیش اور سراغ رسانی کے ذریعے حل کیا جاتا ہے۔(7)

جاسوسی ادب اپنے موضوعات، عوامی رنگ اور عام فہم ہونے کی وجہ سے مقبولِ عام ادب ہی کہلاتا ہے۔ اردو ادیبوں نے جاسوسی ناولوں کو ادبِ عالی میں شمار نہیں کیا، لیکن اردو کے جاسوسی ناول نگاروں نے وسیع پیمانے پر یہ کام کیا۔ یوں اردو کا جاسوسی ادب ایک مستقل شناخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ اردو ناول نگاری میں جاسوسی ناول نگاری کی ایک مستقل روایت قائم ہو گئی اور مقبولِ عام ادب میں اردو کے جاسوسی ادب کو ایک مستقل حیثیت دی جانے لگی۔ اردو میں جاسوسی ادب کی اس روایت کو قائم کرنے اور اسے مستقل شناخت عطا کرنے میں ابنِ صفی کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے کرداروں کی وجہ سے اردو جاسوسی ناول نگاری کا ایک مستقل مکتب قائم ہو گیا۔ جاسوسی ادب کے اسلوب کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

> وہ سب لوگ اس کمرے میں آئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ چارپائی کے سرہانے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ انسپکٹر فریدی دیر تک لاش کا

معائنہ کرتا رہا۔ پھر اس نے وہ چھرا سب انسپکٹر کی اجازت سے مقتولہ کے سینے سے کھینچ لیا اور اس کے دستوں پر انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے لگا۔

پھر کھڑکی کی طرف گیا اور جھک کر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی سے تین فٹ نیچے تقریباً ایک فٹ چوڑی کارنس تھی جس سے ایک بانس کی سیڑھی ٹکی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر پڑی ہوئی گرد کی تہہ کئی جگہ سے صاف تھی اور ایک جگہ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے نشان تھے۔ "یہ تو صاف ظاہر ہے کہ قاتل اس کھڑکی سے داخل ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو اتنا صاف ہے کہ گھر کی خادمہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔" تھانے کے سب انسپکٹر نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے خنجر کا جائزہ لینے لگا۔

"قاتل نے دستانے پہن رکھے تھے اور ایک مشاق خنجر باز معلوم ہوتا ہے۔" انسپکٹر فریدی بولا۔ "اور وہ ایک غیر معمولی طاقت ور انسان ہے۔۔۔ داروغہ جی اس خنجر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔"

"خنجر۔۔۔ جی ہاں یہ بھی مضبوط معلوم ہوتا ہے۔" سب انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

"جی نہیں میں اس کی ساخت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"اس کی ساخت کے بارے میں صرف لوہار ہی بتا سکتے ہیں۔"

۔۔۔ ایک کانسٹیبل نے آکر اطلاع دی کہ اس شخص کا پتا لگ گیا ہے جس سے کل رات سیتا دیوی کا جھگڑا ہوا تھا۔

سب لوگ بے تابانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر ایک باوردی کانسٹیبل کھڑا تھا۔ آنے والے کانسٹیبل نے بتایا کہ رات سیتا دیوی اس سے جھگڑ رہی تھی۔ وہ رات اس طرف سے گزر رہا تھا کہ سیتا دیوی نے اسے پکارا۔ اسے جلدی تھی

کیونکہ وہ گشت پر جارہا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی چلا آیا۔سیتا دیوی نے اسے بتایا کہ کوئی آدمی ان کی مرغیوں کی تاک میں ہے اور اس سے ادھر کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ اس نے جواب دیا کہ پولیس مرغیاں تاکنے کے لئے نہیں ہے اور پھر وہ دوسری چوکی کا کانسٹیبل ہے، اسی پر بات بڑھ گئی اور جھگڑا ہونے لگا۔

تھانے کا داروغہ اسے الگ لے جا کر اس سے پوچھ گچھ کرنے لگا اور فریدی نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ ”ہاں تو ڈاکٹر میں تم سے کہہ رہا تھا کہ یہ خنجر دراصل تمہارے سینے میں ہونا چاہیے تھا۔سیتا دیوی دھوکے میں قتل ہو گئیں اور جب قاتل کو اپنی غلطی کا علم ہو گا تو وہ پھر تمہارے پیچھے پڑ جائے گا۔ اب پھر اسی کمرے میں چل کر میں اس کی تشریح کروں گا۔“

اس انکشاف پر سب بوکھلا گئے۔ شوکت گھبراہٹ میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ داروغہ جی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور سرجنٹ حمید انھیں مضحکہ خیز انداز میں گھور رہا تھا۔

سب لوگ پھر لاش والے کمرے میں واپس آئے۔ انسپکٹر فریدی کھڑکی کی کارنس پر اتر گیا اور اس لائن کے سارے کمروں کی کھڑکیوں کا جائزہ لیتا ہوا لوٹ آیا۔(8)

اردو میں ابن صفی نے جاسوسی ناول نگاری میں انفرادیت قائم کی جس نے گویا جاسوسی ادب کی راہ متعین کی۔ باقاعدہ جاسوسی ناول نگاری میں ان کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بچوں میں اشتیاق احمد کے ناولوں نے جاسوسی ادب کو جہت عطا کی۔ فائقہ جبین نے اپنے مقالے میں لکھا: ”ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر (انچارج شعبہ بچوں کا ادب، دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد) نے اشتیاق احمد کو ”بچوں کا ابن صفی“ کہا ہے۔“(9)

ابنِ صفی اور اردو کے دبستانِ جاسوسی ادب کے متعلق گفتگو سے پہلے جاسوسی ادب کی مقبولیت کے عناصر کو جان لیتے ہیں۔

ج۔ جاسوسی ادب کی مقبولیت کے عناصر:

جاسوسی ادب کی مقبولیت کی بنیادی وجہ اس کا موضوع ہے۔ موضوع کے علاوہ کسی مصنف کا اسلوب بھی جاسوسی ادب کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ موضوع اور اسلوب کے بعد جاسوسی ادب کی تمام تر مقبولیت کا دارومدار اس کے کرداروں پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہانی میں موضوع کو بنیادی اہمیت حاصل ہے تو موضوع کو کماحقہ پیش کرنے کے لیے ایک مصنف کو اگلے مرحلے میں بہترین اور موزوں کرداروں کی تخلیق کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔ ناول نگار موضوع کے مطابق جس قدر شان دار کردار تشکیل دیتا ہے اور جس قدر عمدہ اسلوب کے ساتھ کہانی کو بیان کرپاتا ہے، وہ اسی قدر لوگوں کی توجہ حاصل کرتا ہے اور اس کے الفاظ کو سندِ قبولیت ملتی ہے۔

1۔ موضوع

کسی کہانی، ناول یا ادبی شہ پارے کا موضوع ایسے کچھ حقائق ہوتے ہیں جو مصنف یا ادیب قارئین تک پہنچانا چاہتا ہے۔ ادب کا موضوع انسانی تجربے، مشاہدے اور تخیل میں حقیقی پیش آنے والے واقعات یا فرضی واقعات سے اخذ ہونے والے اصول، ضابطے اور فطری نتائج ہوتے ہیں جنھیں مختلف حکایات اور ضرب الامثال میں بیان کیا جاتا ہے۔

ادب کا موضوع انسانی زندگی ہے۔ جاسوسی کہانی بھی انسانی زندگی کے مسائل میں سے اپنے مخصوص دائرے کا چناؤ کرتی ہے۔ مثلاً جاسوسی کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ جرم ہمیشہ اپنا کوئی نہ کوئی سرغ چھوڑ جاتا ہے، ظالم کو ظلم کا بدلہ مل کر ہی رہتا ہے۔ جاسوسی ناول کا دائرہ قانون کی نظر میں جرم شمار ہونے والے معاملات اور ان کی تفتیش و تحقیق اور مجرم تک رسائی اور اس کی گرفت تک ہی محدود رہتا ہے لہذا عام طور پر جاسوسی ناول میں حیات اور اس سے وابستہ تمام مسائل بیان نہیں کیے جاتے اور اسی بنا پر جاسوسی ناول نگاری کو ادب عالی کا حصہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ مقبولِ عام ادب سمجھا جاتا ہے۔

جاسوسی ادب کا بنیادی موضوع جرم و سزا، جرم اور قانون کی کشمکش، جرم کی واردات کے نت نئے انداز، قانون کے محافظوں اور قانون شکنوں کے درمیان مقابلہ، مجرموں تک قانون کی رسائی کے لیے ثبوت کی کھوج، جرم کی گہرائی اور سماج پر اس کے اثرات اور طاقت ور مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے

انصاف کا ساتھ دینے والوں کی جدوجہد کے واقعات ہیں۔ چوں کہ جرم و سزا کے یہ واقعات طاقت و اختیارات کے استعمال، ظلم و جبر، حق تلفی اور استحصال، جرم کو چھپانے یا مجرموں کی پردہ پوشی اور اس کے مقابلے میں قانون اور انصاف کی حمایت اور مظلوم کا ساتھ دینے کی جدوجہد پر مشتمل ہوتے ہیں لہٰذا ان میں انسانی دلچسپی کے بہت سے عناصر کار فرما ہو جاتے ہیں۔ تحیر، سسپنس، تجسس اور بھید جاننے کی فطری خواہش کی وجہ سے جاسوسی ادب کو پسند کیا جاتا ہے اور خاص طور پر نوجوان اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ نوجوانوں کی پسندیدگی کی وجہ جاسوسی ناولوں کے موضوع کے علاوہ اس کے کردار بھی ہیں جو کہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیتے ہیں۔ شجاعت، ذہانت اور انسانی کمالات پر مشتمل ایسے ہی کارنامے نوجوان انجام دینا چاہتے ہیں، اس لیے وہ جاسوسی ناولوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔

جاسوسی ناولوں کی کہانی ایک مختلف دنیا کو ظاہر کرتی ہے۔ جاسوسی ناولوں میں ہمارے ارد گرد موجود ماحول میں چھپے ہوئے رازوں کو اجاگر کیا جاتا ہے، ملک میں ہونے والی سماج دشمن سرگرمیوں، ان کا ارتکاب کرنے والے پوشیدہ عناصر، ملک دشمن افراد کے مراکز، اڈوں اور ہوٹلوں کی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ پراسرار گروہ، خوفناک سازشیں، خطرناک اور باوسائل مجرم تنظیمیں، خفیہ لیباٹریاں اور حکومتوں کے بھید منکشف کیے جاتے ہیں۔ دولت اور ٹیکنالوجی، جدید ترین آلات اور دیگر وسائل اور ہتھیاروں کے استعمال کے سنسنی خیز قصے ہوتے ہیں، دکھائی دینے والی دنیا سے جڑی ہوئی لیکن نظروں سے اوجھل اس دنیا کے احوال اس قدر دلچسپ ہوتے ہیں کہ وہ پڑھنے والے کی توجہ کھینچ لیتے ہیں۔ جاسوسی ناول کا مطالعہ کرنے والا کہانی کے اتار چڑھاؤ میں گم ہو جاتا ہے، حیرت انگیز واقعات کی رفتار اسے کہانی کا انجام جاننے پر مجبور کرتی ہے اور جب تک وہ کہانی کے اختتام تک نہیں پہنچ جاتا، اسے تسکین حاصل نہیں ہوتی۔

جاسوسی ناولوں کا موضوع متعین ہونے اور ان میں پیش کی جانے والی دنیا کا علم ہونے کے باجود جاسوسی ناولوں کی مقبولیت کی ایک وجہ ان کی پیش کش کا انداز، ان کے کردار اور مصنف کی تکنیک کا کمال ہے۔ مصنف کا اسلوبِ نگارش، ناول کی رفتار، واقعات کی بندش اور کرداروں کی صفات اور مکالمے ناول کی مقبولیت میں اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں۔

2۔ پلاٹ

کسی بھی ناول میں پلاٹ کی اہمیت دوچند ہوتی ہے۔ کہانی کے بعد ان کو ایک خاص ترتیب سے پیش کرنے میں ہی ناول نگار کی قابلیت کا انداز ہوتا ہے۔ واقعات کو مبسوط و مربوط انداز میں پیش کرنا ہی ناول نگار کی خوبی ہے۔ یہ خوبی محض نہیں ہے بلکہ اس پر اس پر مقبولیت کا انحصار بھی ہوتا ہے۔ واقعات کا یہی منظم تسلسل پلاٹ کہاتا ہے۔ شاعر علی شاعر اپنی کتاب ”جدید اردو ناول: اسلوب اور فن“ میں لکھتے ہیں: ”واقعات کا دلکش اور خوبصورت تسلسل ہی پلاٹ کہلاتا ہے۔“ (10) پلاٹ ہی کسی قصے یا قصوں کے مجموعے کا مکمل ڈھانچہ ہوتا ہے۔

یہ پلاٹ کی ہی خوبی ہوتی ہے کہ قاری ناول نگار کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، اس کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ اہم اور کم متعلقہ واقعات کی پیش کش میں ناول نگار کی فنی مہارت ہی ناول میں دلچسپی کے عنصر کو غالب رکھتی ہے۔ عظیم الشان صدیقی اپنے کتاب ”اردو ناول: آغاز و ارتقا“ میں رقمطراز ہیں: ”سب سے اچھا پلاٹ وہی تصور کیا جاتا ہے جو اپنے موضوع اور مواد سے ہم آہنگ ہو اور فنکارانہ بصیرت کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہو۔“ (11)

جاسوسی ادب میں موضوع اور کرداروں کی پیشکش کے بعد پلاٹ کو اہمیت حاصل ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ہمارے ہاں مروج اکثر جاسوسی ناول، کرداری ناول کے زمرے میں آتے ہیں اور کرداری ناول میں پلاٹ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ لیکن جاسوسی ناول چونکہ جہاں ایک کرداری ناول ہوتے ہیں وہیں اس میں موضوع کو فوقیت حاصل ہے اس لیے بیک وقت کرداری صفات کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس کے موضوع پر بھی گرفت ہوتی ہے اس لیے ان میں پلاٹ میں جھول کم دیکھا جاتا ہے۔ البتہ پلاٹ میں اگر کہیں جھول آتا ہے تو اس کی اثر انگیزی، دلچسپی اور مقبولیت پر فرق پڑتا ہے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جاسوسی ناولوں میں موضوع، کرداروں کی پیشکش اور پلاٹ کو اس کی مقبولیت میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

جاسوسی ناولوں کے پلاٹ میں ایک اسراریت پائی جاتی ہے اور ایک خاص حد تک پائی جانی والی یہ اسراریت ہی اسے جاسوسی ادب اور مقبولیت کا درجہ دیتی ہے۔ ایک خاص بات جاسوسی ناولوں میں یہ بھی ہوتی ہے قاری کرداروں کے اقوال، اطوار اور افعال میں اس قدر دلچسپی لیتا ہے کہ اس کے ذہن سے پلاٹ کا

تصور محو ہو جاتا ہے۔ ناول نگار بھی چونکہ کرداروں کی بدولت کہانی کو آگے بڑھاتا ہے اور موضوع میں بھی ایک خاص قسم کی یکسانیت پائی جاتی ہے اس لیے پلاٹ میں لچک بھی شامل ہو جاتی ہے۔ جاسوسی ناولوں کے کرداروں کا پلاٹ لچکدار ہوتا ہے۔

3۔ اسلوب

طرزِ تحریر کا خاص انداز اسلوب کہلاتا ہے۔ اسلوب کسی بھی تحریر میں دلچسپی، اثر پذیری اور جامعیت کا ضامن ہوتا ہے۔ ادبی اصناف کو دیگر تحریروں سے اسلوب کی مدد سے ہی منفرد قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں زبان و بیان، جملوں کی نشست و برخاست پر قدرت، معانی و الفاظ میں دلآویزی اور کلام میں دلکشی شامل ہے۔ شاعر علی شاعر ناول میں اسلوب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> جہاں ناول میں پلاٹ، کردار، پس منظر اور نقطہ نگاہ ضروری ہیں وہاں اسلوب بیان بھی ایک ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ میری نظر میں اسلوب بیان جس قدر دلکش اور دل موہ لینے والا ہو گا، قاری کے دل پر اس کا اثر اتنا ہی جلد اور دیر پا ہو گا۔(12)

جاسوسی ادب کی روایت پر اگر نگاہ دوڑائی جائی تو ابتدا میں ہمیں مغربی ناولوں کے تراجم کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے تراجم کی صورت میں اسلوب بہر حال کہیں کہیں اصل متن کے تابع ہوتا ہے تو کہیں مصنف اپنی لیاقت سے ضرورت کی بدولت اسے دوسری زبان میں ڈھالتا ہے اس لیے ابتدائی دور کے بعد جب طبع زاد ناول نگاری کے دور کا آغاز ہوا تو قصہ میں تو مغربی اثر نمایاں رہا لیکن اسلوب اور کردار پر مقامیت غالب آگئی۔ جاسوسی ادب میں موضوع کی یکسانیت کی وجہ سے اس کی اہمیت کرداروں اور اسلوب کی بدولت زیادہ واضح ہوتی ہے۔ اسلوب کے حوالے سے ابن صفی کو جہاں طبع زاد جاسوسی ناول نگاری میں اولیت کا مقام حاصل ہے وہیں ان کے اسلوب بیان میں بھی ادبی چاشنی انھیں دوسرے جاسوسی ناول نگاروں سے ممیز کرتی ہے۔ اشتیاق احمد کا اسلوب بھی انفرادیت کا حامل ہے جس میں ان کی توجہ واقعات کی پیشکش سے زیادہ کرداروں کے مکالمہ پر زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مظہر کلیم کا اسلوب ایک خاص انداز کا حامل ہے جس میں اسلوب سے کہیں زیادہ توجہ مہم یا واقعاتی تسلسل پر ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر جاسوسی ادب میں طرز نگارش واقعات کے ساتھ ساتھ کرداروں کی پیشکش کے مرہون منت نظر آتا ہے۔ جاسوسی ادب چونکہ مقبول عام ادب ہے اور معاشرے کے عام لوگ اسے پڑھتے ہیں اس لیے اس کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہوتا ہے۔ الفاظ و محاورات سے لے کر فقرے کی بُنت اور ترتیب میں اس کے عام فہم ہونے کو بطور خاص ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

4۔ کردار

کردار ہر کہانی کا لازمی جز اور بنیادی حصہ ہوتے ہیں۔ ادب میں کہانی کی تمام اصناف میں کردار ضرور شامل ہوتے ہیں۔ کہانی چاہے ڈرامے کی شکل میں ہو، یا آپ بیتی ہو، وہ داستان ہو یا ناول، وہ نثر میں پیش کی جائے یا منظوم انداز میں، اس کا وجود کرداروں کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ بیانیہ کہانیوں میں بھی کہانی راوی کے ذریعے آگے بڑھتی ہے جو کہ عموماً مصنف خود ہی ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کردار کیا ہوتے ہیں؟ ان کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ ان کی اہمیت کیا ہوتی ہے؟ اور کرداروں کی وجہ سے کہانی کی مقبولیت، اس کی دل کشی اور خوب صورتی اور اس کی مقصدیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

کردار کسی بھی کہانی میں پیش کیے جانے والے وہ افراد ہوتے ہیں، جن کے ساتھ کہانی میں پیش کردہ واقعات پیش آتے ہیں یا وہ ان کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں یا وہ ان واقعات کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ کہانی چوں کہ کسی قصے پر مشتمل ہوتی ہے اور قصہ حالات و واقعات کے تال میل اور جوڑ سے پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ واقعات مجرد طور پر، بلا سبب تو وجود میں آنہیں سکتے، اس لیے قصے کو بیان کرنے کے لیے افراد کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ لکھتے ہیں: "جہاں کوئی قصہ ملے گا وہاں کچھ اشخاص بھی ہوں گے۔"(13) ان افراد میں جہاں قصے میں متحرک طور پر پیش کیے گئے کردار ہوتے ہیں، وہاں راوی بھی ایک کردار کی حیثیت رکھتا ہے جو کہانی کو آگے بڑھا رہا ہوتا ہے تاہم کہانی، ناول یا داستان میں راوی اگر خود متکلم نہ ہو تو اس کا کردار خاموش ہوتا ہے یعنی وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔

ہر کہانی میں مختلف کردار ہوتے ہیں جو اپنی اپنی جگہ اس کہانی کی تکمیل کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ اصول جاسوسی کہانیوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ جاسوسی کہانیوں میں موضوع کے بعد قارئین کی دل

چسپی کی بنیادی وجہ اس کے کردار ہوتے ہیں کیوں کہ انہی کے کارناموں میں قارئین زیادہ دل چسپی لیتے ہیں۔،عام کہانیوں کی طرح جاسوسی کہانیوں میں بھی مختلف کردار پائے جاتے ہیں۔ یہ کردار مثبت بھی ہوتے ہیں اور منفی بھی۔ ان کی مختلف صفات اور مخصوص مزاج اور رویے ہوتے ہیں اور یہ کہانی میں اسی طرح جیتے ،جاگتے، نقل و حرکت کرتے ،بولتے ،ہنستے یا روتے اور مختلف سرگرمیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ عملی زندگی میں ہم انسانوں کے مختلف النوع اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہانی دراصل انہی کرداروں کے اعمال اور ان پر منتج ہونے والے نتائج کا بیان ہوتی ہے۔ کہانی کا بیانیہ اگرچہ مصنف تشکیل دیتا ہے لیکن اس بیانیے میں جان کرداروں کی بدولت پڑتی ہے۔

کسی کہانی، داستان یاناول میں انہی کرداروں کی بدولت دل چسپی پیدا ہوتی ہے جو قارئین کو جیتے جاگتے انسانوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ فی الواقع یہ کردار یا تو علامتیں ہوتی ہیں یا یہ کچھ جیتے جاگتے انسانوں کی نقلیں ہوتیں ہیں جنھیں خاص انداز میں پیش کیا جاتا ہے تاہم پڑھنے والے کو صرف قصے یا کہانی ہی سے دل چسپی نہیں ہوتی بلکہ وہ کرداروں کے ذاتی احوال، ان کی افتادِ طبع، ان کے رویے، ان کی ذہنی ساخت، نفسیات اور داخلی مزاج کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔ اسی لیے معیاری کردار نگاری بذاتِ خود ایک پیچیدہ کام ہے جو تخیل اور منطق دونوں کی کسوٹی پر پورا اترنے کا تقاضا کرتا ہے۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ کہانیوں، داستانوں اور ناولوں کی تاریخ میں شہرت انہی فن پاروں کے حصے میں آئی ہے جن کے دامن میں غیر معمولی نوعیت کے حامل کردار پائے جاتے ہیں۔ ماضی کی داستانوں میں بعض مشہور و معروف کردار مافوق الفطرت صلاحیتوں کے حامل ہوا کرتے تھے لیکن اب داستانوں کا وہ دور گزر چکا ہے کیوں کہ آج کا انسان حالات و واقعات کو فطرت کے آئینے میں دیکھنے اور عقل و منطق کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی ہے۔ اس لیے جاسوسی کہانیوں کے کرداروں کو بھی واقعیت کے خلاف یا فطرت سے بالاتر پیش کر کے ، قارئین کو متاثر نہیں کیا جا سکتا۔ چوں کہ ادب سماج ہی کا آئینہ ہوتا ہے لہٰذا مافوق الفطرت کرداروں کی تشکیل کا مطلب درحقیقت ادب کی عصری تقاضوں سے عدمِ واقفیت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے جاسوسی ادب میں ایسے نئے فرضی کرداروں کی تشکیل جنھیں عوامی سطح پر مقبولیت حاصل ہو، کسی چیلنج سے کم نہیں ہے۔ کیوں کہ آج کا قاری ماضی کے مقابلے میں زیادہ معلومات اور سماج، فطرت، انسانی علوم اور ادب کے حوالے سے زیادہ نظریات تک رسائی رکھتا ہے۔

اچھے کرداروں کی تخلیق ایک اہم کام ہے۔ اچھے کردار کی تخلیق کیسے کی جاسکتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نجم الہدیٰ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> ”سماجی علوم سے واقفیت اور خاص طور پر انسانی نفسیات کے ادراک کے بغیر اچھے کردار تخلیق نہیں کیے جاسکتے کیوں کہ کسی فرد سے متعلق نفسیاتی عمل اور کیفیت کے تنظیم یافتہ مجموعے کو شخصیت کہتے ہیں۔“(14)

فرضی کرداروں کی تشکیل میں بھی ان کی ایسی شخصیت کی ایسی بنت ضروری ہے جس کے اعمال اس کی نفسیاتی یا ذہنی سطح کے خلاف نہ ہوں یعنی اس کے مجموعی افعال اور اقوال سے اس کی یکساں شخصیت ہی سامنے آئے اور مصنف اپنے کردار کی نفسیات کو متعین کر چکا ہو بصورتِ دیگر کردار کے افعال و اعمال اور مکالموں میں یکسانیت کی بجائے تضاد رونما ہو جائے گا اور اس کی منفرد شخصیت اپنا تاثر کھو دے گی۔ مصنف اپنے کرداروں کی ذہنی تنظیم کے عمل سے ان کی ذہانت، مزاج، ہنر اخلاق اور کہانی یا ناول میں ان کے رویوں کی درست تشکیل کر پائے گا۔ ایک مرتبہ جب ایسے شاہکار کردار تخلیق پا جائیں تو وہ خود کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں حتیٰ کہ بسا اوقات مصنف بھی ان کرداروں کے سامنے بے بس دکھائی دیتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ مصنف کہانی کو جو سمت دینا چاہتا تھا، کرداروں کی ذہنی تنظیم، نفسیاتی عمل یا کرداروں کی بدولت ہی کہانی میں پیدا ہونے والے خاص بہاؤ یا کسی اہم موڑ کی وجہ سے مصنف کو کہانی کی سمت یا اپنا رخ یا کہانی کے انجام سے متعلق منصوبے کو تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ یہ صورت حال جاسوسی یا مہماتی ناولوں میں ایک خاص کردار کے گرد گھومنے والے ناولوں میں زیادہ دکھائی دیتی ہے۔

حقیقی زندگی کے افراد کی طرح کہانی کے کردار بھی ایک مخصوص معاشرتی ماحول، زندگی کے متعلق کوئی خاص نظریہ یا سوچ اور سماجی حالات رکھتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ کہانی میں ہر کردار کے تمام تر سماجی ماحول، اس کی گھریلو زندگی اور طرزِ فکر کی مکمل وضاحت کی جائے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ مصنف کے ذہن میں عام طور پر اپنے کرداروں کا سماجی ماحول، ذہنی سوچ، اس کی جسمانی ہیئت اور شباہت، اس کے رہن سہن کا مخصوص انداز اور اس کی اچھی اور بری صفات وضاحت کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی کردار کی حقیقی تصویر کو واضح کرنے کے لیے مصنف عام طور پر اس کا حلیہ، اس کی طرزِ فکر، اس کا رویہ اور مخصوص طرزِ گفتگو کو ضرور بیان کرتا ہے کیوں کہ کردار اگر واضح نہ ہو تو اس کے متعلق قارئین کی دل چسپی

پیدا ہی نہیں ہو پاتی اور کردار جتنا واضح ہو گا، اس کی اٹھان اور ارتقائی سفر جتنا مستحکم ہو گا اور کہانی میں اتنی ہی دل چسپی بڑھتی چلی جائے گی۔ کہانی کی کامیابی اس کے بیانیے کے استحکام سے وابستہ ہوتی ہے اور بیانیے کی خوبصورتی کا دارو مدار کرداروں کے اعمال اور اس پر مرتب ہونے والے عواقب اور نتائج پر مبنی ہوتا ہے۔ کردار جتنے جان دار ہوں گے، ان کی صفات جتنی مستحکم ہوں گی اور اپنے اعمال میں وہ جتنے منفرد اور طرزِ تکلم میں وہ جتنے بے ساختہ دکھائی دیں گے، کہانی کا بیانیہ اتنا ہی مؤثر سمجھا جائے گا اور کہانی اتنی ہی پسند کی جائے گی۔ کسی بھی کہانی کے کسی بھی کردار کی خوبصورتی اور اس کا استحکام یہی ہے کہ وہ اپنی بنیادی صفات سے منحرف نہ ہو، متضاد حرکات و سکنات اور طرزِ گفتگو نہ دیکھی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کہانی کے کامیاب کردار مصنف کے تخیل میں ایک حقیقی وجود کی طرح موجود سمجھے جاتے ہیں اور وہ واقعات کے سلسلے کو کرداروں کے ذریعے مربوط کر کے، قارئین کی توجہ اور دل چسپی کو برقرار رکھ کر کہانی کو کسی منطقی نتیجے تک پہنچاتا ہے۔ ڈاکٹر شمع افروز زیدی لکھتی ہیں:

> چونکہ ناول انسانی زندگی کا بیانیہ ہے اور پوری زندگی کا عکاس ہے۔ اس لیے ناول میں ہمیں ایک نہیں بلکہ بہت سے کردار ملتے ہیں جو اپنی اپنی شخصیتوں کی نمائندگی کر کے ناول کو جیتی جاگتی زندگی کا آئینہ دار بناتے ہیں۔(15)

جاسوسی ادب کا عام موضوع جرم و سزا کے واقعات ہوتے ہیں۔ مثبت کردار علمِ سراغ رسانی، قیافہ شناسی، انسانی نفسیات، شواہد و قرائن اور دیگر ذرائع کے استعمال سے مجرم کرداروں کا کھوج لگا کر جرم کو بے نقاب کرتے ہیں۔ سازشوں کا سراغ لگا کر ان کا قلع قمع کرتے ہیں اور سماج یا ملک دشمن عناصر کو کیفرِ کردار تک پہنچاتے ہیں اور یہ تمام مسائل و معاملات معاشرے کے ایک عام فرد کی دل چسپی اور تجسس کا باعث ہوتے ہیں، اسی لیے جاسوسی ناولوں یا جاسوسی ادب کو مقبولِ عام ادب ہی میں شمار کیا گیا ہے۔ جاسوسی ناولوں میں کردار نگاری کے لیے سماجی اقدار اور عصری رجحانات سے واقفیت اہم ہے۔ بصورتِ دیگر موزوں کردار تشکیل نہیں دیے جا سکیں گے اور جو ادب لکھا جائے گا اس کا درجہ مقبولِ عام سے گھٹ کر ناپختہ افسانوی ادب تک ہی محدود رہ جائے گا۔

د۔ منتخب جاسوسی ناول نگاروں کی کردار نگاری:

1۔ ابنِ صفی کی کردار نگاری

ابنِ صفی 1928ء کو ضلع الہ آباد کے قصبے نارا میں پید ہوئے۔ ان کا اصل نام اسرار احمد تھا۔ ان کے والد کا نام صفی اللہ تھا۔ والد کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کی کنیت ابنِ صفی تھی۔ اسی کنیت کو انھوں نے قلمی نام کے طور پر استعمال کیا اور اسی نام سے اردو جاسوسی ادب کے معمار بلکہ بانی کی حیثیت سے شہرتِ دوام پائی۔ ابنِ صفی بیک وقت جاسوسی ناول نگار، اعلی درجے کے ادیب، شاعر مصور اور مزاح نگار تھے۔ شاعری میں انھوں نے اسرار ناروی تخلص استعمال کیا۔ علم و ادب سے ان کا گہرا رشتہ تھا۔ انھیں مشرقی طب سے بھی واقفیت تھی اور انھوں نے مغربی فلسفے کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ اردو کے قدیم اور کلاسیکل ادب سے انھیں بچپن میں ہی گہری دل چسپی پیدا ہوگئی تھی۔ دس سال کی عمر میں وہ طلسمِ ہوش ربا کا مطالعہ کر چکے تھے جو ساری زندگی ان کے شعور کا حصہ بنی رہی۔ گھر میں موجود کتب خانے سے انھوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں ان کی والدہ کا خاندان حکیموں کا خاندان کہلاتا تھا۔ ان دونوں باتوں کے اثرات ابنِ صفی کے تخلیق کردہ ناولوں اور ان کے کرداروں پر مرتب ہوئے۔ ان کے کردار ادبی حکایات کے نمونے محسوس ہوتے ہیں۔ نفسیاتی الجھنوں، منطقی مغالطوں اور طبی مسائل ان کے کرداروں کے لوازم میں شامل ہیں۔ حکمت اور طبی نسخوں کا ذکر ابنِ صفی کی تحریروں میں ایک خاص پر لطف انداز میں ملتا ہے۔

ان کے ماموں نوح ناروی معروف شاعر تھے جن کی صحبت میں رہ کر ابنِ صفی نے شاعری کا فن سیکھا اور کم عمری ہی میں مشاعروں میں شرکت کی۔ ان کا کلام مختلف رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ اسکول کے زمانے ہی سے ابنِ صفی نے کہانیاں لکھنے کا آغاز کر دیا تھا۔ ان کی پہلی کہانی ہفت روزہ "شاہد" میں شائع ہوئی اس وقت وہ جماعتِ ہفتم کے طالبِ علم تھے۔ کہانی گھڑنے کا فن انھیں بچپن ہی میں نصیب ہو گیا۔ عمر کے ساتھ ساتھ ان کے فن میں ترقی ہوئی، وہ کہانی کو تحیر و تجسس میں لپیٹ کر منطقی بنیادوں پر استوار کرتے تھے لیکن ان کے کرداروں کے مکالمے غزل کے کسی مصرعوں کی مانند ڈھلے ہوئے ہوتے تھے۔ کہانی میں بیک وقت تحیر و تجسس جرم و سزا کی کشمکش اور شعر و سخن کا ماحول پیدا کرنا انہی کا خاصہ تھا۔

ابنِ صفی نے پرائمری تک مقامی اسکول میں تعلیم پائی اور دیانند آیاویدک اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایف اے ایونگ کرسچین کالج الہ آباد سے کیا جبکہ بی اے کی ڈگری آگرہ یونی ورسٹی سے حاصل کی۔ انھوں نے چند سال تدریس خدمات بھی انجام دیں۔ ابنِ صفی نے طنز و مزاح پر مشتمل کالم نگاری بھی کی اور فکاہیہ کہانیاں بھی لکھیں۔ 1948ء سے 1952ء تک ان کی قریباً سو سے زائد کہانیاں اور کالم مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ کہانی کا یہ فن ان کی ناول نگاری کو خوب راس آیا۔ انھوں نے اسی بنیاد پر اپنے کردار تخلیق کیے اور اردو میں جان دار جاسوسی ادب کی بنیاد رکھی۔

مارچ 1952ء میں انھوں نے "جاسوسی دنیا" کا پہلا ناول لکھا جو تقسیمِ ہند سے قبل کے منظر نامے کو اجاگر کرتا ہے۔ اس ناول میں ان کے مرکزی کردار فریدی اور حمید متعارف ہوئے۔ اگست 1952ء میں ابنِ صفی نے والدہ اور بہن کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی۔ اگست 1955ء میں ابنِ صفی نے عمران کا کردار متعارف کروایا جو بے حد مقبول ہوا اور اردو کے پاکستانی، جاسوسی ادب کا نمائندہ کردار بن گیا۔

ابنِ صفی نے فلم نویس کے طور پر بھی کام کیا اور اس سلسلے میں ایک ہی فلم "دھماکہ" نامی جاری ہوئی لیکن یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ ابنِ صفی 1960ء میں شیزیوفرینیا کے مرض کا شکار ہوئے جس سے نجات پانے میں تین برس گزر گئے۔ بیماری کے اس طویل عرصے میں وہ کچھ نہ لکھ سکے۔ اس دورانیے میں ان کی دیکھا دیکھی کئی مصنفین میدان میں اترے لیکن کوئی ان کی جگہ نہ لے سکا۔ تین برس کے تعطل کے بعد جب وہ صحت یاب ہوئے تو دوبارہ ناول نگاری کا سلسلہ شروع کیا اور ان کے پہلے ہی ناول نے مقبولیت کے ریکارڈ توڑ دیے۔ 1979ء میں مقبولیت کے عروج پر وہ کینسر کے مرض کا شکار ہوئے اور 1980ء میں 25 اور 26 جولائی کی درمیانی شب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر محض باون برس تھی۔ اس مختصر سی عمر میں وہ دنیائے ادب اور خاص طور پر اردو ادب کو ایک ایسا متن دے گئے جس سے اردو پڑھنے والوں میں اضافہ ہوا اور سماجی سطح پر قانون کی پاسداری کی تعلیم کے ساتھ دیگر بنیادی شخصی اوصاف کا ایک پیمانہ مہیا کر گئے۔

ابنِ صفی نے جس زمانے میں لکھنا شروع کیا اس زمانے میں فحش اور جنسی موضوعات مقبول تھے اور یہ خیال تھا کہ یہی اسی قسم کے موضوعات کو ہی مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے اور اس خیال کو ختم کرنے کے ابن صفی میدان میں اترے اور یہ ثابت کیا کہ مذکورہ موضوعات کے علاوہ بھی ناول مقبول ہو سکتے ہیں۔ عمران سیریز کے پہلے ناول "خوفناک عمارت" کی ابتدا میں "بقلم خود-ابن صفی" کے عنوان سے ابن صفی نے اپنے

حالات زندگی بیان کیے۔ انھوں نے جاسوسی دنیا کا پہلا ناول "دلیر مجرم" لکھ کر اردو کے جاسوسی ادب کا آغاز کیا تھا۔ ابن صفی نے جاسوسی ناول نگاری کے آغاز کے بارے میں ایک انٹرویو میں کہا:

> جس زمانے میں میں نے لکھنا شروع کیا تو ہندوستان میں، یہ کوئی 1952ء کا زمانہ تھا، اس وقت فحش لٹریچر کا سیلاب آیا ہوا تھا اور مسلمان خصوصیت سے کیونکہ 1947 کے فسادات کی وجہ سے کچھ ذہنی شکستگی محسوس کر رہے تھے، لہذا ان میں مایوسی پھیلانے والے دہریت آمیز ادب کو فروغ دینے کی کوشش کی جارہی تھی۔ میں نے اپنے اس میڈیم سے اس رجحان پر بھی ضرب لگائی اور صرف چھ ماہ کے اندر اندر اس قسم کے رجحانات کا رخ پھیر دیا۔(16)

گو کہ ابنِ صفی سے قبل اردو میں جاسوسی ناول لکھنے کی روایت پڑ چکی تھی لیکن وہ ناول یا تو مغربی ناولوں کا چربہ تھے یا ان میں ناول نگاری اور سراغ رسانی کی گہرائیوں اور باریکیوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا نیز ان ناولوں میں مشرقی روایات اور ادب کی پاس داری بھی نہیں تھی۔ جبکہ ابتذال، فحاشی و عریانی اور سفلی جذبات و احساسات کو ترویج دینے والے کئی ناول نگار نئی نسل کے اذہان کو مسموم کر رہے تھے۔ ان سب کے مقابلے میں ابنِ صفی ایک مشن کے تحت میدان میں اترے تھے۔ ان کے پاس ایک واضح مقصد، روشن فکر، علمی و ادبی روایات سے گہری وابستگی، تخلیقی شعور، اختراع و ابداع کی صلاحیت، طنز و مزاح کی نزاکتوں کا لحاظ، قانون کی بالادستی کی دعوت اور قوم اور وطن کے ساتھ محبت اور انسانی ہمدردی جیسی دولت تھی۔ وہ ایک پختہ کار ادیب تھے۔ ان کا بہترین وصف ادبی چاشنی بھرپور اسلوب تھا جس کے متعلق گیا ہے کہ ابنِ صفی کا اسلوب اردو اسالیبِ نثر کے لیے دستخط کی حیثیت رکھتا ہے۔ ابنِ صفی نے اردو کی روایتی داستانوں کا گہرائی سے مطالعہ کر رکھا تھا اس لیے ان کی نثر میں داستانوی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ ایک جملے میں گہری سے گہری بات کو سادگی، پرکاری اور طبع زاد انداز میں کہنے کا فن بھی جانتے تھے لہذا جس نے ان کے جملوں اور مکالموں میں زمانہ شناسی، بصیرت، دانائی اور تجربہ اور دانش مندی پیدا کر دی تھی۔

ان کے مکالموں میں طنز کی گہری کاٹ اور مزاح کی ایسی تاثیر پائی جاتی ہے جو اردو کے بڑے مزاح نگاروں کا خاصہ ہے۔ ان کے فکاہیہ جملے اردو کے مزاحیہ ادب کا بہترین نمونہ کہے جاسکتے ہیں۔ غزل، ادب اور

طنز و مزاح نے ان کی نثر کو تر و تازگی بخشی جو آج بھی ان کی تحریروں کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ ان کی فکاہت اور بذلہ سنجی کی مثالیں جابجا ان کے تخلیق کردہ ادب میں بکھری ہوئی ہیں۔

ابنِ صفی نے اپنی علمی، ادبی اور فلسفہ دانی کی صلاحیتوں کو اردو کے جاسوسی ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دیا۔ ابنِ صفی کے اسلوب کی چاشنی کے ساتھ ساتھ منظر نگاری کی بھی کمال کی ہے۔ وہ ماحول اور مناظر کو مجسم صورت میں قارئین کے سامنے پیش کر دینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ جغرافیہ، نفسیات ارضیات اور دیگر سماجی علوم کے استعمال اور عصری معلومات کی مدد سے وہ قاری کو اس ماحول میں لے جاتے ہیں جہاں ان کے کردار موجود ہوتے ہیں اور قاری گویا اپنی آنکھوں سے حالات و واقعات، نت نئے مناظر، دیگر معاشروں سے تعلق رکھنے والے افراد اور مقامات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔

چوں کہ ابنِ صفی ناول نگاری کے میدان میں ایک مشن کے تحت بھرپور جذبے سے اترے تھے اس لیے انھوں نے کردار نگاری پر خاص توجہ دی۔ ان کے تراشے ہوئے کردار حقیقت کے اس قدر قریب دکھائی دیتے ہیں کہ ان پر کسی زندہ شخصیت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ کرداری نگاری میں اس کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر کردار کو اس کے نفسیاتی رجحان کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کے تمام کردار مخصوص سماجی عوامل کی عکاسی کرتے ہیں، وہ ہر کردار کو اس کے مزاج اور اس کی بنیادی صفات کے ساتھ بروئے کار لاتے ہیں۔ جملوں، مکالموں، اعمال کے ارتکاب میں ہر کردار اپنی مخصوص نفسیات کا اظہار کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اگر کوئی کردار طبیعت کے اعتبار سے بہادر اور مضبوط ہے تو کسی موقع پر محض سنسنی پیدا کرنے یا مضحکہ خیز صورتِ حال بنانے کے لیے اس کردار کو معمولی سی بات پر بوکھلاہٹ کا شکار دکھا دیں بلکہ ہر کردار اپنے سانچے اور فریم ورک میں ڈھلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے کرداروں میں بنیادی صفات اور مزاج میں کوئی جھول نہیں ہے۔

ابنِ صفی اپنے کرداروں کی حلیہ نگاری، مکالمہ نگاری، ردعمل اور عمومی رویوں کو بیان کرتے ہوئے اس کی ذہنی ساخت، سماجی مقام، خانگی یا ادارہ جاتی رتبے اور دیگر فنی لوازم کو احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ کردار کے کے قول و فعل کو کہانی کے پلاٹ کے مطابق متوازن اور معتدل انداز میں پیش کرتے ہیں جس بنا پر کہانی میں بیان کردہ واقعات فطرت کے مطابق اور حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ محض سنسنی کے لیے واقعات میں مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کی منطقی توجیہ قارئین کے سامنے لاتے ہیں۔ ان کی ہر کہانی ایک نئی

کہانی ہوتی ہے جس میں انسانی سماج اور اس میں پائی جانے والی خرابیوں کو انسانی اعمال کی روشنی میں اجاگر کیا جاتا ہے اور ان کے بد انجام کی جانب توجہ دلائی جاتی ہے۔ امجد اسلام امجد کے مطابق:

> جس طرح ابنِ صفی نے ان کی تشکیل کی ہے اور جس طرح ان کرداروں کو Visuals کی مدد کے بغیر صرف قلم کے زور پر قارئین کے دل و دماغ پر نقش کر دیا ہے، وہ انہی کا کمال ہے۔(17)

ابنِ صفی کے ہاں مثبت کردار عام طور پر مستقل رہے جیسا کہ فریدی، حمید، علی عمران اور ان کے ساتھی۔ جبکہ منفی کردار بدلتے رہے اور ہر منفی کردار معاشرے میں پائی جانے والی پیچیدگیوں، محرومیوں، طاقت کے غلط استعمال، قانون سے بالاتر ہونے کے غلط رجحانات یا بالادستی کے نظریات جیسی فکری خرابیوں کی نشان دہی کرتا نظر آیا۔ ابنِ صفی کے مطابق:

> مستقبل سے مایوسی غلط فہمی ہی کی پیداوار ہے اور آدمی کو جرائم کی طرف لے جاتی ہے۔ مستقبل سے مایوس ہو کر یا تو آدمی جرائم کرتا ہے یا پھر کسی ایسے کرنل فریدی کی تلاش میں ذہنی سفر کرتا ہے، جو قانون اور انصاف کے لیے بڑے سے بڑے چہرے پر مُکا رسید کر سکے اور یہی تلاش ہیرو ازم کی کی کہانیوں کو جنم دیتی ہے۔(18)

ابنِ صفی کے سامنے جاسوسی ادب کا واضح نظریہ تھا۔ محمد فیصل نے ابنِ صفی کے نظریے کو یوں بیان کیا ہے:

> اول: معاشرے کے تمام افراد کو قانون کا احترام سکھانا اور ہر حال میں قانون کی بالادستی قائم رکھنا۔
>
> دوم: معیاری اور آسان فہم زبان کا استعمال
>
> سوم: معاشرے میں حب الوطنی، رواداری، زندہ دلی اور اعتدال پسندی کو فروغ دینا۔(19)

ابنِ صفی نے خطے کی معاشرت اور روایات کو ترجیح دی، اباحت پسندی کی نفی کی، عقلیت اور جدیدیت پر مشتمل فلسفیانہ نظریات پر گہرا نقد اور طنز کیا۔ انھوں نے متعدد سماجی اور سیاسی رجحانات کی حوصلہ شکنی کی۔ ان کے کلیدی کرداروں میں مشرقیت اور اس کی پاکیزگی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ابنِ صفی نے ایک عالمی حکومت کے قیام اور اس سلسلے میں صہیونی سازشوں اور ایک دکھائی نہ دینے والی عالمی قوت کے وجود اس کی اثر پذیری میں جدید سائنسی ایجادات کے کردار کو محسوس کر لیا تھا اور آخری دور میں انھوں نے اس متعلق کئی ناولوں میں اپنے افکار کو پیش کیا۔ انھوں نے سرخ غباروں اور سرخ انقلاب کے اثرات کو محسوس کرتے ہوئے کئی کہانیوں میں اس کی پرزور مذمت کی اور اہلِ وطن کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ انھوں نے کسی سیاسی نظریے یا نظامِ حکومت کی حمایت یا مخالفت نہیں کی البتہ وہ ایسی حکومت کے خواہاں ضرور تھے جو ان کے مطابق ''اللہ میاں کی ڈکٹیٹر شپ'' پر مشتمل ہو۔

ابنِ صفی کے فن پر متعدد اہلِ قلم اپنے تاثرات، تجربات، مشاہدات اور تحقیقات پیش کر چکے ہیں۔ ابنِ صفی کے فن کے متعلق کہا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے فن کے ذریعے سماج کو قانون کی بالادستی قبول کرنے کی تعلیم دی۔ ان کے ناولوں میں تحیر خیزی ہے، وہ واقعات کو دل چسپ انداز میں پیش کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، وہ اعلیٰ درجے کی کردار نگاری اور ماحول کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب کو ان کی تحریروں کا سب سے روشن پہلو کہا جاتا ہے۔ ابنِ صفی نے اپنی کہانیوں اور کلیدی کرداروں کے ذریعے سچائی، دیانت داری، خلوص اور فرض شناسی کی قدروں کو اجاگر کیا۔ تفریحِ طبع کے ساتھ ساتھ ذہن سازی اور نئی نسل کی کردار سازی کی کوشش کی اور یوں اپنے تخلیق کردہ کرداروں کے ذریعے ایک اچھے اور مثبت معاشرے کی تشکیل کی کوشش کی۔

2۔ اشتیاق احمد کی کردار نگاری

اشتیاق احمد کی آپ بیتی ''میری کہانی'' کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش 5 جون 1944ء ہے۔ وہ مشتاق احمد کے گھر پانی پت ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد والدین کے ساتھ ہجرت کر کے پنجاب کے شہر جھنگ چلے آئے۔ تمام عمر انھوں نے اسی شہر میں بسر کی۔ اشتیاق احمد نے میٹرک کی سند اسلامیہ ہائی اسکول جھنگ سے حاصل کی۔ اس کے بعد وہ گھریلو ذمہ داریوں کی بجا آوری کی وجہ سے مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ ان کی پہلی کہانی ''بڑا قد'' اگست 1961ء کو ہفت روزہ قندیل لاہور میں شائع ہوئی۔ انھوں

نے سب سے زیادہ بچوں ہی کے لیے لکھا۔ ان کے ناول بھی بنیادی طور پر بچوں کے مزاج کے مطابق ہیں۔ البتہ یہ ناول بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں میں بھی مقبول ہیں۔ اشتیاق احمد نے بڑوں کے لیے نسبتاً کم لکھا، ان کا پہلا افسانہ فریم، ماہنامہ شمع کراچی میں 1965ء میں شائع ہوا۔ ان کے پہلے جاسوسی ناول کا نام "پیکٹ کا راز" تھا جو 1972ء میں مکتبہ عالیہ لاہور سے شائع ہوا۔

اشتیاق احمد نے بچوں کے لیے جاسوسی ناول لکھنے کا کام شیخ غلام علی اینڈ سنز سے شروع کیا تھا۔ بعد ازاں انھوں نے شراکت سے مکتبہ اقرا اور مکتبۂ اشتیاق شروع کیا۔ اس کے بعد اپنا ذاتی ادارہ اشتیاق پبلی کیشنز قائم کیا اور 2002ء تک اسی ادارے سے اپنے ناول شائع کرتے رہے۔ اس ادارے سے اشتیاق احمد نے بچوں کے لیے ایک ماہنامہ "چاند ستارے" بھی جاری کیا جو قریباً تین برس جاری رہنے کے بعد مالی بحران کی وجہ سے بند ہو گیا۔ 2002ء میں اشتیاق احمد نے اپنے ناولوں کا ادارہ بند کر دیا اور ناول نگاری کو خیر باد کہہ دیا تاہم اسی دوران میں وہ ایک روزنامہ اخبار کے بچوں کے صفحے "بچوں کا اسلام" کے ایڈیٹر مقرر کر دیے گئے۔ اپنا ادارہ بند کرنے کے کوئی ایک برس بعد کراچی کے ایک معروف طباعتی ادارے اٹلانٹس پبلیکیشنز نے ان کے ناول شائع کا سلسلہ پھر شروع کیا۔ یوں اشتیاق احمد نے ناول نگاری کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ ان کی ادارت نے بچوں کے ہفت روزہ رسالے "بچوں کا اسلام" نے خوب ترقی کی۔ ساتھ ساتھ کراچی سے ان کی ناول کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ 17 نومبر 2015ء کو کراچی سے جھنگ واپسی کے سفر میں کراچی ایئرپورٹ پر اشتیاق احمد کا انتقال ہو گیا۔ (20) یوں پاکستانی روایات پر مشتمل جاسوسی ادب پیش کرنے والے بچوں اور بڑوں کے پسندیدہ ادیب سے اردو ادب محروم ہو گیا۔

اشتیاق احمد نے جاسوسی ناول نگاری سے پہلے بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھی تھیں یا رومانوی افسانہ نگاری کی تھی۔ ان کی افسانہ نگاری میں غربت سے پیدا ہونے والے احساسات کی کسک محسوس کی جا سکتی ہے۔ قریباً ستر ہ مختلف رسائل میں انھوں نے دو سو کے قریب افسانے لکھے جو اب کم یاب ہیں۔ انھوں نے چند رومانوی اور معاشرتی ناول بھی لکھے تھے۔ آدھی بیوی، زخم مسکرائے، وہی کارواں وہی رستے، آئین بے وفائی، محبت ہو گئی، آخری منزل اور ایک جھیل کنارے اشتیاق احمد کی رومانوی اور معاشرتی تحریریں ہیں۔

جاسوسی ناول نگاری کی جانب ان کی آمد اتفاقیہ تھی۔ ابنِ صفی مرحوم کی بہ نسبت وہ جاسوسی ناول نگاری کی جانب کسی سوچے سمجھے ارادے یا مشن کے تحت متوجہ نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ غربت اور تنگ دستی کا

احساس تھا جس نے مجبوری کی حالت میں موقع میسر آنے پر اشتیاق احمد کو جاسوسی ناول نگاری کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اشتیاق احمد کی خود نوشت سوانح حیات "میری کہانی" اور ان کی شخصیت و فن پر مرتب کردہ کتاب "اشتیاق احمد: شخصیت و فن" از فاروق احمد کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غربت، گھریلو حالات، سماجی دباؤ، مختلف ملازمتوں اور کاموں سے ملنے والے تلخ تجربات اور معاشرتی رویوں نے کچھ کر کے دکھانے کی لگن رکھنے والے اشتیاق احمد کو اول تو بچوں کے لیے لکھنے اور بعد ازاں بچوں کے لیے جاسوسی ناول نگاری پر آمادہ کر دیا۔

مکتبہ عالیہ کے روحِ رواں الطاف حسین کے سامنے اشتیاق احمد نے اپنا پہلا رومانوی ناول "منزل انھیں ملی" اشاعت کے لیے پیش کیا تھا، لیکن الطاف حسین کو رومانوی سے زیادہ جاسوسی ناول درکار تھے کیوں کہ اس وقت معاشرے میں جاسوسی ناولوں کی طلب تھی لہٰذا اشتیاق احمد سے کہا گیا کہ وہ کوئی جاسوسی ناول لکھیں۔ اس پر اشتیاق احمد نے "پیکٹ کا راز" لکھا جس میں محمود اور فاروق کو سی آئی ڈی کے مرحوم انسپکٹر جمشید کے صاحب زادے بتایا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشتیاق احمد کے خیال میں کسی باقاعدہ کردار کی تشکیل کا کوئی منصوبہ یا ناولوں کی کسی سیریز کا کوئی نقش نہ تھا۔ اسی وجہ سے اشتیاق احمد کے ناولوں کے کردار بعض حوالوں سے ایک دوسرے کے مماثل دکھائی دیتے ہیں اور ان کی صفات، طرزِ گفتگو، کام کرنے کا انداز، سراغ رسانی کا طریقہ، لوگوں کے ساتھ تعلقات اور رویے میں یکسانیت اور مماثلت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اشتیاق احمد کے کرداروں میں بھی ارتقا ہوا ہے۔ ناول میں واقعات کی رفتار میں تیزی اور مکالموں میں کمی آئی ہے۔ اسی طرح ابتدائی ناولوں میں جو منظر نگاری دکھائی دیتی ہے، وہ بعد میں کم ہوتی گئی اور سائنس فکشن، ایجادات کی بھرمار، نت نئے مجرم، بین الاقوامی سازشوں کا ذکر بڑھتا گیا۔ تاہم کردار نگاری میں جو فرق آیا وہ یہ تھا کہ ان کے مثبت کردار وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ مذہبی ہوتے گئے جبکہ ان کے ناولوں میں آنے والے مجرم کرداروں کا تعلق بھی ایک مخصوص مذہبی گروہ کے ساتھ بیان کیا جانے لگا۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اشتیاق احمد کے کرداروں کی مقبولیت، ان کی شوخی اور شرارتیں، واقعات میں در آنے والے تجسس اور ہر ناول میں کسی نئے مجرم کردار کی موجودگی اور سسپنس سے بھرپور کہانی کی بدولت ان کے ناولوں کی مانگ میں تیزی سے اضافہ ہوا اور اشتیاق احمد کے ناولوں کی طلب اور مانگ نے انھیں آگے بڑھنے کا رستہ دکھایا۔ ایک اشاعتی ادارے کے ساتھ ان کی بات نہ بنی تو وہ دوسرے ادارے

کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن ان کے ناولوں کی مانگ اتنی تھی کہ وہ آخر کار اپنا ذاتی ادارہ بنانے میں کامیاب ہوئے اور ان کی ناول نگاری کا فن بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا۔ اشتیاق احمد کے ناول بنیادی طور پر جرم و سزا کے گرد ہی گھومتے ہیں جیسا کہ ہر جاسوسی ناول کا یہ بنیادی موضوع ہوتا ہے۔ سراغ رسانی کے طریقے مجرم کی شناخت اور پہچان، سازشی گروہوں، عالمی طاقتوں اور ملک دشمن عناصر کی ملی بھگت سے وجود میں آنے والی نت نئی سازشیں اور ان کا توڑ، عجیب و غریب صفات اور صلاحیتوں کے حامل باوسائل مجرم اور ان کے مضبوط اور پراسرار گروہ، خاص نمبر کی حیثیت سے پیش کیے جانے والے ناولوں میں پیچیدہ اور خفیہ ملک مخالف سازشیں، سمندروں، پہاڑوں اور جنگلوں کے اسفار اور طویل مہم جوئی اور مثبت کرداروں کی جدوجہد ان کے ناولوں میں غیر معمولی دل چسپی پیدا کر دیتی ہے۔ غیر ملکی جاسوسوں کی طرف سے اہم ملکی راز حاصل کرنے اور خفیہ دستاویز اڑانے کی کوششیں اور ان کا توڑ، سماج دشمن اور ملک دشمن عناصر کا کھوج اور تعاقب، مسلمانوں کے خلاف ہونے والی کھلی اور زیر زمین سرگرمیوں کا خاتمہ، عالمی سطح پر ملک اور قوم کے دشمنوں اور عالمی دباؤ کے مقابلے کے لیے ملک و قوم کو متحد کرنے کی کوششیں اشتیاق احمد کی ناولوں کے اصل موضوع قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اشتیاق احمد کے ناولوں میں ملکی حالات پر تبصرے، سیاسی صورتِ حال پر نقد، جاسوسی کی تربیت، روز مرہ زندگی کے اصول، وقت کی پابندی، سچائی کو اختیار کرنے اور سچ بولنے کی ترغیب، ملک اور قوم کے ساتھ محبت، بہادری اور جرات، سراغ رسانی کے اصول اور کار آمد معلومات اور نیکی کی دعوت جیسے مضامین پائے جاتے ہیں۔

عام طور پر یہ مضامین کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں یا سوال و جواب کی شکل میں سامنے آتے ہیں یا ناول کے اختتام پر انسپکٹر جمشید یا انسپکٹر کامران مرزا معاملے کی تہہ کو واضح کرتے اور بھید کو فاش کرتے ہوئے ایسے کلمات ادا کرتے ہیں جن سے قارئین کو بہت سی قیمتی معلومات اور جزا و سزا کے اصول معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں محاوروں کا استعمال کثرت سے ملتا ہے جس سے ناول کی زبان میں ادبی رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور بچوں کی پر لطف گفتگو سے ذہنی تسکین کا سامان میسر آتا ہے۔ ان کے ناولوں کی خاص تکنیک سسپنس تھی۔ ایک عام قاری ناول کی ابتدا ہی سے سسپنس میں مبتلا ہو جاتا تھا کہ حیرت انگیز اور پے در پے پیش آنے والے واقعات کا سلسلہ کہاں جا کر تھمے گا اور نتیجہ کیا نکلے گا؟ تحریر میں روانی، سادگی اور پرکاری، برجستگی اور رواں دواں اسلوب کی بدولت ناول میں پیش کیے جانے والے مناظر قاری کے ذہن کو

اپنی گرفت میں لیے رکھتے ہیں۔ مثبت کرداروں کی اعلی صفات پڑھنے والوں پر خوش گوار اثرات مرتب کرتی ہیں۔ ناول کا ماحول یکسر مقامی ہے۔ معاشرے کی صفات، رہن سہن کے طریقے، تعمیرات اور باہمی تعلقات سب ہی مقامی معاشرت کی عکاس ہیں، مغربی ادب اور فلسفے کا رنگ ان کے ناولوں میں نہیں پایا جاتا نہ ہی ان کے پلاٹ یا ناول میں پیش کردہ سچویشنز پر بیرونی چھاپ ہے۔ البتہ ان تمام خوبیوں کے باوجود کرداروں کی بعض صفات، مکالموں اور رویوں میں پائی جانے والی مماثلت سے کردار نگاری کے فن میں کمزوری ضرور محسوس کی جاسکتی ہے۔ تاہم یہ اشتیاق احمد کی مجبوری بھی تھی، کیوں کہ انھیں ہر ماہ چار ناول پیش کرنا ہوتے تھے، جس کے لیے تحریر کی رفتار ضروری تھی اور ظاہر ہے ک اس قدر تیز رفتار تحریر اور کرداروں کی بہتات میں ہر کردار کی گفتگو اور صفات میں اس کی منفرد اور مخصوص نفسیات کا عکس اجاگر کرنا ممکن نہیں تھا۔ وقت کی کمی اور رفتار کی مجبوری کی وجہ ہی سے ان کے ناولوں میں بعض اوقات پلاٹ کی کمی محسوس ہوتی ہے جس کا خود اشتیاق احمد کو بھی اعتراف تھا۔

ملک میں کیبل، ڈش، سینما اور موبائل عام ہونے کے بعد جب نوجوانوں کی توجہ لٹریچر کی جانب کم ہوگئی اور خود اشتیاق احمد مارکیٹنگ کے جدید ذرائع سے ناواقفیت کی بنا پر اپنے ناولوں کی پبلسٹی نہ کرسکے تو انھیں اپنا ذاتی ادارہ بند کرنا پڑا۔ ناولوں کی مانگ کم ہونے کی ایک وجہ تو اسکرین کا عام ہونا تھا اور دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اشتیاق احمد کی مخصوص نظریاتی اور مسلکی چھاپ ان کے ناولوں اور کہانیوں میں دکھائی دی جانے لگی تھی جس پر دوسرے مسالک کے نوجوان ان سے ناراض ہوگئے تھے اور انھوں نے ان کے ناول پڑھنا چھوڑ دیے تھے۔ فاروق احمد لکھتے ہیں: ”ان پر تنقید کرنے والے کہتے ہیں کہ اشتیاق احمد نے رسالہ تو ایک طرف اپنے ناولوں کو بھی اپنے فقہی نظریات اور مسلکی تفرقات کی بھینٹ چڑھادیا۔“(21)

اشتیاق احمد کے متعدد ناول خاص مذہبی تناظر میں لکھے گئے۔ اس سلسلے کا آغاز ”وادی مرجان“ نامی ناول سے ہوتا ہے جس میں وہ ایک ایسے پر اسرار مذہبی گروہ کا ذکر کرتے ہیں جو ایک شہر پر غیر علانیہ انداز میں حکومت کرتا ہے اور اپنے مخالفین کو خاموشی سے موت کے گھاٹ اتار دیا کرتا ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ مذہبی تناظر میں لکھنے لگے۔ ایسے ناولوں میں ان کا ہدف ایک خاص مذہبی گروہ رہا۔ بعد ازاں انھوں نے اس گروہ کا تعلق ملک کے خلاف ہونے والی عالمی سطح کی سازشوں کے ساتھ جوڑ دیا۔ اشتیاق احمد کے ناولوں میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے ممالک کو اس مخصوص گروہ کی سرپرستی کرتے ہوئے دکھایا

جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا سب سے معروف ناول "باطل قیامت" ہے۔ باطل قیامت کے علاوہ "غار کا کنواں" اور "غار کا سمندر" بھی مذہبی تناظر میں لکھے گئے ناول ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مشہور سیریز "اژدھا سیریز" بھی لکھی گئی جس میں مسلکی بنیادوں پر ایک خاص نظریے کی حمایت کی گئی تاہم یہ نظریہ خود اشتیاق احمد کے ہم مسلک علما کے نزدیک بھی درست نہیں تھا کیوں کہ مستند تاریخی روایات کی روشنی میں اژدھا سیریز میں پیش کردہ نظریے کی تائید نہیں بلکہ تردید ہوتی ہے۔

اشتیاق احمد کے ناولوں میں مثبت کردار صدرِ مملکت کے بہت قریب دکھائی دیتے ہیں اور متعدد مواقع پر صدرِ مملکت انسپکٹر جمشید سے مشورہ کرتے ہیں اور بسا اوقات اہم قومی معاملات پر انسپکٹر جمشید کے مشورے کے مطابق قدم اٹھالیا جاتا ہے، پارلیمنٹ یا وزیر اعظم یا ذکر عام طور پر سامنے نہیں آتا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشتیاق احمد جمہوریت کے صدارتی ماڈل کو زیادہ بہتر سمجھتے تھے یا ان کے خیال میں ملک کے لیے وہ آمریت بہتر تھی جو کہ اسلامی احکام کا نفاذ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی کے بعد اور نوے کی دہائی کے اوئل میں لکھے گئے ناولوں میں وہ ایک اسلامی ذہن رکھنے والے صدرِ مملکت کا ذکر بار بار کرتے ہیں اور ایک ناول میں صدرِ مملکت کی موت کا حادثہ ان کے کرداروں کی شکست ثابت ہوتا ہے۔ سی مون جی موف، لنگڑا انتقام اور سازش کی جڑیں ایسے ناول ہیں جن میں اشتیاق احمد نے اپنے مثبت کرداروں کی مکمل یا جزوی شکست دکھائی ہے جو کہ جاسوسی ناول نگاری کی عام روایت سے مختلف تجربہ ہے۔ اشتیاق احمد بنیادی طور پر مشرقی مزاج اور مذہبی خیالات کے حامل شخص تھے۔ ان میں حب الوطنی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، یہی صفات ان کے کرداروں میں بھی نمایاں ہیں، اشتیاق احمد نے اپنے کرداروں کے ذریعے نئی نسل کو حب الوطنی اور دین پسندی کی تعلیم دی اور پاکستان کے لیے قربانی دینے کا جذبہ پیدا کیا۔

فاروق احمد اشتیاق احمد کی کردار نگاری اور ان کی انفرادیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> دراصل اشتیاق احمد کے کردار اپنے ماحول سے کٹ کٹا کر صرف مجرموں کی تلاش میں سرگرداں نہیں رہتے۔ وہ غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد بھی کرتے نظر آتے ہیں اور جرم کی سماجی اور یہاں تک کہ سماجی جڑوں کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں۔۔۔

> جاسوسی ادب کو اشتیاق احمد نے بھی ایک نئی جہت عطا کی ہے اور وہ جہت یہ کہ ان کے سراغ رساں "فیملی مین" ہیں۔ اردو میں تو دور کی بات انگریزی میں بھی ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جہاں سراغ رساں کا کوئی اپنا بھی گھرانہ ہو اور نہ ایسی کوئی مثال کہ جہاں گھرانہ ہونے کے باوجود وہ اس کا ایک لازمی جزو بھی ہو۔ یعنی سراغ رساں یا تو بے گھرانہ شخصیت ہوتا ہے یا بے گھر۔۔۔ ان کے جاسوسی ناولوں کے کردار حقیقی زندگی کے فیملی مین ہیں۔ وہ حقیقی زندگی کے سراغ رسانوں کی طرح بیک وقت اپنی پیشہ ورانہ اور گھریلو ذمہ داریاں نبھاتے نظر آتے ہیں۔ وہ بیک وقت سراغ رساں بھی ہیں اور باپ بھی۔(22)

اشتیاق احمد کے کرداروں کی مذکورہ خوبی انھیں دیگر جاسوسی ناول نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔

3۔ مظہر کلیم کی کردار نگاری

ابنِ صفی کے علی عمران کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے دیگر سیکڑوں مصنفین نے اس کردار پر لکھا۔ ان میں ایک نام مظہر کلیم کا ہے اور علی عمران کے کردار کی بدولت انھیں شہرت نصیب ہوئی۔

مظہر کلیم کا اصل نام مظہر نواز خان تھا۔ وہ ملتان کے ایک معروف وکیل تھے تاہم انھوں نے قلمی نام مظہر کلیم ایم اے سے شہرت حاصل کی۔ مظہر کلیم 22 جولائی 1942ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی تعلق افغانستان کے محمد زئی درانی قبیلے کی ایک شاخ سے تھا۔ یہ خاندان افغانستان سے ہجرت کر کے پہلے شور کوٹ اور بعد میں ملتان مقیم ہو گیا۔ مظہر کلیم کے دادا، والد اور چچا، تایا پولیس افسران تھے لیکن مظہر کلیم اور ان کے چھوٹے بھائی نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد پولیس کی ملازمت منتخب نہیں کی۔ مظہر کلیم ایک وکیل اور ادیب بن گئے جبکہ ان کے چھوٹے بھائی انجینئر بنے۔ مظہر کلیم کی ادب سے دل چسپی میں گھریلو ماحول کا اہم کردار تھا۔ ان کے والد مختلف رسائل و جرائد گھر میں لاتے تھے اور بچوں کو بھی کتابیں پڑھنے کے لیے دی جاتی تھیں۔ اس طرح مظہر کلیم کو بچپن ہی سے ادب میں دل چسپی پیدا ہو گئی تھی۔ انھوں نے اسلامیہ اسکول ملتان سے میٹرک کا امتحان دیا، پھر اسی اسکول میں پڑھانے لگے۔ بعد ازاں انھوں نے ایمرسن کالج ملتان سے ایف اے اور بی اے کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی سے اردو ادب میں ایم اے اور

ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ایم اے اردو کے بعد پہلے وہ مختلف انشورنس کمپنیوں سے منسلک ہوئے اس کے بعد وہ صحافت کے پیشے کی طرف آ گئے اور ملتان کے ایک مقامی اخبار سے وابستہ ہو گئے۔ اسی دوران میں انھوں نے ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ 1978ء میں مظہر کلیم نے صحافت چھوڑ کر وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ ادبی ذوق کی وجہ سے مظہر کلیم کالج کے دور ہی میں بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے لگے تھے۔ ایک دوست کے کہنے پر وہ جاسوسی ناول نگاری کی جانب متوجہ ہوئے۔ یعنی جاسوسی ناول نگاری انھوں نے کسی مشن کے تحت شروع نہیں کی تھی تاہم بعد میں انھوں نے اس کام کو ایک مشن کے تحت اپنا لیا۔ اس وقت چوں کہ اردو جاسوسی ناول نگاری میں ابنِ صفی کا کردار علی عمران چھا چکا تھا اور کئی لکھنے والے اسی کردار پر لکھ رہے تھے لہٰذا مظہر کلیم نے بھی اسی کردار پر طبع آزمائی کی اور اپنا پہلا ناول "ماکازونگا" لکھا۔ پہلا ہی ناول ہاتھوں ہاتھ بک گیا جس کے بعد مظہر کلیم کے لیے جاسوسی ناول نگاری کی راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔ مظہر کلیم نے وکالت کے ساتھ ساتھ جاسوسی ناول نگاری پر طبع آزمائی جاری رکھی۔ علاوہ ازیں وہ ملتان ریڈیو سے سرائیکی زبان میں نشر کیے جانے والے ایک پروگرام "جمہور دی آواز" میں بطور میزبان بھی کام کرتے رہے۔ انھوں نے جاسوسی ناول نگاری کے علاوہ بچوں کے لیے بے شمار چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھیں۔ بچوں کے لئے ان کے معروف کردار چلوسک، ملوسک اور آنگلو بانگلو ہیں۔ انھوں نے ٹارزن اور عمرو عیار کی کہانیاں بھی لکھیں۔(23) مظہر کلیم کو جاسوسی ناول نگاری سے بے حد شہرت ملی۔ مقبولیت کے عروج کے زمانے میں ان کے جواں سال بیٹے فیصل جان کا بیماری کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ بیٹے کی ناگہانی وفات نے مظہر کلیم پر بے حد اثر ڈالا۔ اگرچہ وہ ناول لکھتے رہے لیکن ان کے قلم کی جولانی اور تب و تاب میں فرق دکھائی دینے لگا۔ اس کے باوجود انھوں نے اردو جاسوسی ادب میں کئی یادگار کہانیوں کا اضافہ کیا۔ 26 مئی 2018ء میں قریبا چھہتر برس کی عمر میں مظہر کلیم انتقال کر گئے اور اردو کے جاسوسی ادب، ایک معروف ادیب اور قلم کار سے محروم ہو گیا۔

مظہر کلیم نے ایک مطبع چلانے والے والے دوست کے کہنے پر جاسوسی ناول لکھا تھا اور اس ناول کا مرکزی کردار ابنِ صفی کا معروف علی عمران ہی تھا۔ ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

> جہاں تک جاسوسی ادب کا انتخاب ہے تو یہ میں نے خود نہیں کیا بلکہ مجھ سے کرایا گیا تھا۔ ملتان کے ایک پبلشر سے دوستی ہوئی تو اس نے جاسوسی ادب میں اچھے طبع زاد

مسودے نہ ملنے کا رونا رویا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اس میدان میں طبع آزمائی کروں۔(24)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مظہر کلیم نے کسی خاص مقصد کے پیشِ نظر جاسوسی ناول نگاری کا آغاز نہیں کیا تھا لیکن بعد میں انھوں نے اپنی ناول نگاری کو نوجوانوں کی تربیت، اصلاح، ان میں حب الوطنی کے احساسات اجاگر کرنے اور ملک و قوم کی خاطر کارنامے انجام دینے اور ہمت و حوصلے کے ساتھ قربانیاں دینے کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ ابتدا میں علی عمران کو بطورِ مرکزی کردار اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو اس وقت علی عمران ہی چھایا ہوا تھا اور ہر پڑھنے والا اسی کردار کی کہانی پڑھنے کو ترجیح دیتا تھا، لہذا مظہر کلیم کے پاس یہی راستہ تھا کہ وہ کوئی نیا کردار متعارف کروانے کی بجائے علی عمران ہی مرکزی کردار بنائیں۔ دوسرا یہ کہ علی عمران خود مظہر کلیم کو بھی نہایت پسند تھا چنانچہ انھوں نے اسی کردار سے جاسوسی ناول نگاری کے سفر کا آغاز کیا۔ انٹرویو میں وہ اس حوالے سے بتاتے ہیں:

مسئلہ دراصل یہ تھا کہ اس وقت جاسوسی ادب پر عمران سیریز کا طوطی بول رہا تھا اور چونکہ میں نے اپنے دوست پبلشر کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھنا شروع کیا تھا اس لیے مجبوراً مجھے عمران سیریز پر ناول لکھنا پڑا۔ ذاتی طور پر مجھے عمران کا کردار بے حد پسند ہے کیوں کہ یہ کردار انتہائی منجھا ہوا اور دلچسپ ہے۔(25)

تاہم مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار میں کچھ تبدیلیاں بھی کیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ابنِ صفی کے علی عمران اور مظہر کلیم کے علی عمران میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا جبکہ خود مظہر کلیم نے بھی ابتدائی خاکے کو بدل کر ایک نیا علی عمران پیش کیا یعنی علی عمران کے کردار میں بعض خوبیوں کو اس قدر بڑھا دیا کہ یہ کردار ایک مثالی ہی نہیں بلکہ دیومالائی صفات کا مظہر بن گیا۔ اس کردار کے بنیادی مزاج میں بھی تبدیلی کی گئی اور ناول نگاری کے آخری دور میں یہ کردار روحانیت، تصوف اور زہد کی جانب زیادہ مائل دکھائی دینے لگا جو اگرچہ ایک خوبی ہے لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مظہر کلیم نے اس کردار کی بنیادی صفات میں تبدیلی کی جو کہ کردار نگاری کے اعتبار سے ایک کمزوری کہی جا سکتی ہے۔

علی عمران کے علاوہ ابنِ صفی کے دیگر کرداروں کو بھی مظہر کلیم نے اپنی کہانیوں کا حصہ بنایا۔ تاہم مظہر کلیم نے بعض نئے اور جان دار مثبت اور سینکڑوں نئے منفی کرداروں کو اپنی کہانیوں میں پیش کیا۔ ایک

انٹرویو میں مظہر کلیم نے یہ دعویٰ کیا کہ اردو جاسوسی ناول نگاری میں بے حد گنجائش ہے اور نئے کرداروں کو سامنے لایا جا سکتا ہے۔ ان کے دعوے کی روشنی میں اگر ان کی کہانیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مظہر کلیم نے مثبت کرداروں سے زیادہ منفی کرداروں پر طبع آزمائی کی۔ ابنِ صفی کے مثبت کرداروں میں تو انھوں نے چند ہی مزید کردار بنائے لیکن ان کے منفی کردار واقعی نئے تھے اور چند ناموں کو چھوڑ کر ہر ناول میں وہ ایک نیا منفی کردار سامنے لاتے رہے۔ مظہر کلیم کے ناولوں میں نت نئے مجرموں کے ساتھ ساتھ نت نئے جرائم بھی پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں ایسے ایسے جرائم دکھائے ہیں جن کا عام طور پر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے جرائم کے دائرے کو وسعت دے کر جاسوسی ادب کے دائرے کو وسعت دی۔ وہ جرم اور مجرموں کی نفسیات کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ غور کیا جائے تو اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیوں کہ اول تو وہ خود ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جہاں سماج دشمن اور مجرم عناصر کی سرکوبی کرنے والے افراد موجود تھے دوسرا یہ کہ انھوں نے خود بھی اپنے لیے وکالت کا ہی پیشہ چنا تھا جو تھانے کچہری جرم، مجرم اور قانون کے ساتھ وابستہ ہے۔ مظہر کلیم کے نالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک طویل عرصے تک وہ جدیدیت کے حامی رہے۔ ان کے مثبت کردار جدیدیت، عقلیت اور سائنسی ترقی کے علم بردار نظر آتے ہیں تاہم اس کے باوجود وہ اباحت پسند نہیں تھے تاہم زندگی کے آخری دورانیے میں مظہر کلیم پر روایتی مشرقیت اور مذہب پسندی کی چھاپ دکھائی دیتی ہے اور وہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی بجائے مشرقی سماج کی بنیادی اقدار اور مذہب، تصوف اور دنیا سے بے رغبتی کا سبق دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مظہر کلیم کی ناول نگاری میں مکالموں میں برجستگی اور سادگی اور کہانی کے پلاٹ میں تیز رفتاری پائی جاتی ہے۔ ان کے ناولوں میں ایکشن کے ساتھ سسپنس پایا جاتا ہے۔ واقعات تیز رفتاری سے پیش آتے ہیں اور ایجادات واختراعات کا بھرپور استعمال ہوتا ہے۔ مظہر کلیم کے ناولوں کے بنیادی موضوعات جرم اور اس کے نت نئے انداز، بین الاقوامی جرائم پیشہ تنظیمیں، عالمی سازشیں، ملک کی تباہی کے مختلف منصوبے، انسانیت کے خلاف سائنسی بنیادوں پر ہونے والے بھیانک جرائم، مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستان کے خلاف یہودیوں کی خطرناک سازشیں جن میں زیادہ تر کسی ہول ناک ہتھیار کی تیاری اور اس کے استعمال کی کوشش، اسی طرح دیگر عالمی طاقتوں کی اور بھارت کے پاکستان مخالف منصوبے اور ساتھ ساتھ مقامی سطح کے جرائم اور سازشیں ہیں جو سماجی اور سائنسی سطح پر ہی نہیں روحانی اور ماورائے طبیعات سلسلوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔

مختلف جرائم پیشہ تنظیموں اور مجرموں کو پاکستان میں کوئی خاص ہدف ، کسی فارمولے ، پرزے یا ہتھیار کی چوری کے لیے آتا دکھایا جاتا ہے، جبکہ اسی نوعیت کی سرگرمیاں بعض مسلم ممالک کے خلاف بھی دکھائی جاتی ہیں۔ مظہر کلیم نے اسرائیل، بھارت اور بعض دیگر ممالک کی مسلم مخالف پالیسیوں کو اپنے ناولوں میں اجاگر کیا۔ یہودیوں کی فرضی سازشوں کے خلاف ان کے مثبت کردار دیوانہ وار جدوجہد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مظہر کلیم نے اپنے ناولوں میں مسلم بلاک ، مسلم کرنسی اور مسلم ممالک کی دفاعی کونسل کے نظریات بھی پیش کیے۔ مظہر کلیم کی کہانیوں میں جدید ترین اسلحے اور ایجادات کے استعمال کے علاوہ قتل و غارت ، بے رحمانہ تشدد ، انسانی ہلاکتیں، سائنسی قوت کے منفی استعمال کی کوششیں ، منفی کرداروں کے ظالمانہ اور غیر انسانی رویے جبکہ مثبت کرداروں کے محیر العقول کارنامے ، انسانی سطح سے بڑھی ہوئی جدوجہد، مارشل آرٹ یعنی جسمانی فنونِ حرب کی حیرت انگیز مہارتیں ، کرداروں کی ماورائی صلاحیتیں ، ناقابلِ یقین اور بسا اوقات غیر منطقی اتفاقات ، عجیب و غریب گیسوں، حلیہ بدل ڈالنے والے کیمیکل، انوکھی دواؤں اور نسخوں اور فارمولوں، لیباٹریوں ، بے پناہ طاقت کے حصول میں سرگرم مجرموں اور ان کی تنظیموں کا استعمال عام ہے۔ عام طور پر کہانیوں میں کوئی پیچ در پیچ بات نہیں ہوتی۔ کلیدی کردار یعنی علی عمران اور اس کی ٹیم کے سامنے ایک مشن ہوتا ہے جو زیادہ تر علی عمران کی ذہانت سے بہت جلد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مشن کی تکمیل کے مراحل ہوتے ہیں جس میں نگرانی، مختلف ذرائع کے ذریعے سفر، حلیے کی تبدیلی ، دوسروں کی آوازوں اور لہجوں کی نقل کے ذریعے یا خفیہ آلات یا معلومات فروخت کرنے والی تنظیموں کے ذریعے معلومات کا حصول اور مجرموں تک رسائی کا عمل ہوتا ہے۔ اس عمل کے دوران میں عام طور پر گیس کے استعمال سے بے ہوشی، گرفتاری، کسی انکشاف، عارضی ناکامی اور کسی اتفاق کی بدولت کامیابی تک پہنچنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس جدوجہد کے دوران میں کچھ کردار زخمی ہو جاتے ہیں لیکن اس سے مشن پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور یوں مشن خواہ کتنا ہی کٹھن کیوں نہ ہو، اسے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

گویا مظہر کلیم کی زیادہ تر کہانیوں کا خاکہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ کہانی کی ابتدا میں راوی کی طرف سے قاری کے سامنے لائی جانے والی سازش یا مجرم (اگرچہ اس وقت تک مثبت کرداروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن) کسی انوکھے اتفاق کی بدولت اس کی خبر یا اس کی کوئی سن گن یا ابتدائی معلومات علی عمران تک کسی نہ کسی طرح پہنچ جاتی ہیں۔ اس کے بعد علی عمران سائنسی آلات کے ذریعے یا اپنی عبقری ذہانت اور دنیا بھر میں پھیلے

ہوئے تعلقات کو استعمال کر کے بہت تیزی سے اپنے مشن کو مرتب کرتا ہے اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہر صلاحیت، ہر ذریعہ اور ہر حربہ استعمال کر کے اپنے مشن کو تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ ملک کے خلاف ہونے والی کوئی بین الاقوامی واردات، ملکی سلامتی کے خلاف ہونے والی کوئی سازش یا انسانیت کے خلاف کیے جانے والے کسی جرم یا مسلمانوں کو مٹانے کے لیے بنایا گیا کوئی منصوبہ جب علی عمران کے علم میں آجائے تو وہ حرکت میں آ جاتا ہے اور ہمیشہ کامیاب ٹھہرتا ہے۔ اس عمل میں اتفاقات اور مافوق الفطرت عناصر و عوامل بھی اس کی مدد کرتے ہیں۔ علی عمران اپنی ٹیم کے ہمراہ ایک ایسی قوت ہے جس کا توڑ دریافت نہیں ہو سکا۔ دنیا بھر کی ہزاروں مجرم تنظیمیں، بین الاقوامی دہشت گرد گروہ اور ان کے نظروں سے اوجھل رہنے والے پراسرار سرغنے، کرائے کے قاتل اور عالمی طاقتوں کے نہایت باصلاحیت ایجنٹ، جدید ترین وسائل رکھنے والی ایجنسیاں اور ان کے نامور افراد اور بے شمار سماج دشمن عناصر، جادوگر اور ماورائی طاقتوں کا استعمال جاننے والے عامل اور پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار تیار کرنے والی انگنت لیبارٹریاں جن کے اندر اور ارد گرد جدید ترین حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے، سب ہی کو علی عمران شکست دے چکا ہے کیوں کہ علی عمران کا حوصلہ ناقابلِ شکست ہے۔ علی عمران اور اس کی ٹیم کے مقابلے میں آنے والے کو ناکامی کا ہی منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اگرچہ جرم و سزا اور خیر و شر کی جدوجہد پر مشتمل ہر کہانی کا انجام خیر کی فتح ہی پر منتج ہوتا ہے اور جرم و سزا کے سلسلے پر مبنی کہانیوں اور جاسوسی ادب میں نوجوانوں کی ذہنی تربیت اور مثبت جذباتی نشو نما کے لیے کہانی کے انجام پر منطقی انداز میں قانون اور خیر کی فتح دکھائی جاتی ہے لیکن مظہر کلیم نے اپنے کرداروں میں عام انسانی سطح سے بلند تر خوبیاں ظاہر کی ہیں جس بنا پر انھوں نے خاص طور پر علی عمران کو ایک مافوق الفطرت کردار بنا دیا ہے جو اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے کبھی شکست نہیں کھاتا۔ البتہ عمر کے آخری حصے میں لکھے گئے ماورائی سلسلے کے ناولوں میں مظہر کلیم نے اپنے کرداروں کو تصوف کی جانب مائل ہوتا دکھایا ہے جس میں علی عمران کی طبیعت میں موجود نخریلے پن، عزم و ہمت، شوخی و شرارت، تجسس اور حماقت کا امتزاج، عرفانِ ذات اور جذبۂ تشکر کی مدد سے قلبِ ماہیت کی گئی ہے جس سے علی عمران ابتدائی کردار کے مقابلے میں یکسر تبدیل دکھائی دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مظہر کلیم نے علی عمران کے مزاج میں تبدیلی پیدا کی ہے جو کہ ممکنہ طور پر اس سانحے کے اثرات ہو سکتے ہیں جو کہ نوجوان بیٹے فیصل جان کی ناگہانی موت کی وجہ سے مظہر کلیم کی طبیعت پر مرتب ہوئے۔ اس کے باوجود جرم اور مجرموں کے ساتھ ان کے مثبت کرداروں کا جارحانہ سلوک برقرار رہا جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ مظہر کلیم کے فن کا بنیادی نکتہ انسدادِ جرم تھا اور اس کے لیے وہ قانونی پیچیدگیوں اور

عدالتی کارروائی کے زیادہ قائل دکھائی نہیں دیتے۔ ان کے کلیدی کردار علی عمران کو قانونی طور پر ایسے اختیارات حاصل ہیں کہ وہ اپنے یقین کی بنیاد پر قومی سلامتی کے خلاف کام کرنے والے کسی بھی مجرم کو ماورائے عدالت قتل کر سکتا ہے۔ لہذا مظہر کلیم کا علی عمران احمقانہ حرکتوں اور ہنسنے ہنسانے والی طبیعت کے باوصف مجرموں کے ساتھ بے رحمانہ برتاؤ کرتا ہے اور انھیں کسی بھی نرم سلوک کا حق دار نہیں سمجھتا۔ قومی سلامتی کے اس خاص پہلو کے ساتھ وابستہ مظہر کلیم کے مثبت کرداروں کا یہ رویہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک قانون دان ہونے کے باوجود مظہر کلیم جمہوریت سے زیادہ آمرانہ طرزِ حکومت کو جرائم کے انسداد کے لیے بہتر خیال کرتے تھے۔ ان ناولوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے عالمی اتحاد کو مسلم امہ کے لیے ناگزیر خیال کرتے تھے۔ مظہر کلیم کے مثبت کرداروں کا خاص وصف غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ حسنِ سلوک، بڑوں کا احترام، مظلوم کی اعانت اور ظلم کے خاتمے کے لیے جدوجہد ہے۔ ان کے مثبت کردار سخی، رحم دل، اخلاقی اعتبار سے شریف اور پختہ کردار کے مالک ہیں جو دنیا کی حرص ولالچ اور جنسی آلودگیوں، نشے، جوئے، قمار بازی اور فضول مشغولوں اور کرپشن سے دور دکھائی دیتے ہیں اور وہ بنیادی اسلامی عبادات کے پابند ہیں۔

حوالہ جات

1۔ قرۃ العین حیدر، آگ کا دریا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2010، ص 14

2۔ محی الدین نواب، دیوتا (حصہ اول)، کتاب والا، دہلی، ص 20-19

3۔ ارتضیٰ کریم، اظہار عثمانی (مرتبین) اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت اور اہمیت، اردو اکادمی، دہلی، 2015، ص 79

4۔ آمنہ توصیف، اردو میں جاسوسی ادب: ضرورت و اہمیت (مضمون)، مطبوعہ: جہانِ تحقیق، شمارہ 5، 2022ء، ص 554

5۔ وہی وہانوی، ڈارلنگ (حصہ اول) مکتبہ شباب، دہلی، سن سند ارد، ص 29، 28

6۔ بچوں کے جاسوسی ادب میں اشتیاق احمد کی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے ایم اے اردو، مقالہ نگار فائقہ جبین، یونیورسٹی آف ایجوکیشن برائے خواتین، بنک روڈ کیمپس لاہور، 2010 ص 30

7۔ آمنہ توصیف، اردو میں جاسوسی ادب: ضرورت و اہمیت (مضمون)، مطبوعہ: جہانِ تحقیق، شمارہ 5، 2022ء، ص 555

8۔ ابنِ صفی، دلیر مجرم، جلد 1، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ 13-11

9۔ بچوں کے جاسوسی ادب میں اشتیاق احمد کی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے ایم اے اردو، مقالہ نگار فائقہ جبین، یونیورسٹی آف ایجوکیشن برائے خواتین، بنک روڈ کیمپس لاہور، 2010، ص 157

10۔ شاعر علی شاعر، جدید اردو ناول: اسلوب اور فن، عکس پبلیکیشنز، لاہور، 2019ء، ص 40

11۔ عظیم الشان صدیقی، اردو ناول: آغاز و ارتقا، بک ٹاک، لاہور، 2019، ص 35

12۔ شاعر علی شاعر، جدید اردو ناول: اسلوب اور فن، عکس پبلیکشنز، لاہور، 2019ء، ص 52

13۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ، کردار اور کردار نگاری، بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ، 1980ء، ص 3

14۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ، کردار اور کردار نگاری، بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ، 1980ء، ص 13

15۔ شمع افروز زیدی، ڈاکٹر، اردو ناول میں طنز و مزاح، پروگریسو بکس، لاہور، 1988ء، ص 29

16۔ راشد اشرف، ابن صفی: شخصیت اور فن، اٹلانٹس پبلیکشنز، کراچی، 2016ء، ص 74،75

17۔ محمد عارف اقبال،، ایک ہیرو کی بازیافت (مضمون)، مشمولہ: ابنِ صفی کا مشن اور ادبی کارنامہ، مرتبہ محمد عارف اقبال، اردو بک ڈپو، نئی دہلی، اشاعتِ اول، جون 2013ء، ص 89

18۔ ابن صفی، پیش رس مہلک شناسائی، مشمولہ ابنِ صفی کا مشن اور ادبی کارنامہ، مرتبہ محمد عارف اقبال، اردو بک ڈپو، نئی دہلی، اشاعتِ اول، جون 2013ء، ص 210

19۔ محمد فیصل، ابنِ صفی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2017ء، ص 54

20۔ فاروق احمد، اشتیاق احمد: شخصیت و فن، ادادمی ادبیات پاکستان۔ اسلام آباد، 2021ء، ص 11 تا 33

21۔ فاروق احمد، اشتیاق احمد: شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2017ء، ص 65

22۔ فاروق احمد، پیش رس (دیباچہ) از اشتیاق احمد، میری کہانی، اٹلانٹس پبلکیشنز، کراچی، ص 16،18،19

23۔ احمد رضوان، انٹرویو مظہر کلیم، (انٹرویو) مطبوعہ: روزنامہ ایکسپریس، اسلام آباد، 20 دسمبر 2015ء

24۔ نمائندہ شبستان، انٹرویو مظہر کلیم ایم اے، مطبوعہ: ماہنامہ شبستان، جون 1973، ص 47

25۔ نمائندہ شبستان، انٹرویو مظہر کلیم ایم اے، مطبوعہ: ماہنامہ شبستان، جون 1973، ص 47

دوسرا باب

ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا تعارف و تجزیہ

الف۔ ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا تعارف و تجزیہ:

1۔ کرنل فریدی کا تعارف و تجزیہ

کرنل فریدی ابنِ صفی کا سب سے پہلا اور اردو جاسوسی ادب کا ممتاز ترین کردار ہے۔ یہ کردار ابنِ صفی کا خواب کہا جا سکتا ہے۔ اس کردار کی نفسیاتی تشکیل، صفات اور ذہنی و پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ابنِ صفی کو نہایت کدوکاوش سے کام لینا پڑا۔ یہ کردار ایک قائدانہ صفات کی حامل شخصیت کا تصور اجاگر کرتا ہے۔

کرنل فریدی کا مکمل نام احمد کمال فریدی ہے جو کہ ایک نہایت متمول باپ کا بیٹا ہے۔ مال و دولت کے ساتھ ہمت و بہادری اور ناموری کا جذبہ اسے ورثے میں منتقل ہوا۔ غیر معمولی قوتِ فیصلہ، ذہانت، ایڈونچر پسند طبیعت، مہم جوئی کے جنون اور تجسس کے سبب اس نے پیشہ ورانہ زندگی کے لیے محکمہ سراغ رسانی کا انتخاب کیا۔ اس نے مطالعے اور حالات و واقعات کے مشاہدے سے نتیجہ اخذ کیا کہ معاشرے میں امن و سکون کے لیے سب سے اہم قانون کی بالادستی ہے، اس اہم مقصد کے لیے جرائم کی درست منہج پر تحقیق و تفتیش اور ان کی بیخ کنی ضروری ہے۔ یہ کام مشکل ہونے کے باجود فریدی کے مزاج اور ذہنی ساخت کے مطابق تھا اسی لیے فریدی نے یہ چیلنج قبول کیا۔

اس نے محکمے میں ایک چھوٹے آفیسر کی حیثیت سے خدمات کی انجام دہی کا آغاز کیا اور جلد ہی کارکردگی کی بدولت انسپکٹر بن گیا۔ کہانیوں میں اس کے کارناموں کا آغاز اسی ابتدائی دور سے ہو جاتا ہے۔ جرائم کی تفتیش میں خود شریک رہنے کے لیے یہی عہدہ موزوں تھا لہٰذا مسلسل کارنامے انجام دینے

اور حکامِ بالا کے اصرار کے باوجود فریدی نے اعلیٰ عہدوں کی پیشکش قبول نہیں کی۔ طویل عرصے تک اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ پیش کرنے پر اسے اعزازی طور پر کرنل کا عہدہ دے دیا گیا جس بنا پر وہ کرنل فریدی کہلانے لگا۔ ابنِ صفی کی پہلی کہانی دلیر مجرم میں فریدی کا حلیہ یوں لکھا گیا ہے: ''انسپکٹر فریدی تیس بتیس سال کا ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کے نیچے دو بڑی بڑی خواب آلودہ آنکھیں اس کی ذہانت اور تدبر کی آئینہ دار تھیں۔''(1)

فریدی ایک سنجیدہ مزاج، کم گو، متین اور بردبار شخصیت کا مالک ہے جو کہ صرف اپنے فرائض کی انجام دہی سے دل چسپی رکھتا ہے۔ وہ غیر ضروری تعلقات پالنے کا روادار نہیں۔ وہ مطالعے اور تحقیق کا شائق ہے۔ سرکاری ذمہ داریوں سے فرصت ملتے ہی فریدی کتابوں کے مطالعے یا لیبارٹری میں گھس کر نت نئے تجربات میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس کی ذاتی کوٹھی میں ایک لائبریری ہے جس میں دنیا بھر سے منتخب کتب منگوا کر جمع کی گئی ہیں۔ فریدی کی خطر پسند طبیعت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اسے زہروں، خطرناک سانپوں، مختلف نسل کے کتوں اور طرح طرح کے اسلحے سے بے حد دلچسپی ہے۔ اس کے عجائب خانے میں طرح طرح کی انوکھی چیزیں موجود ہیں۔ اس کے گیراج میں ایک جیپ اور کئی قیمتی کاریں ہیں جو کہ اس کی ذاتی دولت سے خریدی گئیں ہیں۔ وہ ان گاڑیوں کا استعمال خاص خاص مواقع پر ہی کرتا ہے۔ یہ تمام اشیا اور مشاغل فریدی کی مہم جو اور خطر پسند طبیعت اور جنگجو فطرت کو تسکین پہنچاتے ہیں۔

خطر پسند اور مہم جو فریدی دراز قد، مضبوط جسم اور طاقت ور اعصاب کا مالک ایک وجیہہ شخص ہے۔ وہ منفرد اور شان دار شخصیت رکھتا ہے۔ اس کے چہرے پر قدرتی رعب ہے جو اس کی شخصیت کو مزید متاثر کن بناتا ہے۔ وہ عملیت پسندی کے ہنر سے آراستہ ہے اور چیلنج کا مقابلہ کر کے زندگی کا لطف اٹھاتا ہے۔ اس کی ذہنی پختگی، مستحکم قوتِ فیصلہ اور نتائج تک فوری رسائی کی صلاحیت اسے ایک کامیاب سراغ رساں بناتی ہے۔ وہ معاملات کو معروضیت کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور انوکھے اور پیچیدہ واقعات کی تہہ میں موجود اسباب کو جانچ لیتا ہے۔ وہ مشاہدے اور تجربات سے سیکھتا ہے اور غلطیوں کے اعادے سے خود کو بچاتا ہے۔ وہ مہم جوئی کے دوران انتہائی چوکنا رہتا ہے۔ وہ کسی شخص کے ظاہری رویے، حلیے یا عہدے اور دولت سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ چال ڈھال، گفتگو اور نفسیاتی تجزیے کی مدد سے اس کے باطن کو پرکھتا ہے۔ وہ قیافہ شناسی کا ماہر ہے اور کسی فرد کی شخصیت اور کیفیت اس کے باطن تک رسائی کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

جرم کی تفتیش میں وہ سراغ رسانی کے اصولوں اور تحقیق و تفتیش کے طے شدہ نظریات پر کاربند رہتا ہے۔ فریدی کی اصول پسندی، قانون کے بے لاگ اور مساویانہ نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے ہے۔ اصول پسندی کو وہ اپنی عزتِ نفس کے لیے بھی ضروری سمجھتا ہے۔ مجرموں کے لیے سخت گیر اور مظلوموں کے لیے وہ ہمدرد اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔ لاعلمی میں مجرموں کا آلہ کار بن جانے والوں کے لیے فریدی رحمت کے فرشتے کا کردار ادا کرتا ہے اور انھیں جرم کے شکنجے سے آزاد کرواکر آزاد زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ مضبوط قوتِ ارادی اور ناقابلِ شکست عزم کی وجہ سے فریدی کو ایسے کمالات حاصل ہیں جو اس کے دوستوں کو بھی حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ قوتِ ارادی کے بل بوتے پر وہ ناممکن سمجھے جانے والے کام آسانی سے کر گزرتا ہے، مثلاً وہ حیران کن حد تک اپنا سانس روک سکتا ہے۔

کرنل فریدی بہت سے علوم و فنون میں طاق ہے۔ وہ لاسلکی سائنس، زہروں اور ان کے تریاق، جانوروں اور ان کی عادات و اطوار اور ناٹک سمیت مختلف فنون جانتا ہے۔ وہ مختلف اقسام کے ہتھیاروں کے استعمال پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اس نے جسمانی فنونِ حرب کی تربیت بھی حاصل کر رکھی ہے۔ لڑائی میں مہارت کی وجہ سے وہ بیک وقت کئی دشمنوں سے لڑ سکتا ہے، دراز قد ہونے کے باجود اس کے جسم میں بے حد پھرتی پائی جاتی ہے۔ وہ لب ولہجہ کو بدلنے پر بھی قادر ہے اور کئی زبانیں بھی جانتا ہے۔ فریدی نسب کے لحاظ سے ایک جنگجو قبیلے کا فرد ہے۔ اس کی یہ خصلت دوبدو مقابلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ جنگ کے دوران دشمن کی کمزوری کو بھانپتے ہی نہایت بہادری کے ساتھ اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ فریدی کا حملہ نہایت شدید اور برموقع ہوتا ہے۔ عام طور پر دشمن اس کے وار کو سہنے میں ناکام رہتا ہے۔ جرم کی تحقیق و تفتیش میں وہ ذہانت و فطانت اور عقل و دانش کا پتلا دکھائی دیتا ہے۔ دانش مندی، بہادری، بروقت درست فیصلے کی صلاحیت اور اصول پسندی جیسے قائدانہ اوصاف کرنل فریدی کو ایک بڑی شخصیت ظاہر کرتے ہیں۔ فریدی کی نمایاں خصوصیت ناقابلِ شکست قوتِ ارادی ہے۔ اس کا عمل اس کی قوتِ ارادی کے تابع رہتا ہے۔ وہ شکست تسلیم کرنا نہیں جانتا۔ اس کا کہنا ہے کہ شکست اس کی لاش پر سے گزر کر ہی اس تک پہنچ سکتی ہے۔

فریدی کی شہرت ملک بھر میں ہے۔ اس کی شہرت، مقبولیت اور کارناموں کی وجہ سے صدر مملکت نے اسے خصوصی اختیارات سے نوازا ہے۔ جرائم کی تحقیق و تفتیش کے لیے اسے خصوصی اختیار نامہ اور اجازت نامہ دیا گیا ہے جو بہت سے مواقع پر فریدی کے کام آسان کرتا ہے۔ خاندانی پسِ منظر، ذاتی دولت و

وجاہت، بے خطر طبیعت اور شان دار کارکردگی کی بدولت ملنے والی پذیرائی کی وجہ سے فریدی محکمے میں خود مختارانہ انداز میں رہتا ہے۔ وہ زیرِ تفتیش مقدمے میں حکامِ بالا کا دباؤ کبھی قبول نہیں کرتا اور اپنی حدود میں رہتے ہوئے جس کام کو اپنے فریضے کا حصہ سمجھتا ہے، کسی رعایت یا خوف کا شکار ہوئے بغیر کر گزرتا ہے۔ وہ اپنی مہم یا مشن کی تفصیلات دوسروں سے چھپانے کا عادی ہے اور اس کے ماتحت یا افسران بھی بسا اوقات اس عادت سے جھنجھلا جاتے ہیں لیکن فریدی اپنے رویے کو کسی دباؤ یا لالچ کی وجہ سے بدلنے کا عادی نہیں ہے۔

فریدی تجرد پسند طبیعت رکھتا ہے۔ اسے صنف نازک سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ عورتیں اس کے نزدیک ایک مستقل قوم ہیں گو کہ اس کی مخمور آنکھوں اور چہرے کی جاذبیت خاص طور پر خواتین کے لیے کشش رکھتی ہے لیکن فریدی عورتوں کے احساسات سے کوئی واسطہ یا سروکار نہیں رکھتا۔ اسے صرف مہم جوئی اور ذمہ داری پوری کرنے سے غرض ہے۔ اس معنوں میں وہ ایک عورت بے زار اور خشک طبیعت انسان ہے۔ وہ کسی کے حسن یا عہدے اور دولت سے متاثر نہیں ہوتا۔ یہ کردار انفعالی مزاج کی بجائے اثر انداز ہونے والی طبیعت کا حامل ہے۔

فریدی سنجیدگی اور وضع داری کے ساتھ ساتھ مزاح کی اعلیٰ حس بھی رکھتا ہے۔ عملی میدان میں اس کی دلیری، فنِ حرب میں اس کی مہارت اور گفتگو میں ادب اور مزاح کی چاشنی اسے ایک مکمل کردار کا روپ عطا کرتی ہے جو کہ اپنے اصولوں کے معاملے میں بے لچک، کردار کے اعتبار سے بلند، مزاج کے لحاظ سے انتہائی نفیس اور اعلیٰ ذوق اور رکھ رکھاؤ کا مالک ہے۔ بہادری اور جرات، دانائی و فراست اور ادب سے لگاؤ اسے کردار اور گفتار دونوں کا غازی ثابت کرتے ہیں۔

فریدی کی طبیعت میں خود انحصاری پائی جاتی ہے۔ وہ دوسرں سے کام لینا جانتا ہے لیکن اس کے لیے وہ اپنے اصولوں، نظریات، انا، خود توقیری اور مصلحت کو نظر انداز نہیں کرتا۔ حمید اس کا اسسٹنٹ ہے لیکن کسی زیرِ تفتیش مقدمے کی مکمل تفصیلات اور جزئیات سے وہ بھی اس وقت تک واقف نہیں ہو پاتا جب تک فریدی خود ہی اسے سب کچھ بتا نہ دے۔ فریدی رازوں کو خود تک محدود رکھ کر حمید کو اس کی طبیعت، نفسیات اور ذہنی ساخت کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ حمید کا دوست قاسم جو "برف کے بھوت" نامی مہم میں پہلی مرتبہ سامنے آیا تھا، ایک مضحکہ خیز کردار ہے لیکن یہ کردار بھی فریدی کے کام آجاتا ہے۔ وہ قاسم کے ڈیل ڈول، جسمانی طاقت، حماقت اور دولت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے لیکن اس کا مکمل تحفظ بھی کرتا ہے۔

جگدیش نامی ایک پولیس آفیسر فریدی کو اپنا آئیڈیل اور محسن تسلیم کرتا ہے۔ وہ فریدی کی ہدایات کے مطابق کام کرنے کی وجہ سے ترقی پا جاتا ہے۔ فریدی جگدیش کو بھی اپنی دلچسپی کے کیسوں میں استعمال کرتا ہے یا اس سے کام لیتا ہے لیکن اس کے کام لینے کا انداز ایسا ہوتا ہے جس سے جگدیش کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ فریدی ایک کرائم رپورٹر انور اور اس کی منگیتر رشیدہ کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ انور خود ایک ذہین اور نڈر شخص ہے جو اپنی مہارتوں کی وجہ سے پولیس افسران کو بھی دبا کر رکھتا ہے لیکن فریدی کی وہ دل سے عزت کرتا ہے اور اس کے لیے مختلف کام بھی انجام دیتا ہے۔ ماتحتوں اور دوستوں کے علاوہ فریدی دشمنوں سے بھی اپنے مطلب کا کام نکالنے کا عادی ہے۔ وہ دشمن کو اپنی چال میں پھنسا کر اس طرح استعمال کرتا ہے کہ دشمن اس کے مقاصد کو پورا کر دیتا ہے۔

فریدی کی زندگی میں بظاہر کوئی رنگینی نہیں ہے۔ وہ خاندان اور برادری کے بکھیڑوں سے بھی آزاد دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنی کوٹھی میں ملازمین کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کے گھریلو نوعیت کے کام اس کے ملازمین کے سپرد ہیں۔ والد کے ترکے سے ملنے والی وسیع جاگیر اور اراضی اس کی آمدن کا بڑا سبب ہے لیکن وہ جائیداد کے حساب کتاب میں کبھی الجھا دکھائی نہیں دیا۔ لگتا ہے کہ یہ کام بھی اس کے ملازمین یا مزارعین انجام دیتے ہیں۔ فریدی نے اپنا تمام وقت اپنے کاموں کے لیے صرف کر رکھا ہے۔ تحقیق، مطالعے اور سراغ رسانی کے علاوہ ایک ماہر شکاری بھی ہے۔ ناول برف کا بھوت میں وہ ایک شکار کے لیے ٹیکم گڑھ کے برفانی علاقے میں ایک خطرناک گروہ سے ٹکرا جاتا ہے جہاں اس کا مقابلہ ڈاکٹر سڈلر سے ہوتا ہے جو انسانوں پر خطرناک تجربات میں مشغول تھا۔ گویا فریدی کی تفریح بھی عام طور پر مہم جوئی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس طرح فریدی کی زندگی میں فرصت کا کوئی لمحہ بمشکل ہی آتا ہے۔ یہی اس کی زندگی ہے۔

فریدی کا کردار بظاہر مثالی معلوم ہوتا ہے جو کہ معیاری ادب میں خوبی کی بجائے کردار کی خامی سمجھی جاتی ہے لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ فریدی کے کردار کا مثالی پن ایسے منطقی اسباب کی بنا پر ہے جو کہ عملی زندگی میں بھی کامیابی کے لیے تسلیم شدہ ہیں۔ فریدی کے کردار میں پائی جانے والی مثالیت دراصل اس کی فرض شناسی، اصول پسندی، پیشہ وارانہ مہارت، کام کے ساتھ گہری وابستگی اور دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیتوں اور جسمانی قوت کی بنا پر ہے۔ کئی معرکوں میں اسے طاقت ور دشمنوں کے مقابلے میں شکست کا زخم بھی سہنا پڑتا ہے لیکن وہ اپنی مہم جو طبیعت اور آہنی عزم کی وجہ سے اپنی شکست کو فتح سے بدلنے میں کامیاب ہو

جاتا ہے۔ فریدی کے کردار میں موجود اصول پسندی کے خاص وصف کی وجہ سے یہ کردار خود ابنِ صفی کے نزدیک بھی آئیڈیل کردار ہے۔ فریدی کی اس صفت یا جوہر کی وجہ سے اسے کرنل ہارڈ اسٹون کہا جاتا ہے۔

احمد کمال فریدی عقلی اور منطقی بنیادوں پر یہ سمجھتا ہے کہ فحاشی اور عریانی کی لت، وقت ضائع کرنے والے کاموں میں پڑنا اور عورتوں کے عشق میں مبتلا ہونا پست ذہنیت کی علامت ہے اور اسی طرح رومانوی مزاج اور عورتوں کے ساتھ فضول مراسم بھی انسان کو فرائض کی بجا آوری سے روکتے ہیں۔ کرنل فریدی سر تا پا ایک سراغ رساں اور بہت معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے حقائق تک رسائی میں اس کا ذہن حیرت انگیز طور پر درست اندازے لگاتا ہے۔ اس کی انا، حوصلہ مندی اور مہم جو طبیعت اسے خطرات قبول کرنے پر آمادہ رکھتی ہے۔ وہ سطحی، کمزور اور بے نتیجہ خیالات سے خود کو دور رکھتا ہے۔ وہ سماج کو جرائم سے محفوظ رکھنے کا گہرا جذبہ رکھتا ہے۔

بطورِ سراغ رساں فریدی کا مقصد سماج میں قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا ہے۔ وہ خاص طور پر ایسے جرائم کا سراغ لگانے میں دل چسپی رکھتا ہے جن کی پشت پر سماج کی کوئی بااثر، بااختیار شخصیت اپنے عہدے، مرتبے، تعلقات اور روابط کا فائدہ اٹھا کر قانون کو بے اثر بنانا چاہتی ہو۔

کرنل فریدی واردات کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیتا ہے۔ وہ جرم کے حقیقی اسباب و وجوہ کو کھوجتا ہے۔ وہ صورتِ حال کا منطقی تجزیہ کرتا ہے۔ اس نے قانونی ضابطے سے ہٹ کر بھی مجرم کی کھوج کے لیے مختلف طریقے ایجاد کیے ہیں۔

کرنل فریدی بھی کسی بھی شخص کے چہرے مہرے، نقوش، چلنے پھرنے کے انداز اور اندازِ گفتگو سے اس کی شخصیت کے بارے میں درست اندازہ لگالیتا ہے۔ کرنل فریدی کسی جرم کا سراغ لگاتے ہوئے علمِ قیافہ کی مہارت بروئے کار لاتا ہے۔ جرم کی تحقیق اور سراغ لگانے کے لیے وہ واردات سے متعلق لوگوں کی شخصیت کا اندازہ لگاتا ہے کہ کوئی فرد کس قدر خود غرض، لالچی، مکار، بے رحم، دھوکے باز اور بدکردار ہو سکتا ہے۔ چہرہ بشرہ انسان کے مافی الضمیر کا آئینہ ہوتا ہے۔

ابتدائی کہانیوں میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کسی سماجی جرم کی تفتیش کے لیے فریدی فرد کی خطائے ارادی، سراسیمگی، دہشت اور خوف کو بطورِ خاص نظر میں رکھتا ہے۔ لہجے میں پائی جانے والی گھبراہٹ اور زبان کی

لکنت بھی اسے مجرم کو پہچاننے میں مدد دیتی ہے۔ فریدی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ بڑے بڑے واقعات کے اسباب بسا اوقات نہایت معمولی ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے وہ کسی جرم سے متعلقہ افراد کی حرکات و سکنات یا معمولات میں پیدا ہونے والے معمولی تغیر کو بھی گہری نگاہوں سے دیکھتا ہے اور افراد کے جائزے یا حالات و واقعات میں پیش آنے والی کسی معمولی سی تبدیلی کو بھی نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اس پر منطقی انداز میں غور و فکر کرتا ہے۔

فریدی سراغ رسانی کی مدد سے ثبوت اور دلائل جمع کر کے مجرم کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کا قائل ہے۔ جب تک وہ مجرم کے خلاف تمام ثبوت جمع نہیں کرلیتا، اپنی زبان مکمل طور پر بند رکھتا ہے اور محکمے کے افسرانِ بالا کو بھی رپورٹ پیش نہیں کرتا۔ مجرم تک رسائی کے لیے فریدی نت نئے تجربات پر یقین رکھتا ہے اور کسی لگے بندھے طریقہ کا وہ قائل نہیں ہے۔

فریدی کو دیکھ کر کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ یہ شخص ایک کامیاب اداکار اور روپ بدلنے کا ماہر بھی ہو سکتا ہے۔ فریدی کے کردار کا یہ رویہ پہلی ہی کہانی "دلیر مجرم" میں سامنے آتا ہے جب وہ ایک جھکی پروفیسر عمران کا سا روپ دھار کر جھونپڑی سے باہر نکلتا ہے۔ اس وقت فریدی کی خود کلامی بھی نہایت دلچسپ ہوتی ہے جس کی کسی بھی سنجیدہ یا ذی شعور شخص سے توقع نہیں کی جا سکتی:

> "ابے تو نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں تجھے کتے کا گوشت کھلا دوں گا۔ چھچھوندر کی اولاد نہیں تو۔۔۔ مریخ، زحل، مشتری عطارد سب کے سب تیری جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ ابے میں وہ ہوں جس نے سکندر اعظم کا مرغا چرایا تھا۔ چمگادڑ مجھے سلام کرنے آتے ہیں۔ میں اچھے طرح جانتا ہوں کہ توں اپنے دادا کا نطفہ ہے۔ چلا ہے وہاں سے مکھیاں مارنے۔۔۔ بڑا آیا کہیں کا تیس مار خان۔ تیس مار خان کی ایسی کی تیسی۔۔۔ نہیں جانتا کہ میں بھوتوں کا سردار ہوں۔ آؤ اے غرفوس اسے کھا جاؤ۔ آؤ اے ارسلانوس اسے چبا جاؤ۔ چڑیلوں کی حرافہ نانی اشقلونیا تو کہاں ہے۔ دیکھ میں ناچ رہا ہوں۔ میں تیرا بھتیجا ہوں۔۔۔ آجا پیاری۔۔۔!" یہ کہہ کر پروفیسر نے وہیں ناچنا شروع کر دیا۔ پھر وہ سینے پر ہاتھ مار کر کہنے لگا: "میں اس آگ کا پجاری ہوں جو مریخ میں جل رہی ہے۔ ہزار ہا سال سے میں اس کی پوجا کرتا آرہا ہوں۔ میں پانچ ہزار سال سے انتظار کر رہا ہوں

لیکن ستارہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔ اے کہ میں نے تیرے لیے خرگوش پالے۔ اے کہ میں تجھے گلہریوں کے کباب کھلاتا ہوں۔۔۔ میں تتلیوں کے پروں سے سگریٹ بنا کر تجھے پلاتا ہوں۔ اے پیارے ابلیس تو کہاں ہے۔ میں تجھے اپنا کان کاٹ کر کھلا دوں گا۔۔۔!" وہ اور نا جانے کیا بڑبڑاتا اچھلتا کودتا ہوا پرانی کوٹھی کے باغ میں غائب ہو گیا۔(2)

وہ انسانی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے افراد کے افعال کا جائزہ لیتا ہے۔"اونچا شکار" نامی ناول میں مجرم مسٹر ڈکسن فریدی کو پھندے میں پھنسانے کے لیے اس پر تین گرگوں کے ذریعے جھوٹ موٹ کا حملہ کرواتا ہے تاکہ فریدی انھیں ہی اصل مجرم سمجھے لیکن ان کے لڑنے کے انداز ہی سے فریدی کو شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ حملہ حقیقی نہیں ہے۔ اسی لیے وہ بھی جوابی حملے میں انھیں زیادہ نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ اس ڈرامے کے سبب پر غور کرنے لگ جاتا ہے۔ روپ بدلنے سے فریدی کا مقصد دشمن کو چکما دینا اور اپنے جال میں پھنسانا ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف وہ خود دشمن کے جال اور سازش سے پوری طرح چوکنا اور باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہے اور دشمن کی طرف سے پیدا کی گئی کسی خاص صورتِ حال یا جذباتی ماحول میں خود پر قابو پانے کی پوری صلاحیت سے آراستہ ہے۔

فریدی کی وجاہت اور بارعب شخصیت کی ایک بڑی وجہ اس کا اندازِ گفتگو، اس کا خود پر اعتماد اور اس کا مزاج ہے۔ اسے اپنے رویے پر مکمل قابو حاصل ہے۔ اسی صلاحیت کی وجہ سے وہ فنکارانہ مہارتیں بھی حاصل کر پایا ہے۔ وہ جب روپ بدلتا ہے تو اپنے مزاج، عادات، رویے، آواز پر قابو پا کر اپنے چہرے، حلیے، آنکھوں کی رنگت اور چہرے کی مخصوص نشانیوں کو چھپا لیتا ہے۔ اپنے افعال و اعمال کے متعلق اس کا قول ہے: "میرے افعال میری قوتِ ارادی کے پابند ہیں۔ دوسری تحریکات کم ہی میرے جسم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔"(3)

ملک دشمنوں کی سازشوں کے جواب میں فریدی کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ شور شرابے، ہنگامے اور میڈیا کا سہارا لیے بغیر اپنا کام اپنی اسکیم کے مطابق سر انجام دے۔ اس کا خیال ہے کہ شور شرابے کی وجہ سے سماج میں مزید انتشار پھیل سکتا ہے۔ اسی لیے جب وہ محسوس کرتا ہے کہ دشمن کا گھیرا اس کے گرد تنگ ہو رہا ہے اور اردگرد کے لوگوں میں دشمن کے ایجنٹ شامل ہو چکے ہیں یا دشمن جدید ترین ٹیکنالوجی کا استعمال کر رہا ہے تو وہ نہایت خاموشی سے منظرِ عام سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس کی یہ عادت اور حکمتِ عملی اس کے

دشمنوں کے علم میں بھی آگئی ہے۔ لہٰذا اس کا غائب ہو جانا، دشمن کے نزدیک خطرے کی گھنٹی سمجھا جاتا ہے۔ زیرو لینڈ کے سلسلے کی ایک اہم مہم "تیسری ناگن" میں فریدی کے غائب ہو جانے پر دشمن گروہ کا اہم رکن اپنے کارکنوں سے کہتا ہے: "یہ اس کی بہت پرانی تکنیک ہے، جب وہ اپنے اسسٹنٹ کا ساتھ چھوڑ جائے تو سمجھ لو کہ جھنڈ سے بچھڑے ہوئے بھیڑیے ہی کی طرح خوف ناک ہو جائے گا۔"(4)

صنفِ نازک سے متعلق فریدی کا رویہ ایک سنگلاخ چٹان کی طرح دکھائی دیتا ہے جس پر رومانوی خوابوں کا کوئی پھول نہیں کھل سکتا۔ فریدی عورت سے بدظن نہیں لیکن اسے عورت کا قرب بھی گوارا نہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کی خطر پسند، مہم جو اور سراغ رساں طبیعت ازدواجی زندگی کی نازک ذمہ داریاں اٹھانے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ اسے خطرات کا سامنا کرنے اور طوفانوں کا مقابلہ کرنے میں ہی لطف آتا ہے۔ اسے پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کا اس قدر احساس ہے کہ وہ شادی کو فرائض کی بجا آوری میں رکاوٹ خیال کرتا ہے اور ناجائز تعلقات کا وہ سرے سے قائل ہی نہیں کیوں کہ اس کے خیال میں عیاشی مردوں کے لیے زہر سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ عورت سے دور رہنے کی وجہ سے فریدی کی نفسیاتی کیفیت عام آدمی سے قدرے مختلف ہو چکی ہے۔ صنفِ نازک کے حوالے سے اس کے خیالات و نظریات میں ارتقا بھی پایا جاتا ہے۔ مخصوص کیفیت کی وجہ سے اس نے جنس، جنسیت اور اس سے متعلقہ مسائل کا مطالعہ بھی کیا ہے اور جرائم کی تحقیق کے حوالے سے وہ جنسیت کے جذبے کو ایک اہم محرک تسلیم کرتا ہے اور اسی جذبے کے درست استعمال کو بہادری اور بے جگری کا ایک سبب بھی خیال کرتا ہے۔ فریدی کا یہ نظریہ حمید کی ایک خاص کیفیت کے جواب میں بیان کیا گیا ہے، حمید کہتا ہے:

> "کبھی کبھی مجھے اپنی زندگی کی ویرانی کا بہت شدت سے احساس ہوتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو ویران کر دوں۔"
>
> "یہ بڑی اچھی علامت ہے، اگر جنسی بھوک اس راستے پر لگ جائے تو آدمی کو ہٹلر اور نپولین بنا دیتی ہے۔ شاید اسی لیے تم آج کل اتنے بے جگر ہو رہے ہو۔"(5)

"تصویر کا دشمن" نامی ناول میں فرائڈ کے نظریے سے جزوی اتفاق کرتے ہوئے فریدی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ جنسی جذبہ جرم کا سبب بن جاتا ہے کیوں کہ یہ جذبہ بہت شدید ہوتا ہے لیکن وہ اس کی غیر معمولی شدت کو عام انسانی رویہ خیال نہیں کرتا بلکہ وہ بتاتا ہے کہ جنسی شدت پسندی دراصل اذیت پسندی کا

نتیجہ ہوتی ہے جو کہ ایک عام انسان کو معذوروں اور ذہنی اپاہج لوگوں پر جنسی تشدد کرنے یا انھیں جنس کے حوالے سے شدید ہیجان میں مبتلا کر کے انھیں ترسانے جیسے مرض تک لے جاتی ہے۔ فریدی کا خیال ہے کہ ذہین، باوسائل اور تعلیم یافتہ عورتیں جنھیں اپنی بے وقعتی کا شدید احساس لاحق ہو وہ نفسیاتی رد عمل کے تحت اذیت پسندی اور اسی کے نتیجے میں جنسی بے راہ روی کا شکار ہو سکتی ہیں۔ جب وہ کسی کو جنسی بے بسی کی حالت میں دیکھتی ہیں تو انھیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے ۔ فریدی ایسی خواتین کے متعلق اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے: ”اگر ان کی ایک کے علاوہ دوسری جبلتوں کو نظر انداز نہ کیا گیا ہوتا تو آج کی بعض عورتیں ایسی ذہنی یا جسمانی بے راہ روی کا شکار ہر گز نہ ہوتیں۔“(6)

اقتباسِ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ فریدی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کا عادی ہے اور وہ اپنے مشاہدات و تجربات اور نتائج کو اپنے پیشہ ورانہ کاموں میں استعمال کرتا ہے اس لیے عورتوں کی بے راہ روی کے واقعات اور جنسیت کے حوالے سے غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ عزت افزائی اور اہمیت دینے سے انسان میں داخلی اعتبار سے ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ جنسی جذبے کو لگام ڈالنے میں مدد دیتی ہے۔ گویا عزت و احترام کے جذبات جنسی بے راہ روی، ذہنی بے راہ روی اور اذیت پسندی کے مقابلے کے لیے انسان کو قوت اور توانائی فراہم کرتے ہیں اور وہ اپنے ارادے سے ان پر قابو پالیتا ہے۔ جدید نفسیات کے لحاظ سے یہ نظریہ درست سمجھا جاتا ہے اور بہت سے ماہرین عزتِ نفس کو جنسی اور سماجی برائیوں کے خلاف انسان کے اندر سے پیدا ہونے والی ایک مؤثر قوت سمجھتے ہیں۔

کہانی ”دیوِ پیکر درندہ“ میں فریدی جنسیت سے متعلق گہری معلومات کو اپنی قوتِ مشاہدہ کی بنا پر حاصل ہونے والے ایک نتیجے کے ساتھ ملا کر ایک سائنس دان ڈاکٹر ٹسڈل کو حیران کر دیتا ہے۔ فرائڈ سے جزوی اتفاق کرتے ہوئے فریدی بھی جنسی ہیجان کو ایک شدید جذبہ سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جنسی ہیجان کو برداشت کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے انسان کو اعصابی اعتبار سے مضبوط ہونا چاہیے۔ یعنی ایک کمزور انسان کے لیے جنسی ہیجان کو برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ فریدی نے یہ خیال دراصل نطشے کے نظریے کے مطابق اور کیمیاوی عمل سے مصنوعی طور پر تشکیل دیے ہوئے قد آور اور طاقت ور انسانوں کی اس طبعی کمزوری کو دیکھ کر قائم کیا کہ وہ جنسِ مخالف یعنی عورت کا سامنا نہیں کر پاتے اور اسے دیکھ کر جذبے کی

شدت سے مر جاتے ہیں۔ فریدی کے اظہارِ خیال کے جواب میں ڈاکٹر ٹسڈل فریدی کی ذہانت کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی قوتِ مشاہدہ یقیناً عام آدمیوں سے بڑھ کر ہے کیوں کہ وہ فوراً ہی درست نتیجے تک پہنچ گیا ہے۔

کرنل فریدی کے کردار میں اصول پسندی، سنجیدگی، متانت اور احساسِ ذمہ داری کی جو صفات پائی جاتی ہیں وہ مصنف ابنِ صفی کی شخصیت کا حصہ ہیں۔ بعض قارئین کا خیال ہے کہ کرنل فریدی کے کردار میں ابن صفی کی جھلکیاں موجود ہیں۔ ابنِ صفی کے ایک قاری سید فہد ترمذی لکھتے ہیں:

> بہت ساری جگہوں پر ابن صفی کے کرداروں میں ابن صفی کی جھلک نظر آتی ہے۔ خاص طور پر کرنل فریدی، علی عمران اور کیپٹن حمید کے کرداروں میں ابن صفی کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ابن صفی نے اپنے پہلے ناول میں حمید کی عمر چوبیس سال لکھی جبکہ ابن صفی کی اپنی عمر چوبیس سال تھی، عمران سیریز کا پہلا ناول لکھتے وقت ابن صفی کی عمر ستائیس سال تھی اور عمران کی عمر ابن صفی نے ستائیس سال دکھائی، کرنل فریدی ابن صفی کا آئیڈیل کردار تھا۔ ایک پیشرس میں بھی ابن صفی نے بتایا کہ پڑھنے والے ابن صفی کی شخصیت ان کے کرداروں میں تلاش کرتے ہیں اور یہ درست بھی ہے مگر اس سلسلے میں ابن صفی نے لکھا کہ انہیں بور نہ کیا جائے۔(7)

ابنِ صفی نے کرنل فریدی کے کردار میں اصول پسندی کا جو وصف شامل کیا، وہ اسے ایک بڑی شخصیت ثابت کرتا ہے۔ اس قسم کی اصول پسند شخصیات کسی بھی شعبے میں ایک رہنما کا کردار ادا کرتی ہیں۔ اصول پر قائم رہنا استقامت، قوتِ فیصلہ اور دانائی و تدبر اور دانش مندی کا مقاضی ہوتا ہے۔ کرنل فریدی کی کے کردار کو تشکیل دیتے ہوئے کیا ابنِ صفی کے سامنے کوئی عملی مثال بھی موجود تھی؟ اس متعلق بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ ابنِ صفی پاکستان کی محبت میں آبائی سرزمین چھوڑ کر پاکستان آبسے تھے۔ آبائی وطن سے ان کا تعلق قائم رہا لیکن انھوں نے اپنی زندگی پاکستان کے نوجوانوں کی ذہنی اور فکری تعمیر میں صرف کردی۔ اس لیے قائدِ اعظم بہر حال ان کے لیے ایک رول ماڈل ضرور تھے اور ان ہی کی سی اصول پسندی اور استقامت خود ابنِ صفی کی شخصیت میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ ابنِ صفی کی کردار نگاری میں شخصیت کی بنیادی تشکیل اور کردار کی بنیادی ساخت کو خاص طور پر مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اسی لیے ان

کے کرداروں میں فکر و فن کے اعتبار سے نقص، جھول یا کمزوری دکھائی نہیں دیتی۔ یہ ان کے فن کا ایک اعجاز ہے۔ کرنل فریدی کی شخصیت کے تجزیے کے آخر میں ابنِ صفی کے ایک قاری محمد اسلم غازی کی تحریر کا اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ابنِ صفی کے قارئین ان کی کردار نگاری کے فن کو کن نظروں سے دیکھتے ہیں:

> ان (ابن صفی) کے تخلیق کردہ لازوال اور زندہ جاوید کرداروں میں کرنل فریدی کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ غیر معمولی عقل و ذہانت، قوت و طاقت، مردانہ حسن و وجاہت اور اعلیٰ انسانی اخلاق و کردار کا حامل یہ کردار خود ابن صفی کو بھی اپنے تمام کرداروں سے زیادہ عزیز تھا۔ "زمین کے بادل" میں انھوں نے اسے عمران پر فوقیت دی ہے جو ان کے کرداروں میں دوسرے نمبر پر ہے۔ تیسرا کردار کیپٹن حمید ہے۔۔۔ کردار اپنی الگ شخصیت اور نفسیاتی خصوصیات رکھتا اور جیتا جاگتا کردار لگتا ہے۔ تیس سالوں تک اور سینکڑوں ناولوں میں ان خصوصیات میں معمولی سی تبدیلی نہیں آئی اور جھول محسوس نہیں ہوا۔ میرا یہ احساس بھی ہے کہ ابن صفی کے علاوہ ان کرداروں کو کوئی اور پیش نہیں کر سکتا۔(8)

2۔ساجد حمید کا تعارف و تجزیہ

جاسوسی دنیا کی عمومی مہمات میں حمید کا کردار راوی کا ہے۔ وہ ناول نگار کی ایک بنیادی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ کہانی کے پلاٹ، واقعات کے تسلسل اور کرداروں کے ساتھ قاری کو جوڑنے اور دل چسپ مکالموں اور پر تجسس سوالوں کی بدولت کی مدد سے کہانی کو سمجھانے اور دل چسپی قائم رکھنے کی وجہ سے حمید کلیدی کردار کا حامل ہے۔ حمید کا کردار کرنل فریدی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ بعض مہمات میں اس نے بنیادی کردار بھی ادا کیا ہے۔

حمید کرنل فریدی کا نائب اور دست راست ہے۔ یہ ایک شوخ اور قدرے آرام پسند نوجوان ہے جو کہ ایک دل چسپ اتفاق کے نتیجے میں کرنل فریدی سے وابستہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کا دست و بازو بن جاتا ہے۔ ناول "ٹھنڈی آگ" میں حمید نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے فریدی کے ساتھ ملاقات اور رفاقت کی

کہانی خود ہی بیان کی ہے۔ اس کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ کیپٹن حمید کو اس کے جاگیر دار والد نے غیرت میں آکر فوج میں بھرتی کروادیا تھا حالانکہ حمید ایم اے مکمل کرنا اور مزید تعلیم جاری رکھنا چاہتا تھا، فوج میں حمید کا جی نہ لگا، وہ شعر وادب کا دلدادہ اور موسیقی و رقص کا شائق تھا لیکن فوجی زندگی اور جنگ کے مناظر نے اس کی طبیعت میں تلخی اور بیزاری کی کیفیات پیدا کر دیں، جنگوں کو دیکھ کر وہ انسان کے مستقبل سے مایوس ہو گیا اور غم غلط کرنے کے لیے شراب نوشی اور عورتوں کی محفلوں کا سہارا لینے لگا، لڑکیوں کے ساتھ دوستی کے چکر میں اس کا ٹکراؤ تین غیر ملکی جاسوس خواتین کے ساتھ ہوا۔ ایک اتفاق کی بنا پر حمید کے ہاتھوں ہی یہ گروپ گرفتار ہو گیا اور یوں حمید کا تبادلہ ملٹری سیکرٹ سروس میں کر دیا گیا۔ اس ترقی کے بعد حمید نے اپنی زندگی کی تلخیوں کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور جب بندرگاہ پر اس کے والد اسے لینے کے لیے آئے تو اس نے اپنے والد کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اس وقت فریدی کسی کام کے سلسلے میں وہاں موجود تھا، حمید نے اسے بھائی جان کہا اور فریدی نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اسے بھائی بنالیا اور اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ یوں حمید اور فریدی کا تعلق قائم ہوا اور وہ کہانیوں کا حصہ بن گیا۔ حمید کا مکمل نام ساجد حمید ہے لیکن یہ نام کم استعمال ہوتا ہے۔

کہانی میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید لازم وملزوم ہیں۔ راوی کی مرکزی حیثیت کی وجہ سے کہانی بھی عموماً حمید کے ذریعے آگے بڑھتی ہے۔ حمید ایک مکمل کردار ہے۔ وہ ظریف الطبع ہے اور دیگر کرداروں کے علاوہ کرنل فریدی سے بھی اس کی نوک جھونک جاری رہتی ہے جو کہ کہانی میں مزاح کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ یہ کردار بعض مراحل پر سنجیدہ روپ میں بھی دکھائی دیتا ہے۔

حمید معاشرے کے ایک عام فرد کی سی صفات رکھتا ہے۔ وہ نڈر، بہادر، کھلنڈرا، چالاک، قدرے نرم دل، جذباتی، جلد باز، غصیلا، حسن پسند، دل پھینک شخصیت کا مالک ہے۔ کاموں اور ذمہ داریوں سے حتی الامکان کتراتا ہے۔ نسوانی کرداروں سے جلد متاثر لیکن عملاً عیاشی اور فحاشی سے گریز کرنے والا فرد ہے۔ حسن پسند طبیعت کی وجہ سے وہ خواتین سے بہت جلد بے تکلف ہو جاتا ہے لیکن جنسی کجروی سے بچا رہتا ہے۔ البتہ نت نئی، فیشن ایبل اور خوبصورت لڑکیوں کی قربت اسے پسند ہے اور اسی سلسلے میں اکثر و بیشتر اس سے حماقتیں بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ جاسوسی سلسلے کی متعدد کہانیوں کا آغاز لڑکیوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کے شوق میں سرزد ہونے والی حمید کی حماقتوں سے ہوتا ہے اور یہی حماقت اور غلطیاں کہانی کو کسی خاص سمت میں

لے جاتی ہیں۔ فریدی کے ساتھ کام کرنے سے قبل اس میں بعض ناپسندیدہ عادات پائی جاتی تھیں جو کہ فریدی کی صحبت میں بتدریج بعض اچھی عادات سے بدل جاتی ہیں اور اس میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔

حمید زندگی کو بھرپور انداز میں انجوائے کرنا چاہتا ہے، اس کا نظریہ ہے کہ کام کو خود پر سوار نہیں کرنا چاہیے، اس لیے اکثر وہ فریدی سے الجھ پڑتا ہے۔ اسے فریدی سے شکوہ رہتا ہے کہ وہ تفریح کے اوقات کو بھی کام میں بدلنے کا ماہر ہے، حمید اس عادت کو آ بیل مجھے مار، سے تعبیر کرتا ہے۔ حمید اس پر بھی شاکی رہتا ہے کہ فریدی اسے کیس کی جزئیات اور کسی تفتیش کے رازوں سے مکمل طور پر آگاہ نہیں کرتا، لہٰذا بسا اوقات وہ چڑ جاتا ہے اور چڑ کر کوئی ایسا کام کر گزرتا ہے جس کی وجہ سے وہ کسی مشکل یا مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور پھر فریدی ہی اسے اس مشکل سے نکالنے میں مددگار بنتا ہے۔

حمید لڑائی بھڑائی میں طاق ہے۔ وہ روپ بدلنا بھی جانتا ہے اور ناٹک رچانا بھی۔ وہ بہت سے کاموں میں مہارت رکھتا ہے۔ کبھی کبھار اس کے دماغ پر کوئی چھپکلی سوار ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی کیفیت ہوتی ہے جسے جنون کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس کیفیت میں وہ عام طور پر کوئی بڑی حماقت انجام دیتا ہے گو کہ اس کا مقصد معرکہ آزمائی کیوں نہ ہو۔ وہ طبعاً جنگ جو نہیں ہے لیکن کسی لڑکی کی خاطر وہ جنگ کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت اس پر اس وقت طاری ہوتی ہے جبکہ اس کی یا فریدی کی جان خطرے میں ہو۔ وہ کام سے جان چھڑانے کے بہانے یا مختلف حیلے صرف فریدی کو زچ کرنے کے لیے تراشتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر وہ ایک اچھا مہم جو بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس کے مزاج کی قلبِ ماہیت پر فریدی کی تربیت بتدریج اثر انداز ہوتی ہے چنانچہ وہ بعض مہمات کی کامیابی میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے۔

حمید ظاہر پرست ہے، وہ زندگی اور سراغ رسانی سے جڑے معاملات کو زیادہ گہرائی سے دیکھنے اور جانچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ یوں بھی جہاں کسی خوب صورت اور پرکشش لڑکی سے سامنا ہو جائے، حمید کو زندگی کی دیگر باریکیاں دکھائی ہی نہیں دیتیں۔ کسی بھی لڑکی کے ساتھ وہ زیادہ دیر تک رومان نہیں لڑا سکتا نہ ہی وہ جسمانی تعلقات قائم کرتا ہے۔ بس اسے لڑکیوں کے ساتھ گفتگو اور گھومنے پھرنے کا شوق ہے۔ اسی شوق کی خاطر وہ طرح طرح کی الٹی سیدھی حرکتیں بھی کرتا ہے اور لڑکیوں کے ساتھ لچھے دار باتیں بھی۔ گاہے حمید پر مایوسی، غم اور بوریت کے دورے بھی پڑتے ہیں اور وہ غمگین ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اسے دو ہی چیزیں معمول پر لاتی ہیں؛ اول سراغ رسانی کے دوران میں کوئی ہنگامہ یا مار دھاڑ شروع ہو جائے دوم یہ

کہ اسے اپنا دوست قاسم مل جائے جس کے ساتھ وہ طرح طرح کی حماقتیں کرکے وقت گزار سکے۔ اگر یہ دونوں ہی باتیں نہ ہوں تو حمید کے لیے آخری جائے پناہ اس کا بستر ہی ہوتا ہے جہاں جاکر وہ دنیاومافیہا سے بے خبر سو جاتا ہے۔

حمید کا اصل کردار یہ ہے کہ وہ ”جاسوسی دنیا“ کی اکثر مہمات کا راوی ہے۔ اس کی شخصیت، عادات و مزاج اور رویے میں کوئی بڑی اور مستقل تبدیلی رونما نہیں ہوتی تاہم اس کی دل چسپیوں کے بدلنے اور زندگی کے مسائل پر کچھ نہ کچھ غور کرنے کی عادت پیدا ہونے اور نئی ضرورتوں اور حاجیات کے سامنے آنے کے بعد اس کے خیالات میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے نفسیاتی طور پر اس کے رویے اور مزاج میں کچھ تغیر آتا ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں اس کی زندگی کا واحد مقصد خوب صورت لڑکیوں کی قربت میں وقت گزارنا اس کے ساتھ رقص و سرود میں شریک ہونا اور فلرٹ کرنا ہے لیکن جلد ہی اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان لچھنوں کی وجہ سے وہ معاشرے کے شرفا میں نیک نام نہیں رہا۔ بعض مہمات میں تو وہ حیرت انگیز طور پر اپنے رومانوی جذبات اور عاشقانہ مزاج پر قابو پاکر کچھ کارنامے انجام دینے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے۔ گو کہ وہ عادی شراب نوش نہیں ہے لیکن ابتدائی کہانیوں میں وہ کسی کے بہکاوے میں آکر شراب پی کر مدہوش ہو جاتا ہے اور پھر فریدی کی ناراضی اسے احساس دلاتی ہے کہ شراب پی کر اس نے غلطی کی ہے لہذا وہ شراب پینے سے توبہ کرلیتا ہے۔

حمید نہ ہی فلسفی ہے اور نہ ہی اسے سراغ رسانی کی باریکیوں سے کچھ زیادہ دل چسپی ہے۔ زندگی کے متعلق اس کا نظریہ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست سے مختلف نہیں ہے، لیکن قسمت نے اسے کرنل ہارڈ اسٹون کے ساتھ جوڑ دیا ہے جو خوبصورت خواتین کی بجائے خطرات اور مہم جوئی میں رومان محسوس کرتا ہے جبکہ حمید کو مہم جوئی، تھکا دینے والی مغز خوری، اکتا دینے والی سراغ رسانی اور تفتیش کے معاملے میں غیر ضروری منطقی موشگافیوں سے چڑ ہے۔ اس لیے وہ عام طور پر ہر مہم میں اکتایا ہوا دکھائی دیتا ہے، حمید کی اکتاہٹ کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ عام طور پر فریدی اسے بھی اندھیرے میں رکھتا ہے اور بار بار سوال کرنے کے باوجود اسے کچھ نہیں بتاتا۔ تاہم ایسے مواقع پر کبھی کبھار حمید کی کھوپڑی عام ڈگر سے ہٹ کر چل پڑتی ہے اور وہ کام دکھانے، نام بنانے اور اپنی افادیت ثابت کرنے کی دھن میں کوئی نہ کوئی کارنامہ سرانجام دے ہی جاتا ہے۔

حمید فلسفے، منطق، سیاست اور سماجی نظریات کے متعلق سوچ وبچار کو وقت کا ضیاع خیال کرتا ہے۔ وہ تفریح کا دلدادہ ہے اور اسے گھومنے، پھرنے، شوخیاں کرنے اور دوستیاں بنانے میں لطف آتا ہے۔ البتہ صنفِ نازک کے متعلق سوچ وبچار میں وہ کوئی حرج محسوس نہیں کرتا، رومانوی مزاج کی بنا پر وہ کسی خوب صورت یا کم از کم خوش شکل عورت کے بارے میں دیر تک سوچ سکتا ہے۔ اس کی باتوں کو یاد کر سکتا ہے اور اس کی شخصیت کے متعلق اندازہ لگا سکتا ہے۔ صنفِ نازک کے متعلق اس کے خیالات عجیب ہیں۔ اس کا نظریہ ہے کہ عورت بجائے خود ایک قوم ہے، مردوں کی طرح اسے رنگ ونسل کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

"طوفان کا اغوا" نامی مہم میں فریدی کو حمید کی ذہانت کا قائل ہونا پڑتا ہے جب اسمگلروں کے ایک گروہ کی گرفتاری کے لیے جس نے راستہ صاف ہونے کی علامت سبز غبارہ بنا رکھی تھی، کے جواب میں حمید ایک سرخ رنگ کا غبارہ اڑا کر انھیں سراسیمہ کر دیتا ہے اور یوں اس گروہ کو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ فریدی اس کارنامے پر حمید کو داد دیتا ہے اور یہاں سے حمید کی شخصیت میں ایک تبدیلی آتی ہے اور وہ کاموں کو ذمہ داری سے انجام دینے اور کارنامے دکھانے کا شوقین ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کی شخصیت میں پختگی جلد نہیں آتی اسی لیے ناول "رائفل کا نغمہ" کے آخر میں فریدی حمید کے متعلق ایک اور کردار نیلم کے سامنے یہ تبصرہ کرتا ہے:

"اگر میں کسی کام پر لگاتا ہوں تو دم نکلنے لگتا ہے اور خود مجھے اطلاع دیے بغیر کنوئیں میں چھلانگ لگا دے گا۔ آگ میں کود پڑے گا۔"(9)

فریدی کسی بھوت کی طرح حمید کے سر پر سوار رہتا ہے، حمید نہ ہی فریدی کو چھوڑ کر جا سکتا ہے نہ ہی وہ اپنی طبیعت کو بدلنے پر قادر ہے جو وبالِ جان قسم کی سراغ رسانی سے تنگ رہتی ہے۔ حمید الٹے سیدھے احکام سے کس طرح تنگ آجاتا ہے اور اس پر کیا کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے: "کیپٹن حمید کی موٹر سائیکل تار جام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی اور اس کا ذہن لعنت لعنت لعنت کی گردان کر رہا تھا۔"(10)

حمید کے بقول وہ سراغ رسانی سے گھبراتا نہیں ہے بلکہ وہ پیچ در پیچ باتوں سے تنگ آجاتا ہے جو کہ فریدی کے ساتھ رہتے ہوئے اسے برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ خود حمید کا دل تو یہی چاہتا ہے کہ کوئی خوبصورت چہرہ ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے رہا کرے۔ فریدی کو یہ سب کچھ پسند نہیں لیکن حمید اپنے مزاج کے

اظہار سے باز نہیں آتا۔ وہ زندگی برائے کام کا ابھی تک قائل نہیں ہوا۔ گرچہ "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" والی کیفیت بڑی حد تک دور ہو چکی ہے لیکن لڑکیوں کے ساتھ گپ شپ میں وہ اب بھی ماہر ہے جسے فریدی "بکواس" سے تعبیر کرتا ہے۔

حمید سراغ رساں ضرور ہے لیکن اس کا مزاج فریدی سے مختلف ہے۔ فریدی مجرموں کی نفسیات کو سمجھ کر ان کے پھیلائے ہوئے جال کو توڑتا ہے اور ان کے وار کے جواب میں اپنا جال پھیلاتا ہے لیکن حمید کو ایسی تمام الجھنوں سے نفرت ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حمید کی بوریت بھی بڑھتی جارہی ہے۔ فریدی کے ساتھ قلبی تعلق کے باوجود وہ اس کے پیچیدہ طریقۂ کار سے متفق دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی ذہنی الجھنوں نے اسے نفسیات کے لفظ سے ہی بور کر دیا ہے اور اگر کہیں یہ لفظ اس کے کانوں میں پڑ جائے تو وہ چڑ سا جاتا ہے۔ خاص طور پر کسی لڑکی کی زبان سے نفسیات کا لفظ اسے زہر لگتا ہے:

"نفسیاتی۔۔۔!" حمید دانت پیس کر غرایا۔

"کیوں۔۔۔؟ اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔!"

"سطحِ سمندر سے اتنی بلندی پر بھی اس منحوس لفظ سے پیچھا نہ چھوٹا۔۔۔ صبح ناشتے میں نفسیات، دوپہر کے کھانے میں نفسیات، رات کے کھانے میں نفسیات، اونگھنے میں نفسیات، چھینکنے میں نفسیات!"(11)

3۔ علی عمران کا تعارف و تجزیہ

علی عمران ایم، ایس، سی، پی، ایچ، ڈی (آکسن) اردو جاسوسی ادب کا نمائندہ اور معروف ترین کردار ہے۔ اس کی تخلیق میں ابنِ صفی کی ذہنی پیچیدگی، فلسفیانہ تدبر، حسِ مزاح، عصری شعور، منطقی فکر، نفسیاتی اور علمی طرزِ استدلال اور تخیلاتی قوت پورے طور پر کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ ابنِ صفی نے یہ کردار فریدی اور حمید کے بعد تخلیق کیا تھا لیکن اس نے بہت جلد مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیے اور اردو جاسوسی ادب کے کسی بھی دوسرے کردار سے شہرت اور مقبولیت میں آگے نکل گیا۔ علی عمران کے کردار کو کسی ایک رخ سے بیان کرنا دشوار ہے، یہ کردار مشرق و مغرب کے متضاد نظریات کا مجموعہ ہے، اس کی گفتگو سے بیک وقت کئی ادبی اور سماجی فلسفے اجاگر ہوتے ہیں لیکن اس کا عمل ان فلسفوں کی تردید کرتا ہے۔ نہایت عملی شخصیت اور اعلیٰ درجے

کا باتونی ہے۔ اس کردار میں موجود صلاحیتیں اس کی متضاد صفات کے اظہار میں پوشیدہ رہتی ہیں، وہ ایک ہی وقت میں کبھی پرلے درجے کا احمق دکھائی دیتا ہے تو کبھی فلاسفر اور دانش ور۔ کبھی ایک کھلنڈرا نوجوان لگتا ہے اور کبھی نہایت زیرک اور خطرناک جاسوس۔

علی عمران ایک اعلی تعلیم یافتہ نوجوان ہے جس کی ڈگریاں اس کی علمی اور ذہنی صلاحیتوں کی نشان دہی کرتی ہیں لیکن وہ سائنس کی تدریس یا اعلیٰ ملازمتوں کے حصول میں دل چسپی لینے کی بجائے تجسس اور ذاتی شوق کی وجہ سے جرائم کے خلاف تحقیق و تفتیش کے میدان میں نکل آتا ہے۔ جرائم کے خلاف تحقیق اور تفتیش کا شوق اسے ورثے میں بھی ملا ہے کیوں کہ اس کا والد سر کرم رحمان، ملک کی انٹیلی جنس ایجنسی کا ڈائریکٹر ہے۔ جرائم کے خلاف تحقیق اور تفتیش میں اعلی علمی صلاحیتوں کے استعمال کا تجربہ علی عمران کو لندن کے قیام میں تحصیل علم کے دوران میں ہی ہو گیا تھا جب اس نے ایک خطرناک گروہ کو اپنی فنکارانہ مہارتوں کی بدولت گرفتار کروایا، حصول علم سے فراغت پر وطن لوٹنے کے بعد علی عمران نے اسی تجربے کو آگے بڑھایا اور فنکارانہ انداز اختیار کرتے ہوئے علمی بنیادوں پر جرم کی تحقیق و تفتیش کا سلسلہ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا، لیکن اس مشق میں اسے سب سے زیادہ مخالفت خود اپنے والدین کی جانب سے برداشت کرنا پڑی جو کہ اسے احمق سمجھتے ہیں۔ علی عمران کے والد جدت پسند لیکن سخت گیر طبیعت کے مالک ہیں۔ وہ بیٹے کو ذہین لیکن احمق سمجھتے ہیں اور بیٹے کی احمقانہ حرکتوں کی بنا پر انا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے مشفقانہ سلوک سے محروم رکھتے ہیں۔ والد کے منفی رویے کے رد عمل میں علی عمران عمومی زندگی میں ہونق ہی بنا رہتا ہے اور گھر کا کوئی کام ذمہ داری سے انجام نہیں دیتا۔ دراصل ہر معاملے میں عمران کے کام کرنے کا اپنا ہی انداز ہے جو اس کے والد کے اصولوں سے ٹکراتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے درمیان ان بن ہی رہتی ہے۔ عمران کے والد اسے نہایت سنجیدہ اور ذمہ دار فرد دیکھنا چاہتے ہیں لیکن عمران سنجیدہ نہیں رہ سکتا، وہ خود پر حماقت کی کیفیت طاری کیے رکھتا ہے بلکہ یہ مصنوعی حماقت اس کی شخصیت اور ظاہری رویے کا حصہ بن چکی ہے۔

حماقت علی عمران کے کردار کا بنیادی وصف ہے، وہ خود کو ہمیشہ احمق ہی ظاہر کرنا پسند کرتا ہے۔ اس کے تیئں عقل مند دکھائی دینا ہی حماقت کی نشانی ہے۔ یعنی اس معنی میں وہ فلسفیانہ تعقل، تجربیت اور جدیدیت کا تمسخر اڑاتا ہے۔ ایک مکالمے میں عمران اپنے اس مسلک کا فلسفیانہ اظہار کچھ یوں کرتا ہے:

"تم بہت عقل مند معلوم ہوتے ہو۔"

"یہی سب سے بڑی علامت ہے بے وقوفی کی۔۔۔!"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"وہ اول درجے کا بے وقوف ہوتا ہے۔۔۔جو عقل مند معلوم ہو۔۔۔!"(12)

علی عمران کے حلیے میں معصومیت اور شکل و صورت پر پھیلی ہوئی حماقت اس کی بنیادی شناخت ہے۔ متعدد کہانیوں میں جب علی عمران سے متعارف ہونے والا کوئی کردار پہلی مرتبہ اسے دیکھتا ہے تو خوش شکل اور دیدہ زیب شخصیت لیکن چہرے پر بکھری حماقت کو دور ہی سے محسوس کر لیتا ہے:

جولیا نے اپنی زندگی میں پہلی بار دانش منزل کے کمپاؤنڈ میں قدم رکھا تھا۔۔۔ جیسے وہی وہ پورچ میں داخل ہوئی اندر سے ایک بیرا باہر آیا جس کی وردی بڑی شفاف تھی۔ پتہ نہیں وہ کون تھا، جولیا نے اسے پہلے پہل دیکھا تھا۔ البتہ وہ صورت ہی سے بالکل احمق معلوم ہو رہا تھا۔(13)

چہرے پر حماقت کے جلوے عمران کی پہچان ہے جس کے بغیر اس کردار کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر ناول بھیانک آدمی میں روشی نامی خاتون کردار بھی جب عمران کو ایک ہوٹل کی میز پر تنہا دیکھتی ہے تو بھی پہلا تاثر یہی لیتی ہے کہ یہ ایک احمق نوجوان ہے۔

عمران کی حماقتیں صرف مکالموں میں ہی ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ احمقانہ حرکات بھی اس کی طبیعت کا حصہ ہیں۔ وہ نادانستہ طور پر بھی حماقتوں کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ مثلاً

وہ ڈائننگ ہال میں اپنی میز پر تنہا تھا۔۔۔اس کے چہرے پر حسبِ معمول حماقتوں کی آندھیاں چل رہی تھیں۔۔۔ تقریباً سات بجے ایک ویٹر اس کی میز کے قریب آیا اور سلام کر کے آرڈر کا منتظر تھا کہ عمران نے احمقانہ انداز میں اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور بال بچوں کی خیریت دریافت کرنے لگا۔(14)

یوں احمقانہ حرکتیں عمران کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ وہ غیر ارادی طور پر بھی حماقتیں کر بیٹھتا ہے۔ لوگ اس کی حماقتوں سے لاکھ زچ ہوں لیکن عمران پر ذرا اثر نہیں ہوتا۔ اس کی عبقری ذہانت حماقتوں کی

صورت میں اپنا اظہار چاہتی ہے۔ اس لیے چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ احمقانہ کام کر بیٹھتا ہے۔ احمقانہ رویے کا ارتقائی مرحلہ یہ ہے کہ وہ تنہائی میں بھی احمقانہ حرکتیں کرتا دکھائی دیتا ہے:

> عمران نے اس طرح پلکیں جھپکا کر اپنے دیدے نچائے جیسے وہ سچ مچ اُلو ہو اور اسے کوئی روشنی کے اس طوفان میں زبردستی چھوڑ گیا ہو! حالاں کہ یہاں اس وقت اس قسم کی ایکٹنگ کی ضرورت نہیں تھی! مگر عمران عادتاً سچ مچ احمق ہوتا جارہا تھا!(15)

عمران کے کردار میں موجود تضاد جو بیک وقت ذہانت اور حماقت کی جھلکیاں پیش کرتا ہے دراصل ابنِ صفی کے نقطۂ نظر کے مطابق معاشرے کے عمومی رویے پر ایک طنز کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اس کردار کا تضاد معاشرے کے متضاد رویوں کی نشان دہی ہے۔ عمران کے کردار میں اس تضاد کی وجہ اس کا گھریلو ماحول ہے۔ والد سخت گیر مزاج رکھنے والے سرکاری افسر ہیں جو خاندانی جاگیردار بھی ہیں، وہ عمران کو اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں لیکن زندگی کے متعلق عمران کا نکتۂ نظر مختلف ہے۔ وہ کئی مقامات پر زندگی کے متعلق کسی اصول اور نظریے کے حوالے سے متذبذب دکھائی دیتا ہے تاہم اس کی والدہ مذہبی مزاج رکھنے والی خالص مشرقی گھریلو خاتون ہیں جو کہ دین سے گہرا لگاؤ رکھتی ہیں۔ چنانچہ والدہ کی تربیت کی وجہ سے عمران میں ذاتی شرافت، کردار کی مضبوطی اور دین کے ساتھ عقیدت پائی جاتی ہے۔ ابنِ صفی کے ناولوں میں علی عمران کسی بھی موڑ پر دین، مشرقی اقدار اور برصغیر کی مخصوص مسلم تہذیب کا باغی دکھائی نہیں دیتا لیکن اس کے رویے میں آزاد خیالی کا عنصر ضرور پایا جاتا ہے۔ بچپن میں عیسائی مشنری اسکول کی تعلیم اور نوجوانی میں لندن کے آزاد ماحول میں وقت گزارنے کی وجہ سے وہ ایک روایتی مشرقی مذہبی نوجوان دکھائی نہیں دیتا۔ اسے مکمل آزاد خیال اور مذہب سے بیگانہ شخص بھی نہیں کہا جاسکتا، دراصل وہ مشرقی اور مغربی ماحول کے تضادات کا شکار ہے۔ اس کی خاندانی شرافت، فطری حیا اور مذہبی رجحانات اسے عیاشی اور فحاشی سے دور رکھتے ہیں لیکن اس کا عمومی ماحول برائیوں کے لیے راہ ہموار کرتا ہے، لہٰذا اس کی شخصیت اور مزاج میں بیک وقت متضاد جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ شوخی اور سنجیدگی، ذہانت اور بھلکڑپن، عقل مندی اور حماقت نیز رومانویت اور عورت بیزار خشک طبیعت بیک وقت اس کی طبیعت کا حصہ ہیں۔ علی عمران کی شخصیت، مزاج اور رویے میں پائی جانے والی متنوع صفات نے اسے نہایت دل چسپ کردار بنا دیا ہے۔

علی عمران کی حماقتوں میں تبذل، پھکڑ پن، بازاری لب و لہجے اور جنسی اشارے کنائے کی بجائے ادب اور منطق کے امتزاج سے ایک عجیب ندرت دکھائی دیتی ہے۔ علی عمران واقعاتی مزاح کے ساتھ ساتھ خیالِ معکوس اور قولِ مضحک کی مدد سے ایک ایسے میں بھی مزاح کی چاشنی اس طرح پیدا کر دیتا ہے کہ زندگی کا سنجیدہ مسئلہ بھی ہلکا پھلکا دکھائی دینے لگتا ہے۔ کسی سنگین یا پراسرار واردات کی تفتیش کے موقع پر علی عمران کی ذہانت جب احمقانہ انداز میں جلوہ گر ہوتی ہے اور ادب، منطق اور سراغ رسانی کے مختلف رنگ دکھاتی ہے تو پڑھنے والوں کے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔ قتل کی ایک انوکھی واردات کی تفتیش کے موقع پر علی عمران کے ذہانت آمیز احمقانہ اسلوب کی ایک مثال یہ ہے:

"لیکن یہ ہوا کس طرح؟" انسپکٹر فیاض نے پوچھا

"اسی طرح جیسے شعر ہوتے ہیں۔۔۔

لیکن یہ شعر (یعنی لاش پر زخم کا عجیب و غریب نشان) مجھے بھرتی کا معلوم ہوتا ہے جیسے میر کا یہ شعر

میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو اب اس نے تو

قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا"

علی عمران نے جواب دیا۔(16)

اس مثال میں میر کے شعر پر لفظ دیر کے غلط تلفظ کے ساتھ مضحکہ خیز تنقید کی گئی ہے۔ اس مضحکہ خیز تنقید کا مقصد صرف یہ ہے کہ موقع واردات پر لاش کی موجودگی کے پسِ پشت ماورائی قوتوں کا خیال ترک کر کے انسانی اسباب تلاش کیے جائیں یعنی معاملے کا منطقی سبب تلاش کیا جائے جو کہ سراغ رسانی کا حقیقی رویہ ہے۔ ادب اور منطق کے امتزاج کی ایک اور مثال پیش ہے:

"مگر مری جان یہ دیکھ لو۔۔۔ نقش فریادی ہے کسی کی شوخیٔ تحریر کا۔۔۔ لاش غائب کرنے والے نے ابھی خون کے تازہ دھبوں کا کوئی انتظام نہیں کیا، مرزا افتخار رفیع سودا یا کوئی اور صاحب فرماتے ہیں۔ ؎

قاتل ہماری لاش کو تشہیر دے ضرور

آئندہ تاکہ کوئی نہ کسی سے وفا کرے" (17)

سراغ رسانی کے اصول کے تحت علی عمران اپنی حکمتِ عملی اور مجرم تک رسائی کے لیے طے کیا گیا منصوبہ، اپنے اہداف اور طریقے کو ہمیشہ دوسروں سے پوشیدہ رکھتا ہے لیکن بجائے خاموش رہنے کے، وہ بھید کو چھپانے اور مخاطب کو نفسیاتی طور پر زِچ کرنے اور توجہ ہٹانے کے لیے احمقانہ اسلوب سے کام لیتا ہے۔ ابتدائی کہانیوں کی ایک مثال یہ ہے:

"فیاض نے لاکھ کوشش کی لیکن عمران سے کچھ معلوم نہ کر سکا، البتہ اسے ایسے اشعار ضرور سننا پڑے جن کے پہلے مصرعے عموماً مرزا غالب کے ہوتے تھے اور دوسرے ڈاکٹر اقبال کے!

ہے دلِ شوریدہ غالب طلسمِ پیچ و تاب

وہ صبا رفتار شاہی اصطبل کی آبرو!" (18)

عمران کی پیچیدہ ذہنی تشکیل اور ادبی ذوق کی آئینہ دار احمقانہ گفتگو میں مبالغے اور تجاہلِ عارفانہ کا اظہار الٹے سیدھے اشعار کی صورت میں ہوتا ہے۔ طنز کے لیے قولِ محال کا استعمال عمران کی گفتگو میں عام ہے۔ احمقانہ مکالموں میں ارتقا یہ ہوا کہ مختلف اشعار کے ٹکڑے جوڑنے کی بجائے دوسروں کو زچ کرنے کے لیے عمران عصرِ حاضر کے فلسفیانہ اور ادبی رویوں پر چوٹ کرنے لگا۔ وہ معاشرتی رویوں پر طنز کا عادی بھی ہے۔ گویا ناول نگاری کے ابتدائی دور میں ابنِ صفی کے مزاج پر شعری ذوق غالب تھا۔ بطورِ مزاح اشعار کے استعمال کی بہترین مثال یہ ہے:

"مرزا غالب نے ٹھیک ہی کہا ہے:

"نالہ سرمایہ عالم اور عالم کفِ خاک

آسماں بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے"

"مطلب کیا ہوا؟" لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" عمران نے بڑی معصومیت سے کہا اور پر خیال انداز میں میز پر طبلہ بجانے لگا۔(19)

علی عمران کی ایک گھریلو زندگی ہے۔ والد کی کوٹھی میں اس کے والد سر کرم رحمان جو سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ اور جاگیر دار ہیں، موجود رہتے ہیں، والد کے ساتھ اس کی والدہ اماں بی اور بہن ثریا بھی ہیں، گھریلو زندگی میں علی عمران ایک عام فرد ہے، والد اس پر گرجتے برستے رہتے ہیں، والدہ کو غصہ آجائے تو وہ جوتی اتار کر اس کی پٹائی کر دیتی ہیں، ثریا سے اس کی جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں، وہ عام طور پر اس کی شکایتیں لگاتی رہتی ہے۔ بہن کی شکایتوں کی وجہ اسے گھر میں ڈانٹ پڑتی رہتی ہے۔ ملازمین پیسہ بٹور لیتے ہیں، لیکن علی عمران کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی حرکتوں سے تنگ آکر اس کے والد اسے گھر سے نکال دیتے ہیں تاکہ وہ سدھر جائے لیکن علی عمران کو گھر بدری کی وجہ سے مزید سہولت مل جاتی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی حضر میں بھی سفر کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ اس کا فلیٹ ایک مسافر خانہ معلوم ہوتا ہے جہاں زندگی کے کئی دل چسپ کردار جمع ہو گئے ہیں۔

بظاہر احمق دکھائی دینے والے نوجوان علی عمران کو جرائم کی تحقیق کا جنون ہے۔ وہ تحقیق و تفتیش میں علوم و فنون کا بکثرت استعمال کرتا ہے۔ سراغ رسانی کے شوق کی تکمیل کے لیے عمران اپنے والد کے محکمے میں کام کرنے والے انسپکٹر فیاض کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔ انسپکٹر فیاض مختلف کیسوں میں اس کی پسِ پردہ محنت اور تحقیق کی وجہ سے محکمے میں اچھے عہدے تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی دوران میں وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری سر سلطان جو کہ اس کے والد کے دیرینہ دوست بھی ہیں، عمران کے پشت پناہ بن جاتے ہیں۔ انہی کی کوششوں سے عمران کو والد کے محکمے میں ایک عہدہ دیا جاتا ہے تاہم اپنی غیر سنجیدہ طبیعت اور حماقتوں کے باعث وہ محکمے سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سر سلطان حکومت سے ایک خفیہ محکمہ قائم کروانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس کا سربراہ پوشیدہ رہ کر کام کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے ماتحتوں کے لیے بھی ایک راز ہوتا ہے۔ سر سلطان اس محکمے کا سربراہ عمران کو بناتے ہیں جس کا کوڈ نام ایکس ٹو ہوتا ہے۔

ایکس ٹو کے روپ میں عمران کا ایک نیا رویہ سامنے آتا ہے جس میں وہ حد درجہ محبِ وطن، فرض شناس، دور اندیش، بیدار مغز، اعلیٰ بصیرت اور نہایت پیشہ ورانہ مہارت کا حامل چیف آفیسر ہے جس سے اس کے ماتحت خوف کھاتے ہیں۔ ایکس ٹو کے راز کو برقرار رکھنے کے لیے عمران بلیک زیرو کے کوڈ نام سے ایک

ماتحت کو ڈمی کے طور پر اپنی سیٹ پر براجمان رکھتا ہے۔ بلیک زیرو کی شخصیت سے دیگر ماتحت لاعلم رہتے ہیں، یوں اس دہرے نظام کی بدولت عمران خفیہ سروس کا آفیسر رہتے ہوئے بھی اپنے ماتحتوں کے ساتھ گھل مل کر کام کرتا رہتا ہے اور وہ ان کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ رہتا ہے۔ ماتحت نہیں جانتے کہ ان کا اصل آفیسر علی عمران ہی ہے۔ عمران کے اس خفیہ کردار سے چند ہی لوگ واقف ہیں، یہاں تک کہ اس کے والد کو بھی اس کی خبر نہیں ہے۔ ایکس ٹو کا عہدہ سیکرٹ سروس کے چیف کا ہے۔ یہ سروس روایت سے ہٹ کر محکمہ خارجہ کے تحت قائم کی گئی اور اس کے انتظامی انچارج سر سلطان ہیں جو کہ سیکرٹری وزارت خارجہ ہیں۔ اس سروس کے چیف کے پاس خاصے انتظامی اختیارات ہیں اور اس کی شہرت، کام کرنے کا منفرد انداز، کارکردگی اور کامیابیوں نے اس کی ساکھ اور رعب قائم کر رکھا ہے۔

عمران اپنے ساتھیوں کا ہمیشہ خیال رکھتا ہے تاہم اس کی حماقتوں اور شرارتوں سے وہ بھی پناہ مانگتے ہیں۔ اس کے ساتھیوں میں سلیمان اس کا ذاتی ملازم ہے۔ سلیمان کے ساتھ اس کا رویہ ماتحتوں سے زیادہ ساتھیوں والا ہے۔ سلیمان اکثر اس سے پیسے بٹورتا رہتا ہے، لیکن وہ دل سے اس کا وفادار ہے۔ سلیمان کے علاوہ اس کا ایک باڈی گارڈ جوزف ہے جو ایک مقابلے میں شکست کھا کر اس کا بے دام غلام بن گیا ہے۔ علی عمران اس کی بلانوشی سے تنگ ہے لیکن اس کا خرچہ اٹھاتا ہے۔ اس کے سرکاری ماتحتوں میں طاہر عرف بلیک زیرو اس کا راز دار ہے جس کے ذریعے وہ سیکرٹ سروس کا خفیہ نظام برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جولیانامی ایک نو مسلم خاتون جو کہ دل میں اس کے لیے گہرے جذبات رکھتی ہے، سیکرٹ سروس کی نمبر ٹو ہے۔ وہ اپنے باس ایکس ٹو کی حقیقت سے ناواقف ہے تاہم وہ بھی اس کی شرارتوں سے اکتا جاتی ہے۔ سیکرٹ سروس میں صفدر اس کا قریبی دوست بن گیا ہے لیکن تنویر کی اس سے بالکل نہیں بنتی۔ اس کے باوجود علی عمران اسے سیکرٹ سروس میں برداشت کرتا ہے کیوں کہ وہ لڑائی بھڑائی میں تیز ہے۔ خاور، چوہان اور نعمانی بھی سیکرٹ سروس میں ہیں اور وہ بھی کچھ نہ کچھ کام انجام دیتے رہتے ہیں تاہم علی عمران کے ساتھ وہ ایک ساتھی کے طور پر ہی برتاؤ کرتے ہیں اور عمران کبھی بطورِ ایکس ٹو ان کے مساویانہ رویے کو محکمہ جاتی گرفت کی وجہ نہیں بناتا۔

علی عمران محکمہ سراغ رسانی میں جرائم کو کھوجنے، غیر ملکی سازشوں کا قلع قمع کرنے اور ملک اور قوم کے تحفظ کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر خطرات میں کود جانے والا سرفروش بھی ہے، ایک سپاہی بھی اور ایک جنرل بھی۔ وہ فنونِ حرب میں یکتا اور مارشل آرٹ کے فن میں ماسٹر ہے۔ وہ بیک وقت ذہنی اور جسمانی لڑائی

لڑنا جانتا ہے، وہ شطرنج کی بساط کی مانند چالیں چلتا ہے۔ جسمانی لڑائی میں بھی اسے شکست دینا دشوار ہے کیوں کہ وہ نہایت ٹھنڈے دماغ کے ساتھ حریف سے نبرد آزما ہوتا ہے وہ بے جگری، بے خوفی اور جان کو خاطر میں لائے بغیر مقابلہ کرتا ہے، وہ اپنے مقصد کی خاطر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دشمن سے ٹکراتا ہے اور فتح یاب ہوتا ہے۔

علی عمران پیشہ ورانہ مہارتوں میں استادوں کا استاد ہے۔ وہ جرائم کی تحقیق میں انسانی نفسیات کا پہلو پیشِ نظر رکھتا ہے، وہ معاصر معلومات کا بر موقع استعمال کرتے ہوئے اپنی ڈگریوں سے دو قدم آگے دکھائی دیتا ہے، تاہم کہانی کے ماحول میں وہ نہایت معصومیت اور سادگی سے داخل ہوتا ہے لیکن بڑی ہوشیاری، چالاکی، زیرکی اور حماقت آمیز ذہانت اور حیرت انگیز قوت مشاہدہ اور منطقی استدلال کی بدولت منظر پر چھا جاتا ہے۔ عمران کا کردار عبقریت کے باوصف حماقت اور معصومیت کا نمونہ، ہمت اور شجاعت کا پیکر اور فرض شناسی اور بے غرضی کا استعارہ ہے۔

عمران اپنے ساتھ کام کرنے والوں میں ہمت و حوصلے کی اعلیٰ مثال بننے کے علاوہ بذلہ سنجی، زندہ دلی، پر لطف مکالموں اور شرارتی طبیعت کی وجہ سے بھی مقبول ہے۔ وہ ایثار، سخاوت اور بہادری کی بدولت اپنے مخالفین کے دلوں میں جگہ بنالیتا ہے۔ اس کے بعض بدترین دشمن بھی اس کی خوبیوں کے معترف ہیں اور موقع ملنے کے باوجود وہ اس کی جان لینے سے گریز کرتے ہیں۔ ”سنگ ہی“ عالمی شہرت یافتہ مجرم ہے، وہ کئی حکومتوں کو مطلوب ہے، عمران سے اس کی پہلی ملاقات لندن کے فتنہ نامی مہم میں ہوئی جبکہ عمران اس وقت طالب علم تھا، عمران اسے چچا کہتا ہے جبکہ وہ عمران کو بھتیجا کہنے پر مجبور ہے کیوں کہ وہ دل سے اسے پسند کرتا ہے لہذا کئی مواقع پر وہ اس کی جان لینے کی بجائے اسے زندہ چھوڑ دیتا ہے۔ علی عمران اور سنگ ہی کے درمیان کئی معرکے ہوئے جس میں عمران فاتح رہا، اسی طرح ایک بین الاقوامی مجرمہ تھریسیا بھی علی عمران کو پسند کرتی ہے، وہ علی عمران کو زیرولینڈ کا شہری بنانا چاہتی ہے لہذا موقع ملنے کے باوجود وہ اسے جان سے نہیں مارتی۔ علی عمران ان مجرموں کے ساتھ گپ شپ لگاتا ہے لیکن ملکی اور قومی سطح کے معاملات میں کوئی رعایت یا سمجھوتہ نہیں کرتا۔

عمران کا ذاتی کردار مضبوط اور وطن پرستی کے معاملے میں بے لچک ہے۔ وہ عورت بیزار ہے اور شراب یا کسی بھی نشے سے دور رہتا ہے، تاہم وہ خواتین کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں ماہر ہے۔ وہ

اپنی وجاہت، چہرے پر فطری طور پر پائی جانے والی معصومیت اور حماقت آمیز طبیعت سے خواتین کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے اور پھر اپنی ہمت، جسمانی قوت اور مختلف فنون میں مہارت کی بدولت انھیں حیران کر دیتا ہے لیکن اس کا مقصد اس تمام سلسلے میں دراصل معاملے کی تہہ تک پہنچنا اور حقائق تک رسائی پانا ہوتا ہے۔ وہ مجرموں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے خواتین کی نفسیات سے کھیل کر اپنا کام نکال لیا کرتا ہے اور اس سلسلے میں کسی بھی طرح کی اداکاری سے باز نہیں آتا لیکن وہ جنسی جذبے کو خود پر سوار نہیں ہونے دیتا، اس معاملے میں اس کا کردار بے داغ ہے یہاں تک کہ وہ نسوانی مجرم کرداروں کی چالوں میں بھی نہیں پھنستا جو کہ جرم کے لیے اپنے جسم کا استعمال کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتیں، صنفِ مخالف سے گریز مجرموں اور مخالفوں کے نزدیک بھی عمران کی ایک وجہ شہرت بن جاتی ہے۔

عمران سیریز کے پہلے ہی ناول خوفناک عمارت میں ایک متمول اور حسین خاتون لیڈی جہانگیر عمران پر لٹو ہونے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ اپنے حماقت انگیز رویے کو بطورِ ڈھال استعمال کر کے لیڈی جہانگیر کے چنگل سے بچ نکلتا ہے۔ اس کی صرف حرکتیں ہی مضحکہ خیز نہیں ہیں بلکہ وہ قولِ مضحک کا بہترین استعمال کرتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لیڈی جہانگیر سے رتی بھر متاثر نہیں۔ چنانچہ تنگ آکر لیڈی جہانگیر اسے ایک الگ کمرے میں دھکیل کر چلی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

> تقریباً آدھے گھنٹے بعد عمران لیڈی جہانگیر کی خواب گاہ میں کھڑا اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا! لیڈی جہانگیر کے جسم پر صرف شب خوابی کا لبادہ تھا۔ وہ انگڑائی لے کر مسکرانے لگی۔
>
> ”کیا سوچ رہے ہو؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
>
> ”میں سوچ رہا تھا کہ آخر کسی مثلث کے تینوں زاویوں کا مجموعہ دو زاویہ قائمہ کے برابر کیوں ہوتا ہے؟“(20)

عمران کے کردار کے متعلق ایک مجرم کا قول ملاحظہ کیجیے:

> برجر بولا: ”تم جانتے ہی ہو میں اپنا برانڈ پیتا ہوں اور یہ آدمی تو فرشتہ ہے! نہ اسے شراب سے دل چسپی ہے اور نہ عورت سے۔۔۔ حد ہے کہ تمباکو نوشی سے بھی گریز کرتا ہے۔ پیارے عمران تم سیدھے جنت میں کیوں نہیں چلے جاتے!“

"یہی حال رہا تو جانا ہی پڑے گا۔!"(21)

علی عمران کے کئی روپ ہیں، وہ ایک احمق شہزادے "پرنس آف ڈھمپ" کے روپ میں نظر آتا ہے تو کبھی نواب تہور علی صندوقچی بن جاتا ہے۔ کبھی وہ ایک خبطی اور نفسیاتی نوجوان دکھائی دیتا ہے تو کبھی نقاب لگا کر ایکس ٹو کے روپ میں سامنے آجاتا ہے۔ وہ بہترین اداکار ہے۔ وہ روپ بدلنے کا ماہر ہے۔ وہ دوسروں کے لہجوں اور آوازوں کی نقالی کر لیتا ہے۔ وہ سرکس کے کچھ کرتب بھی جانتا ہے۔ ایک بین الاقوامی مجرم سنگ ہی سے وہ پستول کی گولی سے بچنے کا ہنر بھی سیکھ لیتا ہے جو کہ اس کی حیرت انگیز قوتِ مشاہدہ اور استعدادِ کار کی دلیل ہے۔ وہ دانش کے موتی، حماقت کی پھلجھڑیاں، علم کے جلوے اور ذہانت کے کرشمے ایک ساتھ بکھیرتا ہے۔ زندگی اور موت کی کشمکش کے دوران میں وہ قولِ مضحک اور خیال معکوس پیش کر کے دشمنوں کو چکرا کر رکھ دیتا ہے۔ وہ جرم کی تحقیق میں فلسفیانہ استدلال اور منطقی تجزیے کے دوران شعر و ادب کے حوالے پیش کرتا ہے اور عین لڑائی کے وقت اسے کنفیوشس کے اقوال یاد آجاتے ہیں۔

اقوالِ مضحک کے سلسلے میں علی عمران مقبولِ عام گانوں کے بول، مشہور اشتہارات اور معاشرے میں رائج برانڈ وغیرہ کے حوالے گفتگو میں استعمال کرتا ہے۔یعنی سائنس، ادب اور فلسفے کے علاوہ معاشرے میں متعارف فلمی یا اشتہاری حوالے بھی اس کی گفتگو کا حصہ بن گئے، مبالغے اور قولِ محال کا استعمال دیکھیے:

سیسرو (ایک مجرم کردار) خاموش کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا، غالباً بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"کنفیوشس نے کہا تھا۔" عمران اسے آنکھ مار کر مسکرایا اور تھوڑے توقف کے ساتھ کہا: "مگر کنفیوشس نے غلط کہا تھا، اس کے برعکس مدھو بالا نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ لکس ٹائیلٹ صابن کی ایک ٹکیہ چبانے سے فلم اسٹاروں کی رنگت نکھر آتی ہے۔"(22)

عمران کے مکالموں میں احمقانہ نوعیت کی فلسفیانہ موشگافیاں گل کھلاتی رہتی ہیں۔ اس کی شگفتہ گفتگو میں قولِ مضحک کا استعمال بکثرت ہے۔ وہ چینی مفکر کنفیوشس کے طبع زاد اور من گھڑت اقوال اکثر و بیشتر دہراتا رہتا ہے۔ تاہم زیادہ تر ان اقوال کو پیش کرنے کا بنیادی مقصد مخاطب کو زِچ کرنا، کسی کی توجہ کو منتشر کرنا، خیال ہٹانا اور بھید کو چھپانا ہوتا ہے۔ اس کی گفتگو سے حماقت کے پردے میں پوشیدہ ذہانت کا اظہار

ہوتا ہے جس کی وجہ سے عمران کو ایک جھکی، سنکی یا نفسیاتی مسئلے سے دوچار ذہین شخص سمجھا جاتا ہے لیکن یہ سب عمران کی ملمع کاری یا اس کے پیشے اور فریضے کی مجبوری ہے۔ اقوالِ مضحک گفتگو کے تناظر میں بے محل محسوس نہیں ہوتے۔ یعنی کلام کی معنویت اور بلاغت قائم رہتی ہے۔ اس کے شگفتہ جملے موقع محل کے لحاظ سے برمحل، برجستہ، سبک اور کسی مزاحیہ غزل کی طرح گھڑے ہوئے اور خاص سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ مکالمے کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ عمران ادب کے ساتھ ساتھ فلسفے کی جانب متوجہ دکھائی دیتا ہے:

"کنفیوشس نے کہا تھا کہ جب آدمی پاگل ہو کر کتوں کو کاٹنے دوڑے تو فوراً ہی اس کی شادی کروا دینی چاہیے۔!"

"یہ کیا بات ہوئی۔۔۔!"

"پتہ نہیں کنفیوشس نے کہا ہے تو کوئی نہ کوئی بات ضرور ہو گی۔!"(23)

عمران کے مزاح میں ادب کی چاشنی اور فلسفیانہ گہرائی بیک وقت پائی جاتی ہیں۔ وہ بیک وقت ایک تیر سے دو شکار کرتا ہے۔ اس کے مزاح میں صرف جملے کی خوبصورتی کا لطف ہی نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے ساتھ سماجی رجحانات پر طنز بھی موجود ہوتا ہے جو کہ اس کی عمیق سوچ اور گہری فلسفیانہ حس کی نشان دہی کرتا ہے۔

"شاہ بناکاٹا یعنی اس کے باپ سے بھینس کے دودھ پر اس کا تنازع ہو گیا تھا، لہذا وہ بناکاٹا سے نکل کھڑا ہوا۔"

"بھینس کے دودھ پر تنازع۔!" جولیا نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔۔۔ جوزف کا خیال تھا کہ بھینس کا دودھ کاسرِ نفاخ ہے اور شاہ بناکاٹا کا ارشاد تھا کہ نہیں، کاسرِ ریاح ہوتا ہے۔۔۔ یہ جھگڑا اس قدر بڑھا کہ جوزف نے گھر بار چھوڑ دیا!"(24)

اقوالِ مضحک کے ذیل میں علی عمران کی ذہانت و فطانت اور شگفتگی کا نیا لطف حکیمی نسخوں اور طبی اصطلاحات کے ذکر سے پیدا ہوتا ہے۔ گفتگو کا یہ پہلو عوامی رنگ بھی لیے ہوئے ہے کیوں کہ معاشرے میں ہونے والی بات چیت میں بیماریوں اور ان کے اسباب و علاج کے سلسلے میں مختلف نظریات بکثرت استعمال

ہوتے ہیں۔ عوامی رنگ میں گفتگو عمران کی شگفتہ کلامی کا اہم سبب ہے۔ علی عمران کی شگفتہ کلامی اس کی مقبولیت بڑی وجہ ہے۔

حیات و ممات کے سلسلے اور زندگی کی مختلف الجھنوں کے بارے میں اس کے خیالات سادہ اور واضح ہیں۔ وہ عصرِ حاضر کی حد سے بڑھی ہوئی تعقل پسندی، تجربیت، بے لگام آزاد خیالی، مادیت پسندی اور دولت کی دوڑ جیسے تصورات اور اعمال کو قابلِ اعتنا خیال نہیں کرتا۔ وہ ماضی کے غم یا مستقبل کی فکروں سے آزاد ہے۔ وہ صرف اپنے فرائض کی تکمیل کو ہی لائقِ توجہ سمجھتا ہے۔ مادر پدر آزاد جدیدیت کو اس کی قدامت پسند روح قبول نہیں کرتی۔ عادات و مزاج کے اعتبار سے علی عمران قلندرانہ اوصاف کا مالک ہے۔ اس کی طبیعت میں ذاتی انا، بے جا تکلفات اور رکھ رکھاؤ کا شائبہ تک نہیں، وہ مقصد کے حصول کے لیے کسی بھی نوعیت کی کسرِ نفسی سے گریز نہیں کرتا، اسے اپنی شان یا آن سے کوئی غرض نہیں، وہ خلوص کا پیکر ہے اور عقل و ذہانت کا مجسمہ ہے لیکن اس کا اظہار وہ زبان سے نہیں عمل سے کرتا ہے۔ اسے دعوے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کی روح سادگی، عزم، انکساری اور ایثار سے متصف ہے۔

علی عمران گو دیکھنے میں احمق اور سادہ مزاج ہے لیکن وہ دانش مند بھی ہے۔ وہ زندگی کے حوالے سے کچھ خاص تصورات بھی رکھتا ہے۔ وہ بلا حدو قیود طاقت کے حصول اور استعمال کو پاگل پن سمجھتا ہے۔ لہٰذا ردعمل میں وہ انسانی عقل کی انتہا حماقت کو قرار دیتا ہے جس کا اعتراف کیے بغیر انسان کو عرفانِ ذات میسر نہیں ہو سکتا۔ انسانوں کی درندگی، قانون شکنی اور فلسفیانہ گمراہی کے ادراک اور زندگی کی مشکلات سے دوچار انسانوں کے احساس نے علی عمران کو ایک مغموم روح میں بدل ڈالا ہے۔ اس بے چین اور مضطرب روح کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپانے کے لیے عمران کبھی احمقانہ حرکات و سکنات کرتا ہے اور کبھی سنجیدگی کا نقاب اوڑھ کر سنگ دل اور بے حس معلوم ہونے لگتا ہے۔ علی عمران کے ساتھ رہنے والے دوست ہوں یا دشمن وہ اس کے قدردان ہیں، کیوں کہ اس کی روح سے پھوٹنے والی نیکی اور خلوص کی روشنی دوسروں تک پہنچ ہی جاتی ہے۔ وہ قہقہے لگاتا ہے اور بڑے سے بڑے معاملے کو ہنسی میں اڑا دیتا ہے لیکن وہ کبھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ گہرائی سے سوچنا جانتا ہے لیکن صرف جرم کی تحقیق و تفتیش ہی اسے سنجیدہ کرتی ہے۔ زندگی کے عام معاملات کے متعلق اس کا نظریہ یہ ہے کہ آدمی زیادہ سنجیدہ ہو کر کیا کرے جب کہ اسے معلوم ہے کہ ایک دن اسے مر جانا ہے۔

ابنِ صفی نے اس کردار میں بیک وقت کئی متضاد صفات کو اس خوبی کے ساتھ سمو دیا ہے کہ گونا گوں صلاحیتوں کے باوجود وہ کوئی دیومالائی کردار نہیں لگتا بلکہ متعدد انسانی مسائل سے دوچار ایک حقیقی اور جیتی جاگتی شخصیت محسوس ہوتا ہے۔ وہ ایک ایسی شخصیت کی نمائندگی کرتا ہے جو حقیقی زندگی سے تعلق رکھنے والے کئی انسانوں، کئی دماغوں اور کئی روحوں کا مجموعہ ہے۔ جس میں بہت سے عبقری لوگوں کی صفات موجود ہیں۔ حقیقی دنیا میں تو علی عمران جیسی متضاد صفات رکھنے والا کوئی فرد نہیں ملتا لیکن بہت سے لوگوں میں علی عمران کی مختلف جھلکیاں ضرور تلاش کی جاسکتی ہیں۔

ب۔ اشتیاق احمد کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا تعارف و تجزیہ:

اشتیاق احمد نے بچوں کے لیے جاسوسی ادب لکھا۔ اس لیے ان کے مرکزی کرداروں کی اکثریت بچوں پر مشتمل ہے۔ ناول کی ضرورت اور بچوں کی زندگی میں مہم جوئی کو اجاگر کرنے کے لیے انھوں نے بالغ کرداروں اور گھریلو ماحول کو بھی پیش کیا کیوں کہ گھر اور بڑوں کے بغیر بچوں کی زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے اہم ترین کردار کا نام انسپکٹر جمشید ہے۔

1۔ انسپکٹر جمشید کا تعارف و تجزیہ

انسپکٹر جمشید، اشتیاق احمد کے ناولوں کا مرکزی کردار ہے۔ بنیادی طور پر یہ کردار آٹھ سے تیرہ برس کے بچوں کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔ یہ پاکستان کے روایتی ماحول میں والد کے اعلی ترین رویے کو اجاگر کرتا ایک کردار ہے جو گھریلو اور پیشہ ورانہ ذمہ داریوں، وطن پرستی اور مذہب پسندی، سماجی اور دوستانہ تعلقات اور محکمہ جاتی سیاست، انتظامی مخالفتوں اور ملک دشمن عناصر کی دشمنیوں کو ایک ساتھ نبھا رہا ہے۔ تعلقات میں وہ سب کے ساتھ انصاف سے کام لیتا ہے۔ اس کردار کے قدیم گھریلو پسِ منظر کے متعلق واضح معلومات نہیں ملتیں، نہ ہی اس کے والدین و دیگر اعزہ کے متعلق کوئی تذکرہ ہوا ہے۔ بیوی، بچوں کے ساتھ اس کا رویہ مثالی ہے۔ ان کے درمیان کبھی اختلاف نہیں ہوا۔

شخصیت کے اعتبار سے انسپکٹر جمشید ایک بہادر، دیانت دار اور رحم دل شخص ہے۔ اس کی فرض شناسی اور نکتہ رسی معروف ہے۔ انسپکٹر جمشید ایک ایسا کردار ہے جو انتہائی مخلص ہونے کی وجہ سے ملک و ملت کی خاطر ہر قسم کی قربانی دے سکتا ہے۔ یہ پر خطر مہمات میں پر سکون رہتا ہے اور موت کے منہ میں مسکرانے کا ہنر جانتا ہے۔ یہ صبر و شکر کے ساتھ تکالیف، مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ ملک و قوم کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہے اور معاشرے سے جرائم کا خاتمہ چاہتا ہے۔ یہ کردار دوستوں کا دوست ہے اور ان کی خاطر ہر قسم کی تکلیف ہنس کھیل کر گوارا کرلیتا ہے۔

انسپکٹر جمشید قانون کا ایسا محافظ کردار ہے جو نہ صرف محبِ وطن، فرض شناس اور نظریاتی اعتبار سے قوم پرست، وطن پرست اور مذہبی اقدار و روایات پر یقین رکھتا ہے بلکہ وہ پیشہ ورانہ مہارتوں کے لحاظ سے بھی مثالی صلاحیتوں کا حامل ہے۔ یہ کردار قدیم و جدید فنونِ حرب، نشانہ بازی، حبسِ دم، پستول کی گولی سے خود کو

بچانے کے فن اور آواز اور روپ بدلنے میں مہارت رکھتا ہے۔ یہ ذہنی اور جسمانی لڑائی میں طاق ہے اور بے خطا نشانے کا مالک ہے۔ جسمانی لڑائی میں اس کا خاص داؤ کھڑی ہتھیلی کا وار ہے ۔ یہ پستول کی گولی سے بچ جاتا ہے اور بیک وقت کئی افراد سے لڑ سکتا ہے ۔ انسپکٹر جمشید سماج اور سرکاری اداروں میں پائی جانے والی مروج خرابیوں، رشوت، سفارش اور اقربا پروری سے کوسوں دور ہے۔ ملک و قوم سے اس کی محبت اور فرض شناسی کا اعتراف اس کی مخالفین اور دشمن بھی کرتے ہیں۔ اس کی اعلی خدمات اور کارناموں کی وجہ سے صدر مملکت اس کی نہایت قدر کرتے ہیں اور اہم مہمات اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔ صدرِ مملکت نے اس کردار کی خدمات کو دیکھتے ہوئے اسے ایک خصوصی اجازت نامہ دے رکھا ہے جس کی رو سے یہ کردار خفیہ پولیس کا انسپکٹر ہونے کے باوجود ملک بھر میں کسی بھی جرم کی تفتیش میں شریک ہو سکتا ہے اور کسی بھی سرکاری یا نجی ملکیت کا جائزہ لے سکتا ہے۔ اس کردار کی خدمات کا دائرہ مقامی نوعیت کے جرائم کی تفتیش سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی سطح کی سازشوں کے انسداد تک پھیلا ہوا ہے۔

انسپکٹر جمشید کا کردار قانون کے ایسے محافظ کا ہے جو ایک روایتی محبِ وطن ریاستی اہلکار ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی بھی ہے۔ بعد ازاں وہ وطن سے زیادہ اپنے مذہب سے محبت کرنے لگتا ہے اور وطن اور ریاست سے اس کا تعلق دین و مذہب کے اصول و نظریات کے تابع ہو جاتا ہے ۔ اس خاص تناظر میں وہ ریاست اور حکومت کی ان پالیسیوں سے اتفاق نہیں کرتا جو کہ لبرل ازم، آزاد خیالی اور نظریاتی اعتبار سے دین کے مطابق نہیں ہوتیں۔ ابتدائی ناولوں کے برعکس یہ کردار جوں جوں آگے بڑھتا ہے بنیاد پرست اور دین و مذہب کا شیدائی ہوتا جاتا ہے اور صرف ریاست کے جغرافیائی وجود اور معاشرے کی حفاظت کے فریضے تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ مختلف سرگرمیوں اور واقعات پر نظریات، عقائد اور مذہب کی بنیاد پر گہری نگاہ رکھتا ہے اور جس سماجی، سیاسی یا ریاستی سطح کی سرگرمی کو اپنے دین کے خلاف تصور کرتا ہے، اسے روکنے کے لیے قدم اٹھالیتا ہے۔ بالآخر اس کی حساسیت کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں سرکاری نوکری کی بھی پروا نہیں کرتا۔

کسی بھی معاملے کی تحقیق و تفتیش میں انسپکٹر جمشید کا اصول یہ ہے کہ کیس سے تعلق رکھنے والے کسی بھی فرد کو شک سے مبرا نہ سمجھا جائے خواہ اس کے جرم میں ملوث ہونے کے امکانات کتنے بعید ہی کیوں نہ ہوں۔ سینکڑوں مقدمات اور واقعات کی تفتیش میں انسپکٹر جمشید کا یہی اصول رہا ہے کہ وہ کسی بھی فرد کو شک،

تلاشی اور سوال وجواب کی ضرورت سے مستثنیٰ نہیں سمجھتا۔بظاہر یہ اصول تجربیت سے ماخوذ ہے۔ تجربیت کا نظریہ اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ زندگی اور اس سے وابستہ ہر شے کو شک کی نظروں سے دیکھا جائے۔ سراغ رسانی میں شک کی اہمیت ہے لیکن قیافہ شناسی یا وواقعات کی کڑیوں کو جوڑ کر کسی نتیجے تک رسائی کے بغیر وہم وگمان یا وجدان کی بنا پر کیا گیا شک سراغ رسانی میں اہمیت نہیں رکھتا۔مثال کے طور پر قتل جیسے جرائم کے اسباب میں اس شخص کو خاص طور پر نظر میں رکھا جاتا ہے جسے مقتول کی موت سے کوئی معتد بہ فائدہ پہنچ سکتا ہو۔انسپکٹر جمشید کی سراغ رسانی کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیافہ شناسی اور جزئیات کے ذریعے اصل مجرم تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔جرم وسزا سے وابستہ کہانیوں میں جرم کی وجہ کو متعین کرنا ضروری ہوتا ہے کیوں کہ کہانیوں میں سنسنی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب جرم موجود ہو لیکن مجرم کا سراغ نہ مل رہا ہو۔ چالاک مجرم قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے کوئی معمولی سا سراغ بھی نہیں چھوڑتا۔ مجرم کو قانون کی گرفت میں لانے کے لیے ایسا ثبوت درکار ہوتا ہے جو کہ عدالت کے نزدیک قابلِ تسلیم ہو،ایسے ثبوت کی تلاش میں سراغ رساں کو بڑی تگ ودو کرنی پڑتی ہے لیکن انسپکٹر جمشید کا کمال ہے کہ وہ مشکل ترین کیس کو بھی چند ہی دنوں میں حل کرلیتا ہے۔ وہ قیافہ شناسی ،مشکوک افراد کی خفیہ نگرانی،چوری چھپے اس کے گھر یا کارخانے وغیرہ میں داخل ہو کر ثبوت تلاش کر لینے میں ماہر ہے۔ایسے کاموں کے لیے وہ اپنے بچوں کی مدد بھی حاصل کرتا ہے۔

جزرسی اور قوتِ مشاہدہ کو بروئے کار لا کر مجرم تک رسائی سے ایک روایتی سراغ رساں کی صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔انسپکٹر جمشید کی ابتدائی کہانیوں میں اس کی سراغ رسانی کی یہ صلاحیتیں بار بار سامنے آتی ہیں۔

ناول "حاتم کا باپ" سلیمان حمید نامی شخص کی تجوری سے چوری کے متعلق ہے۔اس ناول میں چور انتہائی چالاکی سے نقدی لے اڑتا ہے۔کمرہ گرد آلود ہوتا ہے لیکن کوئی نشان موجود نہیں ہوتا۔ حیرت انگیز طور پر تجوری کے قریب ہی صرف ایک جوتے کا نشان پایا جاتا ہے۔انسپکٹر جمشید اپنی سراغ رسانی کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جزئیات کی مدد سے اور کڑیوں کو جوڑ کر نہ صرف اصلی چور کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے بلکہ اس کے طریقہ واردات کو بھی جان لیتا ہے۔اور اس بات سے پردہ اٹھاتا ہے کہ کمرہ میں تجوری

کے مالک سلیمان کے جوتوں کے نشانات کے ساتھ چور کے ایک جوتے کا نشان کیسے پایا گیا اور چور نے تجوری میں سے رقم کا صفایا کیسے کیا۔

> ”سیٹھ حمید کے مرنے کے بعد سے اس کمرے کی صفائی نہیں کی گئی تھی۔ چور نے اپنا پاؤں واپس کھینچ لیا۔ کیونکہ اس کے جوتوں کے نشانات اسے پکڑوا سکتے تھے۔ اب اس نے جوتے اتار دیے۔ نیچے وہ جرابیں پہنے ہوئے تھا۔ اس نے جرابوں والے پاؤں سلیمان کے پاؤں کے نشان پر پنجوں کے بل رکھے اور اسی طرح نشانات پر پنجے ٹکاتا ہوا تجوری کے پاس پہنچا۔ تجوری کھولی۔ بیگ میں ساری دولت منتقل کی اور اسی طرح پنجوں کے بل چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔“(25)

ناول ”خودکشی کی دعوت“ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ایک تہہ خانے میں پھنس جاتے ہیں۔ وہاں تو ایسی گیس کا اخراج ہوتا ہے جس سے انھیں سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ ہوش میں آنے کے بعد ان کے جسم مفلوج ہو جاتے ہیں۔ انسپکٹر جمشید پر اس گیس کا اثر کچھ خاص نہیں ہوتا کیونکہ بے ہوش ہونے سے قبل وہ اپنی ”حبس دم“ کی صلاحیت کو بروئے کار لاتے کافی دیر تک اپنی سانس روک لیتا ہے۔

> ”میری حالت تم لوگوں سے نسبتاً بہتر ہے۔ کیونکہ گرا تو بے شک تم سے پہلے تھا، لیکن گرتے ہی میں نے سانس روک لیا تھا اور جب تک ممکن ہوا، میں سانس روکے رہا۔ آخر مجھے سانس لینا پڑا۔ اسی طرح گیس کا اثر میرے جسم میں تم سے کم ہوا، لہذا میں کم از کم رینگ ضرور سکتا ہوں۔“(26)

ناول ”جنگل میں کارنامہ“ میں انسپکٹر جمشید کے بچے سیر و تفریح کے لیے پروگرام بناتے ہیں۔ اپنے والد کو منانے کے لیے وہ خان رحمان کے گھر جا کر ان سے درخواست کرتے ہیں۔ انسپکٹر جمشد اپنی قوتِ مشاہدہ اور جزرسی کے ذریعے کڑی سے کڑی ملاتا اس پورے پروگرام کو سمجھ جاتا ہے کہ بچے خان رحمان کے گھر گئے تھے اور خان رحمان کے ساتھ مل کر انھوں نے یہ سارا پروگرام بنایا ہے۔ انسپکٹر جمشید کہتا ہے کہ میرے دریافت کرنے پر فاروق نے جھٹ سے کہہ دیا کہ جی ہاں، ہم نیشنل پارک سے آرہے ہیں حالانکہ اسے یہ

بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ دوسرا شک اس وقت ہوا جب خان رحمان نے آکر دروازے کی گھنٹی بجائی اور فرزانہ دروازے کی طرف دوڑی گئی، اس وقت میں نے محمود اور فاروق کے چہرے پر خوشی کی چمک دیکھی اور میں سمجھ گیا کہ اس وقت جو کوئی بھی آیا ہے اس کے آنے کی امید محمود اور فاروق کو پہلے سے تھی۔ یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے سب کی توجہ دلائی کہ وہ محمود کے کوٹ کی بائیں آستین کے کناروں کو دیکھیں۔

سب نے بغور آستین کو دیکھا۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"یہ دیکھو۔ کناروں پر آسمانی رنگ لگا ہوا ہے۔ یہ ضرور دروازے کی گھنٹی بجاتے وقت اس جگہ لگ گیا ہے، ورنہ محمود اتنا بے احتیاط نہیں کہ دیوار کے ساتھ رگڑ کھا کر چلتا۔ اور چونکہ بائیں آستین پر رنگ لگا، اس لیے میں نے کہا تھا کہ اس نے گھنٹی بائیں ہاتھ سے بجائی تھی۔"(27)

مجرموں پر ہاتھ ڈالنے اور انھیں اپنے منصوبوں سے باز رکھنے میں انسپکٹر جمشید کے جوش و جذبہ کے ساتھ ان کی سراغ رسانی و دیگر مہارتوں کا بھی دخل ہوتا ہے۔ ناول "فائل کا اغوا" میں انسپکٹر جمشید کا مقابلہ ایک ایسے روبوٹ سے کروایا جاتا ہے جو اسلحہ لیے ہوئے ہوتا ہے۔ انسپکٹر جمشید خالی ہاتھ اس کی گولیوں سے خود کو بچاتا ہے اور موقع پاتے ہی اسے زمین پر پٹخ کر تباہ کر دیتا ہے۔

"اوکے۔۔۔۔ چلو ابرام۔۔۔۔ آج انسپکٹر جمشید کو اپنی فائرنگ دکھا دو۔"

ان الفاظ کے ساتھ روبوٹ کے ہاتھ میں گن نظر آئی۔ اس کا رخ انسپکٹر جمشید کی طرف ہو گیا۔ اور اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالتی محسوس ہوئی۔ باقی ساتھی پہلے ہی ایک طرف ہو گئے تھے ورنہ وہ بھی فائرنگ کی زد میں آسکتے تھے۔ پھر جو نہی ٹریگر دبا، انسپکٹر جمشید لڑھک گئے اور لڑھک کر کافی دور چلے گئے، ساتھ ہی روبوٹ نے اپنا رخ بدل لیا اور اس سمت میں بھی گولیوں کی بوچھاڑ ماری۔ لیکن اس سے پہلے ہی انسپکٹر جمشید ایک بار پھر لڑھک چکے تھے۔ نہ صرف لڑھک چکے تھے بلکہ اس کے پیچھے آچکے تھے۔ انھوں نے اس کی کمر پر آتے ہی بلا کی رفتار سے جھک کر اسے دونوں ہاتھ پر اٹھا لیا اور سر سے

بلند کرتے ہوئے زمین پر پوری قوت سے پٹخ دیا۔ آن کی آن میں اس میں سے چنگاریاں
نکلیں اور اسے آگ لگ گئی۔(28)

ناول "کمرہ نمبر420" میں مجرموں کا گروہ زیر زمین ٹھکانے بناتا ہے۔ وہاں سرکاری افسروں کو اغوا کر کے لایا جاتا ہے اور انجکشن کے ذریعے انھیں یوں بے ہوش کیا جاتا ہے کہ ان کا دماغ جاگ رہا ہو۔ پھر انہیں ہپناٹائز کر کے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔انسپکٹر جمشید پر بھی مجرم یہی طریقہ کار آزماتے ہیں لیکن انسپکٹر جمشید مضبوط قوت ارادی کے ذریعے ان کے قابو میں نہیں آتا۔

"آنکھوں کی طاقت سے سلانے میں دیر لگتی تھی۔ اس لیے تم نے یہ ٹیکہ ایجاد کیا۔ اس ٹیکے کے لگتے ہی دوسرا آدمی گہری نیند سو جاتا ہے لیکن اس کا ذہن جاگتا رہتا ہے۔ تم جاگتے ہوئے ذہن کو جو بھی حکم دیتے ہو وہ شخص ہوش میں آنے کے بعد وہی کرتا ہے۔ میرے ساتھیوں اور میرے ساتھ بھی تم نے یہی کیا۔ لیکن تم جانتے تھے کہ جس آدمی کی ارادے کی طاقت بہت مضبوط ہو، اس پر مسمریزم بہت مشکل سے کیا جا سکتا ہے۔ اس سے تم خوفزدہ تھے کہ کہیں مجھ پر قابو نہ پا سکو۔"(29)

ریاست نے بہترین کارکردگی اور اعلیٰ خدمات کے پیشِ نظر انسپکٹر جمشید کو ایک خفیہ فورس کی تشکیل کا اختیار بھی دیا ہے گویا انسپکٹر ہوتے ہوئے وہ ایک خفیہ ایجنسی کا سربراہ بھی ہے، اس ایجنسی کے ممبران اپنی شناخت ظاہر نہیں کرتے، یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید کے قریبی کردار بھی انھیں چہرے اور نام سے نہیں جانتے۔ راوی (اشتیاق احمد) نے بھی اس فورس کے اہل کاروں کی شناخت ظاہر نہیں کی۔ اس فورس کے اہلکار صرف انسپکٹر جمشید کے حکم کے پابند رہتے ہیں۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ انسپکٹر جمشید ایک چھوٹے درجے کا سرکاری افسر ہونے کے باوجود ایک منظم فورس کا چیف بھی ہے۔ چیف ہونے کی وجہ سے اس کا سرکاری عہدہ انسپکٹر سے بلند ہونا چاہیے لیکن یہ تضاد اس کردار میں کسی نامعلوم وجہ سے برقرار رکھا گیا ہے۔ ریاستی امور کی بعض اہم دستاویز، معاہدوں کی نقول اور بیرونِ ملک کام کرنے والے جاسوسوں کی تفصیلات تک انسپکٹر جمشید کے سپرد کی جاتی ہیں اور صدرِ مملکت اہم ترین دستاویز انسپکٹر جمشید کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں جس سے انسپکٹر جمشید پر ریاست کے بے پناہ اعتماد کا اظہار تو ہوتا ہے لیکن اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ریاست ایک چھوٹے درجے کے سرکاری افسر پر کسی ادارے سے زیادہ انحصار کر رہی ہے۔

انسپکٹر جمشید سماج میں قانون کی بالادستی پر یقین رکھتا ہے لیکن ملک کی اسٹیبلشمنٹ کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اس میں جمہوریت پسندی کی بجائے آمریت پسندی دکھائی دیتی ہے۔ وہ سیاسی نظریات کا ذکر محتاط انداز میں کرتا ہے البتہ اس کے مکالموں میں جابجا مذہب پسندی دکھائی دیتی ہے۔ متعدد مواقع پر وہ ریاست کا اہلکار کم اور ایک مبلغ یا داعی زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کی کئی مہمات بنیادی طور پر مذہبی حوالوں سے عبارت ہیں۔ ایک مہم "غار کا کنواں" میں انسپکٹر جمشید کا کردار ایک مذہبی و مسلکی مناظر کا روپ اختیار کر لیتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے مذہب اور مسلک کا اچھی طرح مطالعہ کر رکھا ہے۔

"وادی مرجان" نامی مہم میں اس کا واسطہ ایک ایسے مذہبی گروہ سے پڑتا ہے جو اپنے اثر و رسوخ کے بل پر ایک شہر پر غیر اعلانیہ حکمرانی کر رہا ہے۔ اس فرقے سے تصادم کے دوران رونما ہونے والے واقعات پر جب انسپکٹر جمشید غور کرتا ہے تو اسے ملک اور سماج کا تحفظ دین و مذہب کی تعلیمات پر عمل میں پوشیدہ دکھائی دیتا ہے، نتیجے میں وہ سماج کے لیے مذہب کے پیش کردہ اصولوں اور پابندیوں کا نہ صرف قائل ہو جاتا ہے بلکہ وہ مذہب کو نقصان پہنچانے والوں کو ہی وطن کا سب سے بڑا دشمن سمجھنے لگتا ہے۔ اسی بنا پر وہ بعض مہمات میں دین و مذہب کے ایسے دشمنوں کو ماورائے قانون خاموشی سے ٹھکانے لگا دیتا ہے جو اس کے خیال میں وطن اور سماج کے لیے ناسور تھے۔ انسپکٹر جمشید ان کے لیے علاج بالمثل کے اصول پر عمل کرتا ہے۔ علاج بالمثل کی ایک اور صورت ناول "باطل قیامت" میں پیش آتی ہے۔ ایک نقلی مسیح موعود کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لیے انسپکٹر جمشید خود بھی "مسیحِ موعود" کا روپ دھار کر ٹیکنالوجی کی مدد سے بادلوں کے درمیان سے اسی طرح اترتا دکھائی دیتا ہے جیسا کہ مسیحِ موعود کے متعلق مذہبی کتب میں لکھا گیا ہے۔ اس مہم میں انسپکٹر جمشید ایک ایسا کردار ادا کرتا ہے جو اردو کے جاسوسی ادب میں کسی ہیرو کردار نے پیش نہیں کیا۔ ایک مہم کے دوران وہ حق کو ثابت کرنے کے لیے ایک ایسے غار تک پہنچ جاتا ہے جہاں سینکڑوں برس قبل محفوظ کردہ ایک مقدس کتاب موجود ہے جس میں آخری نبی اور آخری دین کے بارے میں پیش گوئی موجود ہے۔ انسپکٹر جمشید اور اس کی ٹیم مل کر یہ مہم اس لیے انجام دیتے ہیں تاکہ آخری سچے نبی اور ان کے لائے ہوئے دین کے بارے میں دنیا کو یقین دلا سکیں۔

نظریہ علاج بالمثل کو انسپکٹر جمشید نے سراغ رسانی کے پیشے میں بھی استعمال کیا ہے۔ اس کا واسطہ بعض ایسے مجرموں سے پڑا جو کہ طبی تحقیق کو انسانیت کے مشترکہ فائدے کے لیے استعمال کرنے کی بجائے

انسانیت کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ ”سورج کا خوف“ اور ”جنوں کا طوفان“ نامی ناولوں میں علاج بالمثل کے ذریعے جرم کے ارتکاب اور اسی نظریے کے تحت جرم کے خلاف انسپکٹر جمشید کی جدوجہد کو بیان کیا گیا ہے۔ طب کو جرائم کے لیے استعمال ہوتا دیکھ کر انسپکٹر جمشید بھی علاج بالمثل کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اس طریقۂ علاج کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد اس فن کو جرم کے انسداد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ناول ”جنوں کا طوفان“ میں انسپکٹر جمشید جرم کی تہہ تک پہنچنے کے لیے سراغ رسانی کے دوران طب سے متعلق اپنی معلومات کو بروئے کار لاتا ہے۔ وہ فنِ ہومیوپیتھی سے متعلق اپنی مہارت کے ذریعے بھی مجرموں کی سازشیں بے نقاب کرتا ہے۔

اس ناول میں مجرم ایک ایسی دوا مارکیٹ میں پھیلا دیتا ہے جو جسم میں داخل ہونے کے بعد متاثرہ شخص پر ماروائی قسم کے اثرات مرتب کرتی ہے اور دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مریض کو جن چمٹ گیا ہو۔ مجرم عامل بن کر مریض کے لواحقین سے بھاری معاوضہ طلب کرتا ہے اور چپکے سے دوا کے اثر کو زائل کر کے مریض کو تندرست کر دیتا ہے۔ یوں معصوم لوگوں کو بے وقوف بنا کر وہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹتا ہے لیکن انسپکٹر جمشید سراغ رسانی اور طب کی اس مخصوص شاخ سے متعلق معلومات رکھنے کی بدولت جرم کو بھانپ لیتا ہے اور مجرم کو گرفتار کر لیتا ہے۔

> ”ان کے ہاتھ ایک دوا لگ گئی۔ اس دوا کو جب انھوں نے ایک بندر پر آزمایا تو اس پر جنوں کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور بالکل ایسی حرکات کرنے لگا جیسی وہ لوگ کرتے ہیں۔ جن پر جن آجانے کا شبہ کیا جاتا ہے۔“
>
> ”ایک بات رہ گئی۔ آخر یہ لوگ اس دوا کا اثر کس طرح زائل کرتے تھے۔“
>
> ”اس دوا کی ایک ننھی سے خوراک سے۔ یہ طریقہ ہومیوپیتھک میں کام میں لایا جائے گا۔ دوا انجکشن کے ذریعے جسم میں داخل کی جاتی تھی۔ ہم نے ننھا سا زخم کا نشان ایک بچے کے بازو پر دیکھا تھا نا۔“(30)

علاج بالمثل کی تکنیک کو متعدد مواقع پر استعمال کرنے سے انسپکٹر جمشید کی غور و فکر کی صلاحیت ظاہر ہوتی ہے۔

انسپکٹر جمشید ذاتی دشمن بنانے کا قائل نہیں، وہ خود پر حملہ کرنے والوں کو معاف کر دینے کا عادی ہے لیکن ملک وملت اور دین و مذہب کے دشمنوں کو وہ کوئی رعایت نہیں دیتا۔ اس کے بعض دشمن اس کی صفات کے قائل ہیں اور وہ حتی الامکان اس کے ساتھ مراسم بھی بڑھانا چاہتے ہیں لیکن انسپکٹر جمشید اس کا قائل نہیں، جیرال اور سی مون ایسے دشمن ہیں جو کہ انسپکٹر اور اس کے بچوں اور ساتھیوں کو اپنے ممالک میں زندہ لے جانے کے خواہش مند ہیں لیکن ان مجرموں کو ہمیشہ ناکامی ہوئی۔ جیرال، سی مون، جی موف، کالی آنکھ، سلاٹر، لی کاف، ابظال، رے راٹا، بگران اور اناشا جیسے بہت سے مافوق الفطرت صلاحیتوں کے حامل کردار انسپکٹر جمشید کے مقابلے میں آتے رہے لیکن چند ایک مہمات کے علاوہ انھیں کبھی کامیابی نہیں ہوئی۔ ان کرداروں میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کہ انسانی صفات سے بالاتر دکھائی دیتے ہیں، مثلاً ابظال کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا، رے راٹا کار کی رفتار سے دوڑتا تھا، لی کاف کسی کو ناخن بھی مار دے تو وہ پانی بن جاتا تھا، بیگران اپنا چہرہ اور آواز کسی بھی شخص کے مطابق ڈھال لینے کی فطری صلاحیت رکھتا تھا اور اناشا حیرت انگیز طور پر نہ صرف چہرے کو بدل لیتا تھا بلکہ وہ انٹیلی جنس ذہانت کا استعمال کرتے ہوئے اپنے دشمنوں کے ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کا ادراک کر کے مستقبل کے حوالے سے بالکل درست پیش گوئی کرنے پر قادر تھا۔ ان کے علاوہ بہت سے دین و مذہب کے دشمن جنھوں نے طاقت ور مجرموں اور گروہوں کے ساتھ مل کر خطرناک منصوبے بنائے، انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھیوں نے ان سب کا مقابلہ کیا اور انھیں شکست دے دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انسپکٹر جمشید اور اس کے بچے اور دوست بھی مافوق الفطرت کردار ہیں لیکن کسی بھی ناول میں ان کی ماورائے طبیعت صلاحیتوں کا اس طرح اظہار نہیں ہوا۔ اپنی ان کامیابیوں کو یہ کردار خالقِ کائنات کے فضل و کرم ہی سے تعبیر کرتے ہیں اور انسپکٹر جمشید کا بھی یہی کہنا ہے کہ انھیں اللہ ہی کامیابی عطا کرتا ہے۔

انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے اشتیاق احمد کے کرداروں میں سب سے اہم ہیں۔ انہی کی وجہ سے اشتیاق احمد کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ انسپکٹر جمشید کے کردار کے متعلق ماہنامہ کرن کرن روشنی و گلبل کے چیف ایڈیٹر علی عمران ممتاز لکھتے ہیں:

> انسپکٹر جمشید کا کردار بہت اہم رہا ہے فاروق فرزانہ اور محمود کی جاسوسی کی حس ہی ناول کی کامیابی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔جاسوسی ناول نگاری میں

مخصوص کردار اس ناول کی بنیادی ضرورت ہوتے ہیں اگر کردار مستقل ہوں تو بطور ہیرو بچوں کے لیے رول ماڈل بن جاتے ہیں۔(31)

2۔ محمود، فاروق، فرزانہ کا تعارف و تجزیہ

محمود انسپکٹر جمشید کا بڑا بیٹا ہے، جو مہم جو طبیعت رکھتا ہے۔ دراصل محمود کا کردار ایک ایسے لڑکے کا ہے جو اپنے والد کے جذبۂ عمل سے بہت متاثر ہے۔ وہ عملی کاموں میں دوسروں سے آگے رہنا پسند کرتا ہے۔ یہ ایک طاقت ور، باہمت اور جفاکش لڑکا ہے جو زبانی باتوں سے زیادہ ہاتھوں، پیروں کے استعمال پر یقین رکھتا ہے۔ یہ کردار بچوں کو عملیت پسندی کی راہ دکھاتا ہے۔ کسی جرم یا ظلم کو دیکھتے ہی اس کردار کی عملیت پسندی متحرک ہو جاتی ہے۔ اس پر کام کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور جوش و جذبے اور کچھ کر دکھانے کی دھن میں یہ لڑکا بے دھڑک خطرے میں کود پڑتا ہے۔ لڑائی بھڑائی میں طاق ہونے کے باجود یہ لڑکا اخلاق و کردار کے لحاظ سے سلجھا ہوا ہے اور اپنے والدین کا تابع فرمان ہے۔ اس کی بہادری اور جرات مندی فرماں برداری کے دائرے میں رہتی ہے۔ یہ کردار بنیادی طور پر بچوں کو اس بات کا سبق دیتا ہے کہ وہ اپنی بہادری، قوت، ہمت اور طاقت کو ملک و قوم کے مفاد کے لیے بروئے کار لانا سیکھیں۔

محمود کا کردار سنجیدگی، جوشِ عمل اور بہادری میں والد کا عکس ہے۔ اس میں ایک بڑے بھائی کا احساسِ ذمہ داری موجود ہے۔ وہ اپنے دونوں بھائی، بہن سے الجھتا بھی ہے اور ضرورت پڑنے پر ان کا بھرپور ساتھ بھی دیتا ہے۔ مہم جو طبیعت کی وجہ سے کسی بھی خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ متعدد کہانیوں کا آغاز محمود کی اسی مہم جو طبیعت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ لڑائی بھڑائی میں طاق ہے اور ڈرے بغیر دشمن کے مقابلے پر ڈٹ جاتا ہے۔ اس کے دائیں جوتے کی ایڑی میں ایک چاقو موجود رہتا ہے جو کہ کسی ایسی دھات سے تیار شدہ ہے جو ہر قسم کے لوہے سے زیادہ مضبوط ہے۔ یہ بہادر، قدرے غصیلا، نڈر اور جذباتی بھی ہے۔ اس میں ایک سرغ رساں کی بہ نسبت ایک کھلاڑی اور ایک جنگجو کی صفات زیادہ ہیں۔

گھر میں کسی مہمان کی آمد پر دروازہ کھولنا، مہمان کا استقبال کرنا اور ڈرائنگ روم میں اسے بٹھانا محمود کی ذمہ داری ہے جو کہ گھر میں اس کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے، اسی طرح گھر میں ٹیلی فون سننا بھی اسی کے ذمہ

ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں اسکول سے نکلنے کے بعد چھوٹی بہن فرزانہ کو اس کے اسکول سے وصول کرنا بھی محمود کی ذمہ داریوں میں دکھایا جاتا ہے۔

فاروق کا کردار ایک ایسے نٹ کھٹ اور شریر لڑکے کا ہے جو اپنی باتوں سے دوسروں کو زچ کر دینے میں ماہر ہے لیکن والد کی تربیت کی وجہ سے اس کی طبیعت ایک خاص حد سے زیادہ دوسروں کو ستانے اور چڑانے پر آمادہ نہیں ہوتی، چرب زبان ہونے کے علاوہ اس کردار میں کوئی کمزوری نہیں۔ یہ درختوں، دیواروں، پائپ کے ذریعے بلند و بالا چھتوں پر تیز رفتاری سے چڑھ جاتا ہے جس سے اس کی قوت، پھرتی اور اعصاب کی مضبوطی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی زندہ دلی اور شرارتیں خطرات کے موقع پر بھی جاری رہتی ہیں۔ یہ کردار موت کے منہ میں بھی اپنے دشمنوں پر الفاظ کا وار کرنے سے باز نہیں آتا، تاہم اس کی گفتگو ادبی یا فلسفیانہ دائرے کی بجائے الفاظ کی ٹوٹ پھوٹ، سبقتِ لسانی یا زبان پھسلنے کے مظاہر اور محاوروں کے بے جا استعمال اور بے تکے سوالات سے آگے نہیں بڑھ پاتی۔ یہ لفظوں کے خلافِ قیاس استعمال اور فقرہ بازی سے گفتگو میں مزاح کا رنگ پیدا کرتا ہے لیکن مزاح میں گہرائی نہیں ہوتی، بنیادی طور پر یہ ایک ایسے چلبلے اور شوخ مزاج لڑکے کا کردار ہے جسے ہر وقت نت نئی شرارتیں سوجھتی ہیں اور اس کے لیے زیادہ دیر تک خاموش رہنا نہایت دشوار ہوتا ہے۔ لہذا حالات جیسے بھی ہوں، یہ لڑکا ہنسی مذاق کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ یہ لڑکا شرارتوں میں دلچسپی لینے کی وجہ سے مہم جوئی کے کاموں اور ذمہ داریوں سے کتراتا ہے لیکن موقع پڑنے پر کم ہمت اور بزدل ثابت نہیں ہوتا بلکہ مشکل حالات میں اس کی شگفتگی اور جملے بازی ماحول کی سنجیدگی کو کم کر دیتی ہے البتہ بسا اوقات اس کی شرارتوں سے لوگ جھنجھلا جاتے ہیں۔

فاروق منجھلا ہونے کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ اہم کام اپنے بڑے بھائی محمود سے کروانا چاہتا ہے جبکہ چھوٹے موٹے کاموں کے لیے وہ فرزانہ کی طرف دیکھتا ہے۔ اس کا خاص وصف اس کی شوخی، شرارتیں اور ٹھنڈا دماغ ہے۔ وہ کسی بھی حال میں جملہ بازی اور شوخی سے باز نہیں رہتا۔ اس کی جیبوں میں عجیب و غریب چیزیں موجود رہتی ہیں جو کہ مہمات میں کبھی کبھی کارآمد بھی ثابت ہوتی ہیں۔

فرزانہ ایک ایسی نوعمر لڑکی کا کردار ہے جو ذہانت، فطانت، جسمانی پھرتی اور بروقت فیصلے کی صلاحیت کی وجہ سے لڑکوں کو بھی مات کرتی ہے۔ یہ انسپکٹر جمشید کی بیٹی ہے جو اپنے دونوں بھائیوں سے عمر میں چھوٹی ہے لیکن ان کے ساتھ ہر مہم میں شریک رہتی ہے۔ یہ کردار ایک ایسی لڑکی کو ظاہر کرتا ہے جو والد کی تربیت

اور پے در پے مہمات میں شریک ہونے کی وجہ سے ایک اچھی سراغ رساں بن چکی ہے اور اس کا ذہن مشکل حالات کا مقابلہ کرنے اور نت نئی ترکیبیں سوچنے کا گویا کارخانہ ہے جو ہنگامی صورتِ حال میں تیزی سے کام کرنے لگتا ہے۔ فرزانہ کی خاص صفت اس کی حیرت انگیز قوتِ سماعت ہے جو عام طور پر ایسی آوازوں کو بھی بھانپ لیتی ہے جو عام انسانی سماعت کی گرفت میں نہیں آتیں۔ اس کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ اپنی حساس طبیعت کی وجہ سے خطرے کو ماورائی انداز میں محسوس کرلیتی ہے۔ اس کی چھٹی حس اسے خطرے سے بروقت آگاہ کردیتی ہے اور وہ ردعمل کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ حساس طبیعت کے باوجود یہ لڑکی بہادری میں کسی سے کم نہیں ہے اور مجرموں کے ساتھ لڑائی میں اپنے بھائیوں کا بھرپور ساتھ دیتی ہے۔ انھی صفات کی وجہ سے فرزانہ ہر اہم مہم میں شریک ہوتی ہے اور وہ اپنی ذہانت کی وجہ سے بسااوقات کارکردگی میں بڑوں سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ فرزانہ کو مثالی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ایک طرف تو مذہب پسند کردار کے طور پر سامنے آتی ہے تو دوسری جانب پیشہ ورانہ مہارت میں بھی یہ کسی سے کم نہیں۔ ایک طرف تو فرزانہ ہائی سکول کی طالبہ ہے تو دوسری جانب مجرموں کے ساتھ جسمانی لڑائی کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

یہ دونوں بھائیوں سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے بظاہر والد کی زیادہ لاڈلی ہے۔ دونوں بھائیوں کا رعب کبھی قبول نہیں کرتی۔ مہمات میں اس کا خاص کام مشکل صورتِ حال سے نکلنے کے لیے ترکیبیں بتانا ہے۔ فنِ سراغ رسانی میں یہ اپنے بھائیوں سے آگے ہے اور درست اندازہ لگانے میں اپنے والد کا عکس ہے۔ یہ نہایت چالاک لڑکی ہے جو اپنا دفاع کرنا اور موقع سے فائدہ اٹھانے کا فن جانتی ہے۔ دشمنوں کے گھیرے میں عام طور پر اپنی پتلی دبلی جسامت کا فائدہ اٹھاکر چھپ جانا اور اپنے ساتھیوں کو دشمن پر وار کا موقع فراہم کردینا اس کا خاص وصف ہے۔

محمود، فاروق، فرزانہ تینوں بہن، بھائی ہیں جو کہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔ یہ تینوں بچے برِصغیر کے روایتی گھریلو ماحول کی نمائندگی کرتے ہیں، یہ متوسط خاندانوں کے بچوں جیسا مزاج، مشرقی اقدار کے مطابق گھریلو رہن سہن اور پاکستانی تہذیب کا حامل رویہ رکھتے ہیں۔ ناولوں میں ان بچوں کی باہمی گفتگو ان کے چلبلے، شوخ اور مشرقی بہن بھائیوں جیسے باہمی تعلق کو ظاہر کرتی ہے جو کہ ایک ساتھ رہتے ہوئے آپس میں الجھتے بھی ہیں۔ باہم مقابلے کی صورتِ حال بھی پیدا ہوتی ہے اور گہری قلبی محبت کے تعلق کا اظہار بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ تینوں باتوں میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ناول کا ٹیمپو،

منظر، سچویشن اور پلاٹ خواہ کچھ بھی ہو، پیش کیے جانے والا منظر کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو، ان تینوں کرداروں کی باتیں آورد اور آمد کی کیفیت کو ظاہر کرتے ہوئے جاری رہتی ہیں۔ محاوروں اور ضرب الامثال کے بکثرت استعمال کی وجہ سے ان کی گفتگو میں مخصوص ادبی رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ معصومانہ شوخیوں اور بچپنے کی بے تکلفیوں کے ساتھ ساتھ ان تینوں کرداروں میں بالغوں کی مانند احساسِ ذمہ داری، ملک و قوم کے حوالے سے گہری سنجیدگی اور انسانوں کے لیے شعوری حساسیت پائی جاتی ہے۔ ان اوصاف کے ساتھ ساتھ یہ بچے ہاتھوں، پیروں کی لڑائی میں مہارت رکھتے ہیں اور بلا کے بہادر اور ذہین ہونے کی وجہ سے یہ اچھے خاصے مجرموں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ ان کی تربیت ظاہر کرتی ہے کہ ان بچوں کو مارشل آرٹ سکھایا گیا ہے لیکن ناولوں میں پیش کردہ لڑائی کے مناظر میں کہیں یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ یہ بچے مارشل آرٹ کا کون سا داؤ یا کون سی تکنیک استعمال کر رہے ہیں۔ لڑائی بھڑائی کے فن میں طاق ہونے کے باوجود یہ بچے امن پسند ہیں اور کسی کو بے جا تنگ نہیں کرتے۔ یہ مختلف اقسام کا اسلحہ بھی استعمال کر لیتے ہیں اور خود کو پستول کی گولی سے بھی بچا لیتے ہیں۔ ان بچوں کے پاس کھلونا نما ہتھیار بھی ہیں جو انھیں پروفیسر داؤد نے بنا کر دیے ہیں، متعدد معرکوں میں یہ کھلونا ہتھیار ان کے کام آتے ہیں۔ کھلونا ہتھیاروں کے علاوہ یہ بچے جدید ایجادات میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور مختلف معرکوں میں سراغ رسانی کی صلاحیتوں کا استعمال بھی کرتے ہیں۔

ناول "ان کے کارنامے" چھ کارناموں کا مجموعہ ہے۔ اس ناول میں محمود، فاروق اور فرزانہ کے ان کارناموں کا ذکر ہے جو انھوں نے اپنے تئیں اپنے والد یا کسی اور کی معاونت کے بغیر انجام دیئے۔ اس سے ان کی سراغ رسائی کے شوق اور صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسرے کارنامے میں تینوں بچے ایک مشہور مجرم کو پکڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ مجرم اپنے ریکارڈ کی فائل اڑانے کا منصوبہ بنا کے آتا ہے۔

> دوسرے دن کے اخبارات میں یہ واقعہ پہلے صفحے پر شائع ہوا۔ اس دفعہ محمود اور فاروق کے ساتھ فرزانہ کی بھی خوب تعریف کی گئی۔ شام کے وقت ڈی آئی جی صاحب ان کے گھر آئے تو انسپکٹر جمشید نے انھیں ساری کہانی تفصیل سے سنائی۔ ڈی آئی جی صاحب نے کہا:
>
> "بھئی بہت خوب! واقعی آپ کے بچے بہت ہونہار ہیں۔ یہ ضرور اپنے وطن کا نام روشن کریں گے۔ میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"(32)

ناول ''ژابنائے مہم'' میں محمود، فاروق اور فرزانہ کی عمروں کے حوالے سے اشارہ ملتا ہے۔ ایک اجنبی ان کے گھر آ کر خود کو انسپکٹر جمشید کا دیرینہ تعلق دار بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ بیس برس قبل وہ یونیورسٹی میں انسپکٹر جمشید کا ملازم تھا۔ اس کے جواب میں بچے حیرت سے کہتے ہیں کہ وہ واقعی بہت پرانی بات ہے کیونکہ اس وقت تو ہم پیدا ہی نہیں ہوتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں بچوں کی عمر بیس سال سے کم ہے۔

''میں انسپکٹر صاحب کا کسی زمانے میں ملازم تھا، اس وقت میرا نام بونانٹ تھا۔ اس وقت وہ بیرونی ملک کی ایک یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ یہ باتیں ہیں آج سے بیس سال پرانی۔''

''اوہ! اس کا مطلب ہے۔ ہم تو اس وقت پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔'' فاروق بولا۔(33)

ناول ''پارسل میں بم'' میں مجرموں کا تعاقب کرتے اور سراغ رسانی کرتے فاروق فرانزک کا سائنسی اصول بتاتا ہے۔ تفتیش کے دوران (تیمور) ایک مجرم کے ذریعے سرغنہ کو پکڑنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن موقع پر وہ مجرم گولی مار کر قتل کر دیا جاتا ہے۔ فاروق کہتا ہے کہ پستول کی یہ گولی مجرم کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہے۔

''جب کسی پستول سے گولی چلائی جاتی ہے تو اس پر کچھ نشانات پڑ جاتے ہیں۔ پستول سے چلائی جانے والی گولی پر دوسری گولیوں سے مختلف نشانات پڑتے ہیں۔ ایک پستول سے چلنے والی گولی کے نشانات کبھی کسی دوسرے پستول سے چلنے والی گولی کے نشانات سے نہیں ملتے۔ اب اگر ہمیں قاتل کا پتا چل جائے اور ہم اس کا پستول حاصل کر کے اس سے ایک گولی چلائیں تو اس گولی کے نشانات تیمور کن کٹے کے جسم سے ملنے والی گولی کے نشانات کے عین مطابق ہوں گے اور اس طرح جرم ثابت ہو جاتا ہے۔'' فاروق نے بتایا۔(34)

ناول ''پارسل میں بم'' میں انسپکٹر جمشید کے نام ایک پارسل آتا ہے۔ فرزانہ کے ہاتھ وہ پارسل لگتا ہے۔ وہ پارسل کو کانوں کے قریب لے جاتی ہے تو اسے پارسل میں سے ''ٹک ٹک'' کی آواز آنے لگی ہے۔

انسپکٹر جمشید سمیت وہاں موجود تمام افراد باری باری کوشش کرتے ہیں لیکن وہ پارسل سے آنے والی آواز نہیں سن پاتے۔ اس پارسل سے بعد میں بم برآمد ہوتا ہے۔

پروفیسر داؤد نے پارسل کو ایک مشین میں رکھا۔ اس مشین کے تار اسپیکر سے جوڑے اور بجلی کا بٹن دبا دیا۔ دوسرے ہی لمحے کمرے میں آواز گونجنے لگی۔

"ٹک ٹک!" وہ سب اس آواز کو سن کر چونک اٹھے۔

پروفیسر داؤد نے سوئچ آف کر کے پارسل مشین سے نکال لیا اور مسکرائے۔

"فرزانہ کے کان ہم سب سے تیز ہیں!"(35)

ناول "خودکشی کی دعوت" میں جرم کا سراغ لگاتے انسپکٹر جمشید اور ان کے تینوں بچے ایک تہہ خانے میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں ہوا میں آکسیجن نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ انھیں اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد بچوں کی آپس میں غیر ضروری گفتگو اور بحث ہونے لگتی ہے۔

"ارے یہ کون شریف آدمی ہے، جو جنت میں بھی مجھے مار رہا ہے۔ میں نے تو سنا تھا، جنت میں مومن کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہو گی۔۔۔"

فاروق نے گہری نیند کے عالم میں کہا۔

"تب تم جنت میں نہیں دوزخ میں ہو اور دوزخ کا داروغہ کا گرز ہو گا جو تمہاری خبر لے رہا ہے۔" فرزانہ منمنائی۔

"ہائیں، یہ تو میری بہن کی آواز ہے۔ اف، تو یہ بے چاری بھی میرے ساتھ دوزخ میں آ پھنسی۔ میں پہلے ہی کہا کرتا تھا، اپنے کانوں کو اتنا تیز نہ ہونے دو، دوسروں کی سن گن لینا اچھا نہیں، لیکن اس نے میری ایک نہ سنی۔ یہ کانوں کی وجہ سے دوزخ میں آئی اور میں زبان کی وجہ سے۔"(36)

ناول ”موت کا جزیرہ“ میں خطرناک بین الاقوامی مجرم جیرال محمود، فاروق اور فرزانہ کو اغوا کر کے لے جاتا ہے۔ تینوں بچے اپنی ذہانت اور سراغ رسانی کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے راستے میں شواہد و آثار چھوڑ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ انسپکٹر جمشید کے لیے کلیو چھوڑتے ہیں تاکہ اس کی مدد سے وہ ان تک اور جیرال پہنچ سکے۔

”تم نہیں جانتے۔“ انسپکٹر جمشید پہلی مرتبہ مسکرائے۔

”فاروق کی ایک عادت ہے۔ اپنے رومال میں تھوڑا سا پاؤڈر ضرور چھڑک کر رکھتا ہے۔ اس نے ضرور کسی بہانے سے رومال جیب سے نکالا ہو گا اور رومال یہاں جھٹک دیا ہو گا۔ اس سے کم از کم یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہاں وہ کسی کار یا جیب میں سوار ہو کر لے جائے گئے ہیں۔“

”مطلب یہ کہ اس کے بعد محمود نے چلتے چلتے اچانک ٹھوکر کھائی اور فرزانہ اسے سنبھالنے کے لیے آگے بڑھی۔ اور اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ لوگ اس طرف گئے ہیں۔“

”لڑکھرانے کے نشانات جو پاؤڈر کے ذرات کی وجہ سے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔“(37)

یہ بچے غیر معمولی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ حوالہ دیکھیے!

”جی بہت بہتر۔“ فاروق نے کہا اور پائپ کی طرف چل پڑا۔ باقی لوگ بھی اس کے پیچھے تھے۔ دوسرے ہی لمحے فاروق بندروں کی سی پھرتی اور جوش سے اوپر چڑھ رہا تھا۔(38)

یہ تینوں بہن، بھائی اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں، کسی ناول میں یہ مذکور نہیں کہ یہ کون سی جماعت کے بچے ہیں، لیکن فرزانہ اگر چھٹی جماعت میں بھی پڑھتی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عمر لگ بھگ گیارہ، بارہ برس ہونی چاہیے اور اسی تناسب سے فاروق کی عمر تیرہ برس اور محمود کی چودہ، یا پندرہ برس ہونی چاہیے۔

اتنی سی عمر کے بچے اپنے والد کے ساتھ مل کر سراغ رسانی کی مختلف مہمات میں شریک ہوتے ہیں اور نہ صرف ملک میں، بلکہ وہ بیرونِ ملک بھی اہم ترین مہمات میں اپنے والد کے ہمراہ سفر کرتے ہیں اور خطرات سے نبرد آزما ہوتے ہیں اور بین الاقوامی سطح کے معاملات میں وہ ملوث کیے جاتے ہیں جو کہ ظاہر ہے غیر منطقی دکھائی دیتا ہے۔ ان بچوں کو بھی صدرِ مملکت کی جانب سے خصوصی اجازت نامے جاری کیے گئے ہیں جن کی رو سے یہ بچے سراغ رسانی، سماجی جرائم کی بیخ کنی اور ملک دشمن عناصر کے خلاف کارروائی میں ریاستی اداروں کا ساتھ دینے کے اہل ہیں۔ اس تمام تر تناظر میں یہ بچے غیر معمولی کردار کہلائے جاسکتے ہیں۔

3۔ انسپکٹر کامران مرزا کا تعارف و تجزیہ

اشتیاق احمد کا یہ کردار اپنی صفات کے اعتبار سے انسپکٹر جمشید کا چربہ ہے۔ انفرادی حیثیت سے عام کہانیوں میں یہ کردار انہی اوصاف کا حامل دکھائی دیتا ہے جو انسپکٹر جمشید کے کردار میں موجود ہیں البتہ جن کہانیوں میں یہ دونوں کردار ایک ساتھ دکھائی دیتے ہیں وہاں صلاحیتوں اور فیصلہ سازی کے لحاظ سے انسپکٹر جمشید کے کردار کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کردار ایک خوش رو اور فرض شناس قانون کے محافظ کا ہے جو خاصا دولت مند ہونے کے باجود جرم کے مقابلے، قانون کے نفاذ اور معاشرے کی خدمت کے لیے پولیس کے محکمے میں انسپکٹر کے عہدے پر کام کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور سماج کی خدمت کو اپنے لیے اہم سمجھتا ہے۔ اس میں حب الوطنی کے ساتھ ساتھ خطرات کا مقابلہ کرنے اور سماج دشمن عناصر کا دوبدو مقابلہ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ کردار اپنے ایک بیٹے آفتاب اور اہلیہ شہناز بیگم کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کر رہا ہے۔

یہ کردار کشادہ دل، مہمان نواز، دوستی کو نبھانے والا اور روایت پسند انسان ہے۔ اس کردار کی ضرورت ملک کے مشرقی حصے کی نمائندگی کے تحت محسوس کی گئی جو کہ اب ملک سے جدا ہو چکا ہے۔ انسپکٹر کامران مرزا ایک محبِ وطن، فرض شناس اور نظریاتی اعتبار سے پختہ سوچ کا حامل قانون کا محافظ کردار ہے۔ یہ اقدار و روایات پر یقین رکھتا ہے اور اصولوں کی پیروی کرتا ہے۔ انسپکٹر جمشید کی مانند ہی یہ بھی ایک بہادر، دیانت دار، رحم دل، فرض شناس اور نکتہ رس سراغ رساں ہے۔ ملک و ملت کے ساتھ اس کی وابستگی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

کامران مرزا دوستوں کا دوست اور یاروں کا یار ہے، یہ بے جگر، بہادر اور ذہین شخص ہے۔ یہ اصولوں پر کاربند رہتا ہے اور ہر کام وقت پر انجام دینے کا عادی ہے۔ دولت مند ہونے کے باوجود اس کی زندگی بہت سادہ ہے۔ یہ گھریلو زندگی گزارنا پسند کرتا ہے۔ اس کا رویہ اپنے دوست کے بچوں کے ساتھ بھی شفقت و اپنائیت لیے ہوئے ہے۔ اس نے بچوں کی اچھی تربیت کی ہے۔ یہ بچوں کو اہم معرکوں اور مہمات میں ساتھ رکھتا ہے۔

انسپکٹر کامران مرزا زندہ دل اور بے خوف انسان ہے۔ دشمنوں کا سامنا کرتے وقت اس کے چہرے پر خوف و ہراس کا نشان تک نہیں ہوتا۔ ناول "یشوما اور سرخ تیر" میں دشمن اس کے گھر میں گھس کر اس پر پستولیں تان لیتے ہیں۔ اس موقع پر ان کے بے خوفی دیدنی ہوتی ہے۔

"خبردار! اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر ہمارے نزدیک آؤ۔"

"کیوں؟ اگر میں ہاتھ اوپر اٹھائے بغیر تمہارے نزدیک آگیا تو کیا تم پگھل جاؤ گے۔"
کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔ (39)

ناول "وادی دہشت" میں ملک کے خلاف سازش کرنے والے مجرم پر حملہ کرتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا قطعی بے خوف نظر آتا ہے لیکن نڈر ہونے کے باجود وہ احتیاط کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے۔

اچانک انسپکٹر کامران مرزا غیر محسوس طریقے سے آگے بڑھنے اور انہوں نے دونوں ہاتھوں میں ماسٹر جابان کی گردن دبوچ لی۔ یہ عمل اس طرح ہو کہ ایک ہلکی سی آہٹ بھی نہ ہو سکی۔ ماسٹر جابان کی آنکھوں میں پہلے حیرت کوندی، پھر خوف اُڈا اور آخر میں اس کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔ اس کی زبان منہ سے باہر نکل آئی، آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر کو ابل پڑیں۔ انسپکٹر کامران مرزا یوں دو منٹ تک اس کی گردن دبوچے رہے۔ یہاں تک کہ اس کا بدن بالکل ساکت ہو گیا۔ اب انھوں نے اس کی گردن کو چھوڑ دیا اور کرسی پر سیدھا بٹھا کر اس کا سر کرسی کی پشت سے لگا دیا۔ (40)

انسپکٹر کامران مرزا نچلی سطح کے جرائم کا سراغ لگا کر مجرموں کو گرفتار کرتا ہے وہ ایک عام سا انسان اور آزاد طبیعت کا حامل ہے۔ فارغ اوقات وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گزارتا ہے۔

انسپکٹر کامران مرزا دفتر سے گھر آتے تو منور علی خان انھیں لے کر بیٹھ جاتے۔ شطرنج کی بازی ایسی جمتی ہے کہ انھیں تن بدن اور کھانے پینے کا بھی ہوش نہ رہتا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ گھر کا ملازم فضلو ان کے کمرے میں داخل ہوتا اور انھیں اندھیرے میں شطرنج کی بساط پر بُت بنے پا کر بلب جلا دیتا تو وہ اس طرح چونک اٹھتے جیسے کسی ڈاکٹر نے ان کے بازو پر ٹیکا لگا دیا ہو۔ اس وقت کامران مرزا چلا کر کہتے: ”فضلو کے بچے! کس نے کہا تمھیں بتی جلانے کو؟ سارا مزا کرکرا کر دیا۔“(41)

ان کی ساکھ اور بے داغ کارکردگی کی وجہ سے حکومت نے انھیں خصوصی اجازت نامہ دے رکھا ہے جس کی رو سے یہ ملک کے کسی بھی حصے میں ہونے والے جرم کی تفتیش کر سکتا ہے۔ یہ بھی ایک فورس کا سربراہ ہے اور ریاست اس چھوٹے درجے کے اہلکار پر اس کی خدمات کی وجہ سے بے حد اعتماد و انحصار کرتی ہے۔ یہ کردار بھی وطن پرستی سے مذہب پرستی کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور انسپکٹر جمشید کے ساتھ مل کر ملک و قوم اور دین و وطن کے لیے بہت سی مہمات انجام دیتا ہے۔

بہادری، بے خوفی، جرات، فرض شناسی، اصولوں کی پیروی اور لڑائی بھڑائی کے فن میں مہارت جیسی صفات میں یہ کردار انسپکٹر جمشید کا عکس دکھائی دیتا ہے اور جملوں اور مکالموں تک بھی ایک کی شخصیت پر دوسرے کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کے فیصلوں کی بنیادیں بھی مماثل ہوتی ہیں اور دونوں کے مذہبی رجحانات بھی یکساں محسوس ہوتے ہیں۔ صفات میں یکسانیت کی وجہ سے انسپکٹر کامران مرزا کا کردار انسپکٹر جمشید کے مقابلے میں کمزور ہے کیوں کہ دونوں کرداروں کی صفات میں یکسانیت در آئی ہے۔ نفسیات، نظریات، رویے، عمل اور عادات کے لحاظ سے یہ کردار مثالی پسندی کرداروں کے زمرے میں آتا ہے۔

4۔ آصف، آفتاب اور فرحت کا تعارف و تجزیہ:

آصف، انسپکٹر کامران مرزا کے قریبی دوست سیٹھ یوسف کا بیٹا ہے جو کہ کاروبار کے سلسلے میں بیرونِ ملک دوروں پر رہتے ہیں۔ اپنے بیٹے کو نوکروں اور ملازموں کے حوالے کرنے کی بجائے تعلیم و تربیت اور نگہداشت کے لیے اس نے آصف کو انسپکٹر کامران مرزا کے سپرد کر دیا ہے۔ آصف، کامران مرزا کے بیٹے آفتاب کا گہرا دوست ہے اور دونوں سگے بھائیوں کی طرح ہی ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ کامران مرزا بھی دونوں بچوں کے ساتھ برتاؤ اور سلوک میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا اور ایک ہی رویہ اختیار کرتا ہے۔

آصف عملیت پسند، جنگجو طبیعت اور باتونی لڑکا بھی ہے لیکن باتوں سے زیادہ کام پر یقین رکھتا ہے۔ جوشیلا اور جذباتی یہ لڑکا مظلوم کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ لڑائی میں مہارت رکھتا ہے لیکن بد تمیز اور نالائق نہیں ہے۔ یہ ایک فرماں بردار اور بہادر لڑکے کا کردار ہے۔ یہ بچوں کو حب الوطنی کی تعلیم دیتا ہے۔ آصف کا کردار دراصل محمود ہی کا چربہ ہے۔

آفتاب انسپکٹر کامران مرزا کا اکلوتا بیٹا ہے جو کہ آصف کا گہرا دوست ہے۔ دونوں کردار ہمیشہ ساتھ ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔ یہ کامران مرزا کے گھر میں ایک ہی کمرے میں رہتے ہیں اور ایک ساتھ ہر مہم اور معرکے میں شریک رہتے ہیں۔ آفتاب شریر اور باتونی کردار ہے جو اپنی باتوں سے دوسروں کی ناک میں دم کر کے خوش ہوتا ہے۔ والد کی تربیت کی وجہ سے یہ بد تمیزی کی حد تک نہیں جاتا لیکن آصف اور دیگر کرداروں کے ساتھ اس کی نوک جھونک ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ یہ ہر حال میں ہنستا مسکراتا رہتا ہے یہ ہلکے پھلکے ادبی انداز میں مزاح کرتا ہے، یہ خاموش نہیں رہ سکتا، اسے شرارتیں اور سیر و تفریح پسند ہے اسی لیے یہ مہم جوئی سے کتراتا ہے لیکن موقع پڑنے پر کم ہمت بھی ثابت نہیں ہوتا اور مہم میں والد اور دوست کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ پھرتیلا، تیز و طرار اور مضبوط بدن ہے۔ یہ درختوں اور پائپوں پر بندر کی سی پھرتی سے چڑھ جاتا ہے۔ یہ کردار دراصل فاروق کا چربہ ہے۔

فرحت ایک ایسی لڑکی کا کردار ہے جس کی والدہ فوت ہو چکی ہے، والد مشہور و معروف شکاری ہے اور وہ اپنے شوق اور پیشے کی وجہ سے اکثر و بیشتر دنیا کے مختلف جنگلات میں رہتا ہے۔ اس لیے وہ اپنی لڑکی کو اپنے دوست انسپکٹر کامران مرزا کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ لڑکی کامران مرزا کے گھر میں اس کے بیٹے آفتاب اور اس کے دوست آصف کے ساتھ مل جل کر رہتی ہے۔ اس کے والد منور علی خان کبھی کبھار اسے گھر بھی لے جاتے ہیں لیکن زیادہ تر وقت وہ کامران مرزا کے گھر میں ہی گزارتی ہے۔

فرحت تیزی و طراری اور ذہانت و بہادری میں لڑکوں سے کم نہیں ہے۔ وہ کامران مرزا کے ساتھ سراغ رسانی کے کئی کیسوں میں شریک رہنے کی وجہ سے خود بھی سراغ رسان بن چکی ہے اور اس کا ذہن پیچیدہ و مشکل حالات سے نکلنے کے لیے ترکیبیں بتانے کا کارخانہ ہے۔ اس کی سماعت بھی بہت تیز ہے اور وہ حساس ہونے کی وجہ سے خطرے کو قبل از وقت بھانپ بھی لیتی ہے۔ یہ ہر مہم میں بہادری کے ساتھ شریک ہوتی ہے اور کسی بھی موقع پر خوف کا شکار نہیں ہوتی۔ فرحت کا کردار دراصل فرزانہ کا چربہ ہے۔

آصف، آفتاب اور فرحت غیر معمولی بچے ہیں جو کہ غیر معمولی حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اگر آصف اور فرحت کو اپنے والدین کا گھر اور والدہ کا پیار نصیب نہیں اور وہ ایک انکل اور آنٹی کے ساتھ رہ کر زندگی کے مسائل، مہم جوئی اور خطرات کا سامنا کر رہے ہیں تو آفتاب بھی اپنے گھر میں رہتے ہوئے ان دوستوں کے ساتھ کو خندہ پیشانی، خوش دلی اور وسعتِ ظرفی کے ساتھ نبھا رہا ہے۔ اسے کسی بھی حوالے سے ان دونوں ساتھیوں پر کوئی اضافی اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ اس کے والد کامران مرزا آفتاب کے مقابلے میں آصف اور فرحت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، نہ آصف اسے غیر معمولی ترجیح دیتا ہے اور نہ ہی فرحت اسے کسی احساسِ برتری کا کوئی موقع فراہم کرتی ہے بلکہ یہ تینوں آپس میں کسی تکلف، استحقاق اور تحفظ کے احساس کے بغیر اپنائیت کے ساتھ وقت گزارتے ہیں جو کہ عملی طور پر ایک مشکل کام ہے۔

یہ تینوں کردار محمود، فاروق، فرزانہ کے ساتھ صفات، طرزِ گفتگو، مکالموں، مزاج، رویے اور عادات میں مماثلت رکھتے ہیں، ان کی زندگی بھی مہمات کے ساتھ بسر ہو رہی ہے، فرحت کی ملاقات انہی مہمات کے دوران میں اپنے والد منور علی خان کے ساتھ ہوتی رہتی ہے لیکن آصف اپنے والد کے ساتھ بہت کم مل پاتا ہے۔ یہ تینوں بچے بھی اسکول میں پڑھتے ہیں اس لیے ان کے کارنامے ان کی عمروں سے بہت بڑے ہیں جو کہ ایک مثالی صورتِ حال ہونے کے علاوہ منطقی لحاظ سے غیر حقیقی ہے۔ سالہاسال گزرنے کے باوجود ان کی عمروں میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اشتیاق احمد کے نزدیک یہ کردار اپنی عمر کے لحاظ سے ابھی بڑے نہیں ہوئے اور یہ جو کارنامے انجام دیتے ہیں اس میں عموماً ایک یا دو ہی دن صرف ہوتے ہیں۔ سیکھنے کے اعتبار سے بھی یہ بچے غیر معمولی ہیں۔ یہ ہر بات سمجھ جاتے ہیں اور ہر کام سیکھ لیتے ہیں۔ ان میں جنسیت کی جانب میلان دکھائی نہیں دیتا۔ کسی ناول یا کہانی میں ان کے مابین جنسی نوعیت کی کوئی بات، اشارے کنایے میں بھی نہیں سامنے آتی اور نہ ہی رومانویت کا کوئی شائبہ ملتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بچے نوجوانی کے مسائل، تقاضوں اور نازک معاملات سے دور ہیں تاہم مختلف مہمات میں یہ بچے انسپکٹر کامران مرزا کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیتے ہیں اور اس وقت یہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ٹین ایج گروپ سے ہیں۔ اس عمر کے بچوں کو بعض فطری جذبات و احساسات سے دور نہیں رکھا جاسکتا لیکن کہانیوں اور مکالموں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انسپکٹر کامران مرزا نے ان کی تربیت پر خاص توجہ دی ہے اور انھیں قانون کے نفاذ، جرم کے خاتمے اور اس کے لیے تحقیق و تفتیش اور سراغ رسانی کے مزاج میں ڈھال لیا ہے۔ یہ بچے نہایت محبِ وطن ہیں اور دین و

مذہب کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ اس معنی میں ان کا شعور بالغ لوگوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

5۔ شوکی برادران اور رفعت کا تعارف و تجزیہ

شوکی برادران یعنی شوکی، آفتاب، اخلاق اور اشفاق محکمہ سراغ رسانی کے ریٹائرڈ انسپکٹر مشتاق احمد خان کے بچے ہیں۔ ان چاروں کو جاسوسی کے جراثیم ورثے میں ملے ہیں۔ کئی مواقع پر وہ اس کا عملی مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ جب مجرموں سے ان کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اپنی عقل استعمال کر کے دشمنوں کو پکڑوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ شوکی کے والد ریٹائرڈ ہیں۔ والد کے ریٹائرڈ ہونے کے بعد گھر کے اخراجات مشکل سے پورے ہوتے ہیں لیکن ان کے والدین انہیں تعلیم حاصل کرنے سے محروم نہیں کرنا چاہتے۔ بچوں سے والدین کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی اور وہ لڑکپن ہی میں گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالنے کی ٹھان لیتے ہیں۔

شوکی برادران عام سے بچے ہیں۔ مجرموں کا سامنا کرنے اور ان کے جرائم کا سراغ لگانے کے لیے ان کے پاس واحد ہتھیار ان کی ”عقل“ ہوتی ہے۔ وہ لڑائی بھڑائی میں مہارت نہیں رکھتے۔ دشمن کو سامنے پا کر ان کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگتے ہیں اور وہ تھر تھر کانپنے لگتے ہیں مگر مشکل صورت حال میں وہ بڑے بڑے معرکے سر کرتے ہیں۔ اس موقع پر وہ عقل مندی سے اپنا ڈر چھپاتے ہیں اور مخالف پر حاوی ہونے لگتے ہیں۔ ناول ”انڈونیشیا کا ہوا“ میں شوکی برادران کے گھر غیر ملکی مجرم آدھمکتا ہے۔ سچویشن ان کے لیے خاصی مشکل ثابت ہوئی ہے اور ان کے حلق سوکھ جاتے ہیں۔ شوکی برادران اپنا ڈر چھپانے کے لیے ادھر ادھر کی ہانکنے لگتے ہیں اور مخالف پر حاوی ہونے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

غیر ملکی مجرم ”جو فیانو“ شوکی برادران سے مخاطب ہوتا ہے:

> ”یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم مجھے نہیں جانتے۔ جو لوگ مجھے جانتے ہیں، میرا نام سن کر تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔“
>
> ”تب تو تم ہمیں اپنا نام ہرگز نہ بتانا“ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

”ہاں، کیوں کہ فی الحال ہمارا تھر تھر کانپنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ پہلے ہی تھر تھر کانپ چکے ہیں۔“ اشفاق تھر تھر کانپتے ہوئے بولا۔

”بالکل۔ زیادتی کسی بھی چیز کی ہو، بری ہوتی ہے۔“ اخلاق بھلا کب رکنے والا تھا۔(42)

شوکی ایسا کردار ہے جس کی مثال اردو کے جاسوسی ادب میں نہیں ملتی کیوں کہ یہ کردار اپنی کہانی خود سناتا ہے۔ یہ کردار اشتیاق احمد نے اپنے ہم زاد کے طور پر تشکیل دیا ہے۔ یہ ایک ایسے لڑکے کا کردار ہے جو کہ والد کی ریٹائرمنٹ، غربت اور تنگ دستی کے عالم میں ایک نجی جاسوسی ادارہ قائم کرتا ہے اور اپنے چھوٹے بھائیوں کو بھی شریک کر لیتا ہے۔ شوکی ایک ایسا لڑکا ہے جو نہایت ذہین، چالاک اور نکتہ رس ہے۔ مزاج کے اعتبار سے وہ شریف اور نیک طبیعت ہے۔ حب الوطنی اور سراغ رسانی کی صلاحیت اسے ورثے میں حاصل ہوئی ہے۔ شوکی کے والد ایک نیک نام ریٹائرڈ پولیس آفیسر ہیں جو دیانت داری اور فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے حوالے سے بڑی اچھی شہرت رکھتے تھے۔ شوکی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت صاف ستھرے کردار اور اجلی شخصیت کا حامل ہے۔ وہ زبان اور وعدے کا پکا ہے اور جھوٹ بالکل نہیں بولتا۔ وہ لوگوں کے معاملات حل کرنے کے لیے معاہدے سے زیادہ رقم لینے کا روادار نہیں ہوتا۔ شوکی ایک اصول پسند کردار ہے جو اپنے اصولوں پر سمجھوتے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہ کردار لڑائی بھڑائی کے فن سے نا آشنا ہے اور خطرے کے مواقع پر بظاہر یہ بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن اپنے بھائیوں سمیت یہ کردار خطرے کے منہ میں کودنے سے گریز بھی نہیں کرتا تاہم لڑائی کے موقع پر یہ کردار اپنے بھائیوں سمیت بچاؤ کی کوششوں میں نظر آتا ہے یا خاموشی سے مار کھا لیتا ہے اور زیادہ مزاحمت نہیں کرتا۔ اس کے باوجود وہ اپنی ذہانت سے صورتِ حال کو اپنے حق میں بدلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اخلاق، شوکی کا بھائی ہے، چاروں بھائیوں میں اس کا دوسرا نمبر ہے، یہ ایک سیدھا سادا خاموش طبع لڑکا ہے جو عملی طور پر بہت کم نمایاں ہوتا ہے۔ اس کی نمایاں صفت اس کی سیاہ رنگت ہے جس کی وجہ سے اسے کالے خان بھی کہا جاتا ہے۔ کہانیوں میں اس کا کردار بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ شوکی برادران میں تیسرا نمبر اشفاق کا ہے۔ یہ بھی ایک خاموش طبع کردار ہے۔ اس کا عرف ساقی ہے۔ اس کا خاص وصف اس کا قد ہے۔ یہ چاروں بھائیوں میں سب سے طویل قامت ہے۔ کہانیوں میں اس کا کردار عام طور پر لمبے قد کے کارآمد ہونے کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔ آفتاب ایک نہایت باتوتی، قدرے دولت پسند اور والدہ کے لاڈلے بچے کا

کردار ہے جو کہ شرارتوں میں کسی سے کم نہیں تاہم لڑائی بھڑائی اور مہم جوئی کے خطرناک مراحل میں یہ گھبرایا ہوا رہتا ہے۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے مہمانوں کے لیے چائے لانا اور ضرورت پڑنے پر مہمان یا کیس لانے والے کا تعاقب کرنا اور پیسوں کا حساب کتاب رکھنا اسی کی ذمہ داری ہے۔ صاف رنگت کی وجہ سے اس کردار کو مکھن کہا جاتا ہے۔ جب کسی مہم میں انسپکٹر کامران مرزا کا بیٹا آفتاب بھی موجود ہو تو شوکی برادرز کے آفتاب کو اس کے عرف یعنی مکھن کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

رفعت ایک کم عمر نسوانی کردار ہے جسے شوکی برادران کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ یہ کردار اپنی صفات اور صلاحیتوں کے لحاظ سے فرازنہ اور فرحت ہی کا چربہ ہے۔ شوکی برادران کے ساتھ اس کی شمولیت کہانی میں صرف نسوانی کردار کے اضافے کو ملحوظ رکھ کر ہی کی گئی ہے ورنہ شوکی سیریز کی کہانیوں میں اس کی واقعی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس کردار کے اضافے کی وجہ سے شوکی سیریز کے کرداروں اخلاق اور اشفاق کا کردار مزید کم اہم ہو گیا ہے۔ یہ ان چاروں کرداروں کی منہ بولی بہن ہے جو مشرقی روایات میں ایک قابلِ احترام تعلق شمار ہوتا ہے۔ ان پانچوں کرداروں میں لڑکپن اور بچپن ہے۔ ان بچوں کے والد مشتاق احمد خان ایک ریٹائرڈ سرکاری جاسوس ہیں۔ ان بچوں کو سراغ رسانی کا شوق ورثے میں ملا ہے۔ شوکی برادرز ، ہمدرد، غم گسار، حساس اور انسانیت کے جذبے سے بھرپور ہیں۔ والد کی ریٹائرمنٹ کے بعد گھریلو اخراجات چلانے کے لیے یہ باہم مشورے سے ایک جاسوسی ادارے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ ملک میں چونکہ نجی جاسوسی اداروں کی اجازت نہیں اس لیے انھیں دشواریاں پیش آتی ہیں خاص طور پر ایک پولیس افسر جلالی نور ان کا دشمن بن جاتا ہے لیکن ایک جج اور ایک وکیل ان کے مددگار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح انھیں مناسب فیس لے کر لوگوں کے مسائل حل کرنے اور مشکلات میں کام آنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ ایک پولیس افسر انسپکٹر کاشان بھی ان کا مددگار بن جاتا ہے اور جہاں بھی سرکاری دخل کی ضرورت پڑتی ہے انسپکٹر کاشان ان کی مدد کے لیے حاضر ہو جاتا ہے۔ انھیں دشمنوں سے مقابلے یا ان سے بچنے کے لیے بھی سرکاری مدد یا کسی بھی مددگار کی ضرورت پیش رہتی ہے کیوں کہ یہ بچے لڑائی بھڑائی کے کاموں میں اناڑی ہیں۔ یہ کسی سے لڑ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو مار سکتے ہیں بلکہ اپنے دفاع میں بھی کسی پر ہاتھ اٹھانا ان کے لیے مشکل کام ہوتا ہے۔ ان کی تمام ترکارکردگی ان کی ذہانت، محنت، ہمت اور ذاتی شوق و لگن پر مشتمل ہے۔ ان کے پاس نہ ہی ہتھیار ہیں اور نہ ہی حکومت کی جانب سے انھیں کوئی سرپرستی یا اختیار حاصل ہے۔ اس کے باوجود یہ قاتلوں اور چوروں تک

پہنچ جاتے ہیں اور بسا اوقات غیر ملکی جاسوسوں کو بھی گرفتار کروا دیتے ہیں۔ عقل، ذہانت، مشاہدے اور تجزیے کی صلاحیتوں کی وجہ سے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا ان کا خاص خیال رکھتے ہیں اور جب کسی مہم میں یہ تمام پارٹیاں یکجا ہو جاتی ہیں تو شوکی کی عقل و ذہانت سے سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان تمام صفات کے باوجود یہ بچے والدین کے فرماں بردار اور باادب ہیں اور والدہ کی ڈانٹ ڈپٹ سکون سے سن لیتے ہیں۔ دیگر کرداروں کی مانند یہ بچے بھی مذہبی حوالے سے "بنیاد پرست" ہیں اور عقیدے و نظریے پر کوئی سمجھوتا نہیں کرتے۔

اشتیاق احمد کے کرداروں کے تجزیے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ کرداروں کی نفسیاتی اور شخصی انفرادیت کو برقرار نہیں رکھ سکے لیکن انھیں بچوں کا ادیب سمجھ لیا جائے تو ان کی کردار نگاری میں موجود اس کمزوری کا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ اشتیاق احمد کے قارئین بھی اس بات کو سمجھتے تھے کہ وہ بچوں کے لیے لکھ رہے ہیں، ان کی انفرادیت یہی ہے کہ انھوں نے پورے گھرانے ہی کو سراغرساں بنادیا ہے۔ اشتیاق احمد کے ایک قاری محمد عاصم رضا لکھتے ہیں: "ایک پورے گھرانے کو ہی سراغرساں بنا دینا بلاشبہ اردو جاسوسی ادب میں منفرد اسلوب ہے۔" (43)

ج۔ مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کردار کا تعارف و تجزیہ:

1۔ علی عمران کا تعارف و تجزیہ

مظہر کلیم نے ابنِ صفی کے تخلیق کردہ کردار علی عمران کو ہی اپنا مرکزی کردار بنایا اور اسے اپنی طبع زاد صلاحیتوں، عصری تقاضوں اور جدید رجحانات کے اعتبار سے تراشا۔ ابنِ صفی کے کردار کو منتخب کرنے کی بنیادی وجہ دراصل اردو جاسوسی ناولوں کے شائقین میں علی عمران کی مقبولیت تھی۔ علی عمران کے سامنے کسی دوسرے کردار کی قبولیت کے امکانات بہت کم تھے نیز یہ کردار خود مظہر کلیم کو بھی بہت پسند تھا اسی لیے انھوں نے اسی کردار پر طبع آزمائی کی۔ البتہ انھوں نے علی عمران کی شخصیت اور مزاج میں کچھ ایسی تبدیلیاں کیں جن کی وجہ اس کردار کی ساخت ابنِ صفی کے کردار سے مختلف ہوگئی۔ اس کی شخصیت میں نفسیاتی اور رویہ جاتی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار پر ناول نگاری کا آغاز ایک دوست کے مشورے سے کیا تھا۔ ابنِ صفی بھی دوستوں کے مشورے کے بعد ہی اس میدان میں اترے تھے لیکن ان کے سامنے ایک مشن تھا۔ وہ اردو کو ایسا جاسوسی ادب فراہم کرنا چاہتے تھے جو کہ فحاشی سے پاک ہو اور وہ نوجوانوں کو ان کی اقدار سے دور کرنے کا سبب نہ بنے۔ مظہر کلیم نے عمران کے کردار کے ذریعے نوجوانوں کو مسلم نظریات کے ساتھ وابستہ رہنے، حب الوطنی اختیار کرنے، جرم سے دور رہنے اور عملی زندگی میں جدوجہد کرنے کا پیغام دیا۔ وہ خود لکھتے ہیں:

> ”آپ کو میرے پہلے ناول سے لے کر آج تک ساڑھے چھ سو سے زائد لکھے گئے ناولوں میں نہ ہی کوئی فحاشی ملے گی اور نہ ہی کوئی ایسی بات جس سے انسان گناہ گار ہوتا ہے۔ میرے ناولوں میں کردار کو بلند رکھنے کا غیر شعوری سبق ملتا ہے اور دلوں سے پیار اور محبت کے جذبات کے ساتھ ساتھ مسلسل محنت اور جدوجہد کا سبق ملتا ہے۔“(44)

مظہر کلیم نے علی عمران کی شخصیت میں جو تبدیلی کی اور اس کی وجہ جدت پسندی یا جدید دور کے تقاضے تھے۔ اردو جاسوسی ناول کی ابتدائی روایات کے مقابلے میں ان کے نزدیک جدت کے تقاضے کچھ اور تھے۔ مظہر کلیم کا علی عمران بنیادی طور پر نہایت ذہین، انتہائی بہادر، بے حد طاقت ور لیکن اس کے ساتھ

نخریلا، خود پسند، منچلا، شوخ، شرارتوں کا پتلا، جدیدیت کے رنگ میں رنگا ہوا اور کھلنڈرے مزاج کا حامل نوجوان ہے۔ علی عمران عام سے طرز گفتگو میں بات چیت کرتا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ مسلسل ہنسی مذاق کرتا رہتا ہے۔ سوائے کسی اہم موقع کے، وہ زیادہ تر غیر سنجیدہ گفتگو ہی کا عادی ہے۔ جس میں کبھی ظرافت، کبھی شوخی اور کبھی ابتذال بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مظہر کلیم کی کہانیوں میں علی عمران کی ہر وقت شوخی و شرارت سے لبریز، ظریفانہ اور مزاحیہ گفتگو پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی لاتعداد مثالیں دی جاسکتی ہیں کیوں کہ اس کا عمومی طرزِ گفتگو مزاحیہ ہوتا ہے۔ یہاں ایک مثال دی جاتی ہے:

"سلیمان اور سلیمان!"

عمران نے زوردار ہانک لگائی اور دوسرے ہی لمحے سلیمان کسی جن کی طرح دروازے پر نمودار ہو گیا۔

"کیا تم نے یہاں تیراکی سکھانے کا کوئی کلب کھول لیا ہے؟"

اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تیراکی سکھانے کا کوئی کلب" سلیمان نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ اسے عمران کی بات سمجھ میں نہ آئی تھی۔

"ادھر میرے پاس آؤ۔" عمران نے کہا اور سلیمان قدم بڑھاتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

"یہ دیکھو تمھاری ایک شاگرد۔ کس مزے سے تیراکی میں مصروف ہے۔ غضب خدا کا، تم نے کلب کھول لیا اور مجھے بتایا ہی نہیں۔ ساری فیسیں خود ہی ہضم کرتے رہے ہو۔" اس نے اچھل کر سلیمان کا کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے صاحب! میرا کان تو چھوڑیے، یہ کان ہے کوئی فیسیں جمع کرنے والا بینک تو نہیں۔" سلیمان نے کان چھڑانے کی جدوجہد کرتے ہوئے کہا۔

"ارے جاہل باورچی تمھیں آج تک کان کا مطلب ہی نہیں معلوم ہوا۔

اب سونے کی کان۔ چاندی کی کان۔ نمک کی کان اور ظاہر ہے کہ یہ فیسوں کی صورت میں بٹورے ہوئے روپے کی کان ہے۔ میں اسے کیسے چھوڑ دوں۔"(45)

مذکورہ مثال مظہر کلیم کے پچاسویں ناول سے لی گئی ہے۔ اس ناول میں علی عمران اپنے باورچی سلیمان کے ساتھ بے تکلف گفتگو کر رہا ہے۔ عام طور پر بگڑے ہوئے امیر زادے اپنے ذاتی ملازمین کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوتے۔ علی عمران کی بات چیت سے لگتا ہے کہ اس کی طبیعت میں بگاڑ کی وہ صورت موجود نہیں ہے جو کہ عام طور پر جاگیر دار طبقے سے تعلق رکھنے والے بڑے سرکاری افسران میں ہوتی ہے۔ ابنِ صفی کے کردار کی طرح یہ علی عمران بھی وہی گھریلو پسِ منظر رکھتا ہے جو کہ ابنِ صفی نے پیش کیا ہے۔ اس کے جاگیر دار والد انٹیلی جنس کے سربراہ ہیں اور وہ علی عمران کی حماقتوں سے تنگ ہیں۔ اس لیے انھوں نے اسے گھر سے نکال دیا گیا ہے اور وہ سوپر فیاض کے فلیٹ پر قابض ہے جہاں سلیمان اس کے ساتھ ہی رہتا ہے اور دونوں کے درمیان نوک جھونک چلتی رہتی ہے۔ علی عمران کے والد سر رحمان اور والدہ اماں بی اور بہن ثریا کے ساتھ تعلقات اسی نوعیت کے ہیں جیسا کہ ابنِ صفی نے پیش کیے ہیں۔

مظہر کلیم کا علی عمران انتہائی شاہ خرچ ہے۔ اس کے والدین بہت امیر وکبیر ہیں۔ عمران بہانے بنا کر والد یا والدہ سے رقوم حاصل کرتا رہتا ہے، یہ اور بات ہے کہ طبعی سخاوت کی وجہ سے یہ رقوم مستحق لوگوں کے کام آتی ہیں جبکہ والد سے ڈانٹ سننے کے علاوہ علی عمران والدہ سے جوتیاں بھی کھاتا رہتا ہے اور ان کی دعائیں بھی لیتا رہتا ہے۔ علی عمران غریبوں کے کام آتا ہے اور ان کی ہمیشہ کھل کر مدد کرتا ہے۔ غریبوں کے ساتھ تعاون، ان کی تکلیف کو دور کرنا، کمزوروں کا خیال رکھنا اور مظلوموں کی مدد کرنا علی عمران کے نمایاں اوصاف ہیں جو ہر کہانی میں دکھائی دیتے ہیں۔

"اماں جی یہ تھوڑی سی رقم ہے یہ رکھ لیں۔ جب ماسٹر جی صحت مند ہو جائیں تو میں ان سے کپڑے سلوا کر اسے کٹوا لوں گا۔ لیکن آپ نے ماسٹر جی کو نہیں بتلانا۔ وہ ناراض ہو جائیں گے۔"

عمران نے نوٹوں کی گڈی والا ہاتھ دروازے کے اندر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مم۔ مم۔ مگر بیٹے، یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔ یہ تو۔"

بوڑھی عورت کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ گڈی اس نے رکھ لی تھی۔

"زیادہ نہیں ہے۔ آپ یہ رکھ لیں اور خوب خرچ کریں۔ بس یہی سمجھیں کہ یہ رقم اکرم نے بھیجی ہے۔"

عمران نے کہا اور تیزی سے واپس مڑ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ ماسٹر جی ایک لاکھ روپے کی رقم دیکھ کر حیرت سے کئی منٹ تک بے حس و حرکت کھڑے رہیں گے۔ (46)

مظہر کلیم نے علی عمران کو اس قدر سخی دکھایا ہے کہ وہ حاتم طائی سے کم معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بھی اس کے کردار کا مثالی پن ہے کیوں کہ اس قدر دولت رکھنے کے باجود اس کے طرزِ زندگی سے یہ دولت نمایاں نہیں ہوتی۔ علی عمران کے کردار کا یہ نمایاں وصف ہے کہ وہ دولت کا حریص نہیں ہے۔ عمران کے اس کردار کی خوبی کا اعتراف اس کے دشمن بھی کرتے ہیں۔ ایک مشن میں اس نے کافرستان کے ایک سماج دشمن شخص شیام سنگھ کے خلاف کافرستان جا کر کارروائی کی اور اس سے ملنے والے دو سو کروڑ ڈالر کا چیک کافرستان کے صدر کے لیے چھوڑ دیا تو حریف ملک کے صدر اس کے کردار کے قائل ہو گئے۔

"عمران واقعی عظیم آدمی ہے۔ میں ہمیشہ یہی سمجھتا (سوچتا) تھا کہ آخر ہر بار کامیابی عمران ہی کے حصے میں کیوں آتی ہے لیکن مجھے اس کا کوئی جواب نہ ملتا تھا لیکن آج پہلی بار مجھے میری بات کا جواب ملا ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ جو شخص اصول کے مقابل اتنی بڑی رقم اس انداز میں ٹھکرا سکتا ہے اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ کیا خیال ہے۔" صدر نے کہا۔ (47)

مظہر کلیم کا علی عمران بھی سیکرٹ سروس کا خفیہ سربراہ ہے۔ سیکرٹ سروس کا سربراہ ایکس ٹو کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ابنِ صفی کی مانند مظہر کلیم نے بھی علی عمران کو دہری شخصیت دے رکھی ہے۔ اس نے اپنی شخصیت کو چھپانے کے لیے ایک ماتحت کو بلیک زیرو کے کوڈ نام کے ساتھ اپنی سیٹ پر بٹھا رکھا ہے۔ اس کے تعلقات ماتحتوں کے ساتھ زیادہ شوخ نوعیت کے ہیں۔ مظہر کلیم نے اس کے ماتحتوں میں جولیا، صفدر، تنویر، چوہان، نعمانی اور خاور کے ساتھ صدیقی، کیپٹن شکیل اور صالحہ کا اضافہ کیا ہے، تنویر کے علاوہ سب ماتحت اس کا بطور عمران اور گروپ لیڈر احترام کرتے ہیں۔ اس کے ساتھیوں میں جوزف کے ساتھ جوانا نامی ایک

کردار کا بطورِ بے دام غلام اضافہ ہوا ہے، جبکہ اس کا شاگرد عبد العلی رضوان عرف ٹائیگر بھی ہے جو کہ علی عمران کی مانند حیرت انگیز اوصاف کا حامل ہے۔ علی عمران نے اسے زیرِ زمین دنیا کی خبریں حاصل کرنے کے لیے ایک غنڈے کے روپ میں رہنے کا حکم دے رکھا ہے۔ ٹائیگر کے ساتھ علی عمرن کا رویہ استاذ جیسا ہی ہے۔

مظہر کلیم کے تراشیدہ علی عمران کی شخصیت ،اوصاف ،عادات اور رویے میں بتدریج تبدیلیاں ہوئیں۔ یہ کردار اپنا نام ڈگریوں سمیت دہرانے کا عادی ہے۔ یہ اپنا نام علی عمران ایم،ایس،سی،ڈی،ایس،سی (آکسن) عام طور پر فون پر دہراتا ہے، جو کہ فون پر بات کرنے کا قدرے پرانا مغربی سماجی وطیرہ ہے۔ علی عمران ایم،ایس،سی،ڈی،ایس،سی ڈاکٹر آف سائنس ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کی متعدد زبانوں کا ماہر، قدیم مخطوطات کا شناور، علم الاعداد اور علامتی زبان کے دقائق سے آگاہ، پیچیدہ لاسکی سائنس سے واقف، فنونِ حرب اور مارشل آرٹ میں یکتائے روزگار، ذہنی و ماورائی علوم کا استاذ، دنیا بھر میں ہونے والی جدید سائنسی تحقیقات اور ایجادات سے متعارف اور بے پناہ حافظے اور ذہانت کا ایسا مجموعہ ہے جس کی مثال دنیا میں موجود نہیں ہے۔ دنیا بھر کے مجرم اس سے خوف کھاتے ہیں۔ مجرم تنظیمیں اس کا نام سن کر ہی دبک جاتی ہیں۔ اسرائیل سمیت کئی عالمی طاقتیں اس شخص کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ وہ اپنوں اور دشمنوں کی نظر میں ایک اساطیری کردار کی حیثیت رکھتا ہے جو بلا مبالغہ سینکڑوں مرتبہ شدید زخمی ہونے کے باوجود زندہ ہے اور ملک کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت تیار ہے۔ علی عمران کی شخصیت رفتہ رفتہ سنجیدگی کی جانب مائل ہو جاتی ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں وہ نہایت متحرک دکھائی دیتا ہے۔ ہر مہم میں کامیابی کے لیے اسے شدید جدوجہد کرنا پڑتی ہے لیکن بتدریج وہ ایک ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے مشن کا زیادہ تر حصہ ذہنی ریاضت، سوچ و بچار، رابطوں اور معلومات فروخت کرنے والی ایجنسیوں کے تعاون ہی سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اپنی کارکردگی اور کارناموں کی بدولت علی عمران ایم،ایس،سی،ڈی،ایس،سی ایک لاثانی دیومالائی کردار بن چکا ہے۔

یہ کردار ابتدائی ادوار میں نہایت متحرک، شوخ و شنگ،ہنگامہ خیز، ہر لمحہ تبدیلی کا خواہاں اور دوسروں کو زِچ کرنے والی شخصیت دکھائی دیتا ہے۔ یہ زبردست اداکار ہے اور اس کی اداکاری حقیقت کے اس قدر قریب ہوتی ہے کہ اس کے دوست بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ یہ اپنی اداکاری سے دوستوں اور دشمنوں دونوں کو دھوکا دے سکتا ہے۔ اس کی اداکاری کا نشانہ اکثر سوپر فیاض بنتا ہے جس سے وہ اکثر بھاری رقمیں

اینٹھتا رہتا ہے لیکن بعد میں یہ رقم وہ کسی مستحق یا غریب فرد کے سپرد کر دیتا ہے۔ عمران اور اس کا باورچی سلیمان دونوں مل کر دوسروں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ اس کی اداکاری اور شوخی و شرارت کی ایک مثال یہ ہے:

"میں نے اپنی زندگی میں تم سے بڑا اداکار آج تک نہیں دیکھا کس طرح معصومیت سے بات کر رہے ہو جیسے واقعی رات سے بھوکے ہو۔" فیاض نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے تم ہنس سکتے ہیں۔ آخر دوست ہو میرے اور جتنا چاہے ہنس لو۔ اڑا ڈالو میری غربت کا مذاق۔ کہہ لو اسے اداکاری۔" عمران نے اتنا لمبا سانس لیتے ہوئے اس قدر حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ فیاض کا چہرہ یکلخت بدل گیا۔

"کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو۔ نہیں ابھی چند منٹ پہلے میری سلیمان سے بات ہوئی ہے۔" فیاض نے اس بار انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہوئی ہو گی، ضرور ہوئی ہو گی۔ اب میں تمھیں کتنا ہی یقین دلاؤں کہ سلیمان تو صبح سے چلا گیا تھا اور فون یہاں میرے سامنے پڑا ہے۔ اس کی گھنٹی تک نہیں بجی لیکن تم نے کہاں یقین کرنا ہے۔ یہ بھی میری اداکاری ہو گی۔۔۔ کہہ دو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ تم کہہ سکتے ہو فیاض۔ غریب کا سب بھی جھوٹ بن جاتا ہے اور امیر کا جھوٹ بھی سچ ہوتا ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔"

عمران نے اسی طرح لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر اس قدر بے چارگی اور بے بسی کے تاثرات تھے کہ فیاض کے ہونٹ بھینچ گئے۔(48)

علی عمران کی دوسروں کو زچ کرنے والی طبیعت سے قارئین بھی تنگ ہوئے۔ قارئین نے علی عمران کے کردار میں موجود اس کمزوری پر مظہر کلیم سے شکایت بھی کی لیکن ان کا جواب یہ تھا کہ عمران جو بھی کرتا ہے وہ موقع و محل کے مطابق ہی کرتا ہے:

کراچی جوہر کالونی سے محمد مشتاق قریشی صاحب لکھتے ہیں۔ ہمیں عمران کی طرف سے روا رکھی جانے والی ایک بے انصافی سے سخت شکایت ہے کہ جب کوئی دوسرا سنجیدہ ہو تو

عمران اس سے مذاق کرنے سے باز نہیں آتا اور اسے بری طرح زچ کر دیتا ہے۔ لیکن جب وہ خود سنجیدہ ہو تو کسی کو مذاق نہیں کرنے دیتا بلکہ بری طرح ڈانٹ دیتا ہے۔ یہ صریحاً بے انصافی ہے۔ آپ عمران کو سمجھائیں کہ وہ بے انصافی چھوڑ کر انصاف سے کام لیا کرے۔

محمد مشتاق قریشی صاحب! عمران اور سنجیدگی دو متضاد چیزیں ہیں۔ آپ نے یقیناً محسوس کیا ہو گا کہ اگر کبھی وقتی طور پر وہ سنجیدہ بھی ہوتا ہے تو اس وقت حالات ایسے ہوتے ہیں کہ سنجیدگی کے بغیر اس کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ اس لئے ان حالات کا ہی جبر ہوتا ہے کہ وہ اس وقت کسی کا مذاق پسند نہیں کرتا۔ دراصل وہ ہر کام اپنے وقت پر کرنے کا عادی ہے اور جب کوئی سنجیدگی کے وقت مذاق کرے تو ظاہر ہے اسے ڈانٹ ہی پڑنی چاہیے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عمران جب سنجیدہ ہوتا ہے تو وہ (اس) وقت واقعی سنجیدگی کا ہی ہوتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی مذاق کرتا ہے تو وہ بے وقت مذاق کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کیا عمران بے اصولی روا رکھتا ہے یا وہ حقیقتاً وقت سے انصاف کرتا ہے۔(49)

علی عمران کے مزاح کا ایک خاص انداز ہے۔ وہ جملہ بازی سے لطف اٹھاتا ہے۔ اس کے مزاح میں گہرائی نہیں ہے۔ وہ زیادہ تر ندرتِ خیال یا الفاظ کے گھماؤ پھیراؤ سے گفتگو میں شوخی اور شرارت پیدا کرتا ہے۔ ایک مثال یہ ہے:

”باہر جانے کا مطلب باہر جانا ہی ہوتا ہے، اور کیا ہو سکتا ہے؟“ نعمانی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہمارے یہاں باہر جانے کا مطلب اور ہے۔ ہمارے یہاں دیہات میں لیٹرین وغیرہ چوں کہ گھروں میں نہیں ہوتی اس لیے فطرت کی پکار کا جواب دینے کے لیے لوگ باہر کھیتوں میں نکل جاتے ہیں۔ اس لیے باہر جانے کا مطلب فطرت کی پکار کا جواب دینا ہوتا ہے۔“ عمران نے باقاعدہ لیکچر دیتے ہوئے کہا۔(50)

جملہ بازی، فقرے چست کرنا یا الفاظ کو اصل معانی سے ہٹا کر نئے پیرائے میں استعمال کر کے مزاح پیدا کرنا گو کہ دلچسپی کا باعث بنتا ہے لیکن اس سے کردار کا عامیانہ پن ظاہر ہوتا ہے، الفاظ کی توڑ پھوڑ اور تراکیب کی الٹ پھیر سے شوخی اور ظرافت کا اظہار مزاح کا معیاری درجہ نہیں سمجھا جاتا۔

علی عمران اپنی دماغی صلاحیتوں اور جسمانی قوت کی وجہ سے دوسروں سے آگے رہنے کے شوق میں مبتلا نظر آتا ہے۔ بہادری، جرات، طبعی سخاوت اور عیاشی سے گریز جیسی عادات اس کی کمزوریوں کو چھپا لیتی ہیں۔ دوسروں کے جذبات واحساسات سے کھیلنا بھی اس کی طبیعت میں شامل ہے لیکن اس معاملے میں وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھتا۔ تاہم متعدد کہانیوں میں اس کی ٹیم ممبر جولیا اس کے رومانوی مزاح کا نشانہ ضرور بنتی رہی ہے۔ علی عمران جولیا کے ساتھ اس قدر مذاق کرتا ہے کہ یہ بات قارئین کو بھی محسوس ہونے لگی اور متعدد قارئین نے اس متعلق مظہر کلیم کو خطوط میں لکھا کہ وہ علی عمران یا جولیا کی شادی کروا دیں یا پھر اس قسم کے مزاح کا سلسلہ بند کر دیں جس کی وجہ سے جولیا جذباتیت کا شکار ہو جاتی ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں عمران اور جولیا کے درمیان مذاق، مزاح اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ کافی تھا لیکن بتدریج اس میں کمی آتی گئی۔ قارئین نے اس متعلق بہت سے سوالات اٹھائے اور مظہر کلیم سے مطالبہ کیا کہ وہ علی عمران کے کردار میں پائے جانے والے اس سقم کو دور کریں، یہاں تک کہ قارئین یہ سوال بھی اٹھانا شروع کر دیا کہ جب جولیا کو معلوم ہے کہ علی عمران اس کے ساتھ رومانوی قسم کا مکالمہ صرف وقت گزاری یا مزاح کے طور پر کرتا ہے تو وہ خود ہی اپنی اصلاح کیوں نہیں کر لیتی۔

> ضلع قصور سے نوید خالد لکھتے ہیں:۔۔۔ آپ سے ایک بات پوچھنی ہے کہ جولیا کا کردار کچھ عجیب سا لگتا ہے کیونکہ پہلے پہل تو جولیا کو عمران کے مزاج کا اچھی طرح سے علم نہ تھا اور وہ عمران کی باتوں میں آ جاتی تھی۔ لیکن اب تو جولیا کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے عمران کا مزاج کیا ہے۔ اب وہ کیوں عمران کی باتوں پر جذباتی ہو جاتی ہے۔
>
> محترم نوید خالد صاحب!۔۔۔ آپ نے اپنے خط میں جولیا کے بارے میں جو کچھ لکھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی آپ کا واسطہ دل کے معاملات سے نہیں پڑا۔ ورنہ آپ ایسی بات نہ لکھتے۔ جولیا کو بھی سب کچھ معلوم ہے اور تنویر کو بھی لیکن اس کے باوجود جولیا بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔(51)

مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار میں فلسفیانہ اعتبار سے کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی۔ علی عمران اپنے مکالموں میں زیادہ تر شوخی و شرارت سے کام لیتا ہے یا اخلاقی اقدار اور وطن پرستی کی باتیں کرتا ہے۔ مشن کے دوران اس کی تمام تر توجہ مہم کی تکمیل کی جانب مبذول رہتی ہے۔ وہ جرم اور سزا کے سلسلے، خیر و شر کی کشمکش اور مجرم تک رسائی یا شر کی سرکوبی کرنے کے لیے تگ و دو میں مشغول رہتا ہے لیکن جرم یا برائی کے عوامل، اس کی تہہ میں کارفرما نظریات، جرم اور شر کی فلسفیانہ بنیادوں تک رسائی جیسی گہری، نظری اور فکری باتیں نہیں کرتا۔ علی عمران ایک سیکرٹ ایجنٹ ہے جو مسلسل عمل کے ساتھ ساتھ مسلسل منصوبہ بندی سے کام لیتے ہوئے اپنے ہدف کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی تمام تر توجہ (حکمتِ عملی، منصوبہ بندی) ہدف تک رسائی پانے تک ہی محدود رہتی ہے۔ جرم اور شر کا فلسفیانہ جہتوں پر غور و فکر کے لیے اس کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔

مظہر کلیم کا علی عمران سراغ رسانی کے قدیم طریقوں کے مطابق وارداتوں کی تحقیق و تفتیش نہیں کرتا۔ مظہر کلیم کی کہانیوں کا علی عمران جب کسی مشن کو مکمل کرنے کے درپے ہوتا ہے تو اس میں جدید ترین وسائل کا بے دریغ استعمال اور تیز رفتار ایکشن پایا جاتا ہے، یہ مہمات چھوٹے درجے کے مجرموں سے لے کر عالمی سطح کے مجرموں، گروہوں، دہشت گرد تنظیموں اور پاکیشیا کے خلاف سازشیں کرنے والی قوتوں حتیٰ کہ ملکوں اور ان کی طاقت ور ایجنسیوں کے خلاف پیش آتی رہتی ہیں، کافرستان اور اسرائیل کے خلاف بھی علی عمران نے زبردست اور زوردار مہمات انجام دی ہیں اور ان کی ملک و قوم یا مسلمانوں کے خلاف رچائی گئی سازشوں کو ناکام بنایا ہے۔

علی عمران اور اس کے ساتھیوں کے کام کرنے کا انداز کیسا ہے؟ اس متعلق کہانی کاروانِ دہشت کے دیباچے "چند باتیں" میں مظہر کلیم خود لکھتے ہیں:

> مگر جب عمران کو ان خوفناک منصوبوں کا علم ہوتا ہے تو وہ اپنے ملک کو اس خوفناک دو طرفہ تباہی سے بچانے کے لیے دیوانہ وار میدان میں کود پڑتا ہے۔ سیکرٹ سروس کے ممبران بھی اپنی جان ہتھیلی پر لیے اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ کاررواں مکمل ہو جاتا ہے۔ کارروانِ دہشت۔ وہ مکمل دہشت کا روپ دھار لیتے ہیں اور بھوکے بھیڑیوں کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے

> دونوں ملکوں کے خلاف جنگ لڑنی ہے۔ اس لیے ان کے جسموں میں خون کے بجائے پارہ دوڑنے لگتا ہے اور وہ اس قدر تیز رفتاری سے دشمن پر جھپٹتے ہیں کہ بجلی بھی اپنی رفتار پر شرمندہ ہو جاتی ہے۔ اس طرح ایک خوف ناک ترین اور جان لیوا جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جس کا ہر لمحہ موت کے منہ میں ڈھل جاتا ہے اور ہر طرف تباہی ہی تباہی پھیل جاتی ہے۔ دشمن کی طرف سے بھرپور مقابلہ ہوتا ہے۔ ایسا مقابلہ کہ عمران اور اس کے ساتھی خون میں نہا جاتے ہیں۔ ہر سانس میں وہ مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ دہشت ناک جنگ مسلسل جاری رہتی ہے اور برستی گولیوں، بموں کے خوف ناک دھماکوں اور فضا میں اڑے ہوئے انسانی اعضاء اور فواروں کی طرح خون کے ابلتے دھاروں میں کاروانِ دہشت آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پاکیشیا کے دس کروڑ بے گناہ اور معصوم شہریوں کے تحفظ کے لیے پاکیشیا کے دیوانے خون کے سمندر عبور کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے اپنے اعضاء ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے رہے۔ وہ ٹنوں مٹی تلے دبتے رہے، پھٹتے ہوئے خوف ناک بموں کے درمیان موت کا رقص کرتے رہے لیکن کاروانِ دہشت آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ اس لیے کہ اس کارواں کا سالار عمران تھا اور اس کے ساتھی وہ لوگ تھے جو صرف جان لینا ہی نہیں بلکہ جان دینا بھی جانتے ہیں۔ جن کو موت کو منہ چڑانا آتا ہے اور جن کے خون کا ہر قطرہ وطن کی سلامتی کے لیے آتش فشاں کا روپ دھار لیتا ہے۔(52)

غرض کہ علی عمران نے اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر اپنے ملک اور بیرونِ ملک ہر جگہ ملک و مذہب اور دین و قوم کی خاطر زبردست کارنامے انجام دیے ہیں۔ یہ کارنامے انسانی سطح سے بلند معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے قارئین کی جانب سے متعدد مرتبہ یہ سوال اٹھایا گیا کہ آپ کی کردار انسانی سطح سے بلند ہو کر یہ کارنامے کیسے انجام دیتے ہیں؟ ان کرداروں خاص طور پر علی عمران کی بنت کیسے کی گئی ہے کہ وہ ہر موقع پر برتر اور فائق دکھائی دیتا ہے؟ مظہر کلیم نے متعدد ناولوں کے آغاز میں قارئین کے خطوط کے جوابات میں اپنی کردار نگاری پر اٹھائے گئے سوالات کے جوابات دیے ہیں جن سے ان کے کرداروں خاص طور پر علی عمران کے کردار کے تجزیے میں مدد ملتی ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ علی عمران مالک کائنات کی ذات پر یقین اور اس کی مدد

پر انتہا درجے کا بھروسہ رکھتا ہے۔ وہ مسلسل جدوجہد کا قائل ہے۔ وہ حوصلہ نہیں ہارتا اور پوری ہمت کے ساتھ کامیابی کی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ وہ وقت سے پہلے نہیں مر سکتا اس لیے وہ موت و زندگی کے تصور سے بالاتر رہ کر اپنے کام پر توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ ایک مکالمے میں وہ اپنے اطمینان کی وجہ یوں بیان کرتا ہے:

> "تمھیں آخر اس قدر یقین کیوں ہے کہ تم مر نہیں سکتے۔"
>
> ٹرومین نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔
>
> "اس لیے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کا ایمان ہے کہ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ انسانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جب اللہ چاہے گا تو مجھے مرنے سے کوئی نہ روک سکے گا لیکن جب تک وہ نہ چاہے گا تم تو کیا پوری دنیا مل کر بھی مجھے نہیں مار سکتی۔ عمران نے انتہائی ٹھوس لہجے میں کہا۔"(53)

کافرستانی سیکرٹ سروس کے شاگل اور اسرائیلی فورس کے کرنل ڈیوڈ کے علاوہ علی عمران کے مقابلے میں متعین دشمن کردار بہت کم آئے ہیں۔ زیادہ تر مجرم یا مخالف کرداروں اور تنظیموں کا علی عمران کے مقابلے میں بہت جلد خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تقریباً تمام ہی مہمات میں علی عمران کا مقابلہ نئے نئے مجرموں سے ہوتا ہے۔ تاہم مہمات کے حالات میں یکسانیت پائی جاتی ہے، علی عمران اتفاقاً کسی سازش سے آگاہ ہوتا ہے، یہ اتفاق نیکی کا کوئی کام بھی ہو سکتا ہے اور کوئی مضحکہ خیز واقعہ بھی، ابتدائی آگاہی کے بعد علی عمران سن گن لیتا ہے، معلومات جمع کرتا ہے جس کے لیے دانش منزل کے آپریشن روم میں موجود سرخ جلد والی ڈائری بہت کام آتی ہے، اس کے بعد معلومات فروخت کرنے والی ایجنسیوں سے کچھ معلومات لی جاتی ہیں، علی عمران اپنے طور پر بھی تحقیق و تفتیش کرتا ہے اور جدید وسائل بھی بروئے کار لاتا ہے۔ پھر مشن شروع ہو جاتا ہے جس میں زیادہ تر کام علی عمران ہی کرتا ہے، درمیان میں کچھ مقابلے، بے ہوشی، گرفتاری پھر رہائی جیسے واقعات بھی پیش آتے ہیں، بالآخر علی عمران زخم اور چوٹیں برداشت کرتے ہوئے ہدف تک پہنچ جاتا ہے اور پھر واپسی کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے یوں مہم مکمل ہو جاتی ہے۔ علی عمران کی زیادہ تر مہمات سائنسی نوعیت کی ہوتی ہیں جن میں جدید ایجادات کے حصول لیباٹریوں کو تباہ کرنے، فارمولوں یا سائنس دانوں کا تحفظ یا ان کی واپسی، مقدس مقامات کے خلاف سازشوں کے توڑ یا اہم شخصیات کی بازیابی جیسے معاملات درپیش ہوتے ہیں۔ مجرم

تنظیموں یا ملک کے خلاف کام کرنے والی ایجنسیوں کے ایجنٹوں کو تلاش کیا جاتا ہے یا ان کے مشن کو ناکام بنایا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے مظہر کلیم کے علی عمران کے کردار میں جہاں دنیا جہان کے علوم و فنون در آئے ہیں وہاں یکسانیت بھی پیدا ہوگئی ہے۔ ہر مشن میں اس کا رویہ تقریباً مشینی سا دکھائی دیتا ہے۔ دلچسپی ابتدائی واقعے یا علی عمران کے مخالف کردار، دشمن، مجرم شخص یا تنظیم یا ادارے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر کہانی میں نمایاں تبدیلی صرف مخالف یا مجرم کرداروں کی نوعیت بدلنے سے ہی دکھائی دیتی ہے۔

علی عمران نے بعض کارنامے کرنل فریدی اور حمید کی جوڑی کے مقابلے میں بھی انجام دیے ہیں جن میں اسے کامیابی ملی ہے۔ بہت سے کارنامے اس نے ان دونوں کرداروں کی جوڑی اور مضحک کردار قاسم کے ساتھ مل کر بھی انجام دیے ہیں جن میں جاسوسِ اعظم نامی کہانی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ ڈارک کلب بھی ایسی ہی ایک کہانی ہے جس میں علی عمران کا فرستان میں جاکر بھی فریدی اور حمید کے کام آتا ہے۔ فریدی، حمید اور قاسم یا میجر پرمود کی شمولیت سے کہانی کے کرداروں اور کچھ واقعات میں تبدیلی ضرور پیدا ہوئی لیکن واقعات کی یکسانیت ان مہمات میں بھی پائی جاتی ہے۔ جنگلات میں انجام دی گئی مہمات میں جوزف کا کردار اہم ہو جاتا ہے۔

علی عمران نے حسی دنیا میں ہزاروں کارنامے انجام دیے اس کے بعد روحانی دنیا کے بزرگوں کی نظر اس پر پڑی تو انھوں نے بعض روحانی اور ماورائی معاملات میں علی عمران سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح علی عمران کو ماورائی دنیا میں بھی کام کرنے کا موقع میسر آیا۔ اس دنیا سے حاصل ہونے والے تجربات نے علی عمران کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ذاتی نمود و نمائش، خود پسندی اور ناز و نخرے ختم ہونے لگے۔ ماورائی سلسلے کی کہانیوں میں علی عمران کو روحانی بزرگوں کی حمایت میسر آجاتی ہے۔ ماورائی سلسلے کی ابتدائی کہانیوں کے علاوہ اس سلسلے کی بعد میں آنے والی کہانیوں میں علی عمران بھی ایک صوفی نظر آنے لگتا ہے۔ مظہر کلیم کا علی عمران بیک وقت ایک سیکرٹ ایجنٹ، ایک سائنس دان، ایک فنکار، ایک صوفی اور مافوق الفطرت صفات کا حامل ہونے کے باوجود کہانی کے ملتے جلتے واقعات کی وجہ سے یکسانیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ نفسیاتی جہت میں تبدیلی کا محرک ماورائی سلسلے میں پیش آنے والے تجربات ہیں۔ علاوہ ازیں بعض مہمات میں اس کی اتفاقی کامیابیاں اور قدرت کی جانب سے اس کی غیبی امداد بھی اس کی ذہنی سوچ، اندازِ فکر اور نفسیاتی ارتقا کا سبب بنتے ہیں۔ تبدیلی کی وجہ سے مزاج اور شخصیت کے اعتبار سے علی عمران ایک صوفی میں

بدل جاتا ہے۔ مظہر کلیم نے ماورائیت پر مشتمل سلسلے کو خیر و شر کے درمیان تصادم کا ایک سلسلہ قرار دیا اور اس متعلق ان کا دعوی یہ تھا کہ یہ معاملات دنیا میں بہر حال پیش آتے رہتے ہیں اور کچھ خاص انسان ان ماورائی معاملات سے قدرت کے تکوینی نظام کے مطابق متعلق ہوتے ہیں۔ علی عمران اپنی نیکی ، کردار کی پختگی، سخاوت، دوسروں کی مدد اور والدہ کی دعاؤں کی وجہ سے خیر کے حلقوں، روحانی شخصیات اور دین کے بزرگوں میں مقبول ہو چکا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کے ساتھیوں کو بھی اس کام کے لیے قبول کر لیا گیا۔

حوالہ جات

1۔ابنِ صفی، دلیر مجرم، جلد1، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ 9

2۔ابنِ صفی، دلیر مجرم، صفحہ 60، 61

3۔ابنِ صفی، اونچا شکار، جلد25، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص170

4۔ابنِ صفی، تیسری ناگن، جاسوسی دنیا، جلد36، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص124

5۔ابنِ صفی، طوفان کا اغوا، جلد21، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص65

6۔ابنِ صفی، تصویر کا دشمن، جلد33، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص174

7۔سید فہد ترمذی، وضاحت بابت سوالنامہ، مخزونہ (بصورت گوگل فارم)، حامد محمود، حسن ابدال

8۔ محمد اسلم غازی، ذکرِ ابن صفی،

https://groups.google.com/g/bazmeqalam/c/NerV7Ch6vJ8/m/OCF_Uq04OVuWQJ جون2024ء بوقت 11:00 بجے دن

9۔ابنِ صفی، رائفل کا نغمہ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص،240

10۔ابنِ صفی، دھواں اٹھ رہا تھا، جلد28، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص9

11۔ابنِ صفی، خونی ریشے، جلد36، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص52

12۔ابنِ صفی، بحری یتیم خانہ، جلد17، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص20

13۔ابنِ صفی، دھوئیں کی تحریر، جلد3، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد، ص101

14۔ابنِ صفی، شفق کے پجاری، جلد6، اسرار پبلیکیشینز، سن ندارد، ص150

15۔ابنِ صفی، لڑکیوں کا جزیرہ، جلد3، اسرار پبلیکیشنز، ندارد، ص153

16۔ابنِ صفی، خوف ناک عمارت جلد1، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد، لاہور ص30

17۔ابنِ صفی، خوفناک عمارت، ص31

18۔ابنِ صفی، پر اسرار چیخیں، جلد1، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد، ص200

19۔ابنِ صفی، خوفناک عمارت، جلد1، اسرار پبلیکیشنز لاہور، سن ندارد، ص36

20۔ابنِ صفی، خوفناک عمارت، ص37

21۔ابنِ صفی، بحری یتیم خانہ، جلد17، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص29، 28

22۔ابنِ صفی، الفانسے، جلد5، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص176

23۔ ابنِ صفی، حماقت کا جال، جلد 6، اسرار پبلیکیشنز، لاہور سن ندارد، ص 135
24۔ ابنِ صفی، کنگ چانگ، جلد 20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص 25
25۔ اشتیاق احمد، حاتم کا باپ، اٹلانٹس پبلی کیشنز، کراچی، سن ندارد، ص 82
26۔ اشتیاق احمد، خودکشی کی دعوت، مکتبہ اشتیاق، لاہور، سن ندارد ص 17-116
27۔ اشتیاق احمد، جنگل میں کارنامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، سن ندارد، 1976، ص 31
28۔ اشتیاق احمد، فائل کا انتقام، انلانٹس پبلیکیشنز کراچی، سن ندارد، ص 286 تا 287
29۔ اشتیاق احمد، کمرہ نمبر 420، مکتبہ اقراء، لاہور، بار دوم، اکتوبر 1979، ص 122
30۔ اشتیاق احمد، جنوں کا طوفان، انداز پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد، ص 196، 208
31۔ علی عمران ممتاز، وضاحت بابت سوالنامہ، مخزونہ (بصورت گوگل فارم)، حامد محمود، حسن ابدال
32۔ اشتیاق احمد، اُن کے کارنامے، فیروز سنز، لاہور، 1974، ص 26
33۔ اشتیاق احمد، ژابنائے مہم، اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، جولائی 1986، ص 19
34۔ اشتیاق احمد، پارسل میں بم، اٹلانٹس پبلیکیشنز، کراچی، سن ندارد، ص 77
35۔ اشتیاق احمد، پارسل میں بم، ص 64، 65
36۔ اشتیاق احمد، خودکشی کی دعوت، مکتبہ اشتیاق، لاہور، ص 86
37۔ اشتیاق احمد، موت کا جزیرہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1978، ص 48، 47
38۔ اشتیاق احمد، لوہے کا آدمی، اشتیاق پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص 103
39۔ اشتیاق احمد، یشوما اور سرخ تیر، فیروز سنز، لاہور، 1976، ص 27
40۔ اشتیاق احمد، وادی دہشت، بچوں کا کتاب گھر، لاہور، ص 502
41۔ اشتیاق احمد، یشوما اور سرخ تیر، فیروز سنز، لاہور، 1976، ص 3، 4
42۔ اشتیاق احمد، انڈونیشیا کا ہوا، اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، بار اول، فروری 1989، ص 41
43۔ محمد عاصم رضا، وضاحت بابت سوالنامہ، مخزونہ (بصورت گوگل فارم)، حامد محمود، حسن ابدال
44۔ مظہر کلیم، کوبران (چند باتیں)، ارسلان پبلی کیشنز، ملتان، سن ندارد، ص 5
45۔ مظہر کلیم، ناقابلِ تسخیر مجرم، یوسف برادرز، ملتان، سن ندراد، ص 16
46۔ مظہر کلیم، لوگاسا مشن، یوسف برادرز ملتان، سن ندرارد، ص 13
47۔ مظہر کلیم، بلیک کرائم، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد، جلد دوم، ص 183

48۔ مظہر کلیم، ٹرومین، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد، ص14، 15

49۔ مظہر کلیم (چند باتیں)، بلیک تھنڈر، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد، ص6

50۔ مظہر کلیم، کاروانِ دہشت، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص150

51۔ مظہر کلیم، وائٹ شیڈو، چند باتیں، یوسف برادرز، ملتان، سن ندرارد، ص4

52۔ مظہر کلیم، کاروانِ دہشت، چند باتیں، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد، ص3، 4

53۔ مظہر کلیم، ٹرومین، یوسف برادرز ملتان، سن ندرارد، ص196

تیسرا باب

ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا تقابل

الف۔ ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل:

1۔ کرنل فریدی کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

کرنل احمد کمال فریدی اردو جاسوسی ادب میں مقامی تہذیب و ثقافت کا اولین نمائندہ کردار ہے۔ یہ کردار ابنِ صفی کی ادبی صلاحیتوں، کردار نگاری میں مہارت، انسانی نفسیات سے آگاہی اور فنِ سراغ رسانی سے واقفیت کا ثبوت ہے۔ بنیادی طور پر یہ کردار ایک مثالی شخصیت کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اسے قیافہ شناسی، قوتِ مشاہدہ، صورتِ حال کے درست تجزیے اور منطقی اندازِ فکر جیسی صلاحیتیں حاصل ہیں۔ یہ ممکنات و ناممکنات اور سبب و غیر سبب میں تفریق کا درست فہم رکھتا ہے۔ باریک بینی و دور اندیشی اور حالات و واقعات کی ترتیب اور درست درجہ بندی کے مطابق صائب نظریہ قائم کرنا اس کی خصوصی وصف ہے۔ اس کردار کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا اظہار اس کے مکالموں سے بھی ہوتا ہے اور عملی اقدامات سے بھی۔ اس کردار میں جذباتیت دور دور تک دکھائی نہیں دیتی۔ یہ غصے، جوش و جذبے اور ضرورت سے زائد مسرت کا اظہار بہت کم کرتا ہے۔ ان اوصاف کی وجہ سے کرنل فریدی ایک قطعی منفرد کردار ہے۔ اس کی سنجیدگی اور متانت کی کچھ جھلکیاں انسپکٹر جمشید کے کردار میں پائی جاتی ہیں۔

سراغ رسانی کے پیچیدہ فن میں مہارت کرنل فریدی کو اردو ادب میں وہی مقام عطا کرتی ہے جو کہ عالمی جاسوسی ادب میں معروف کردار شرلاک ہومز کو حاصل ہے۔ لیکن کرنل فریدی کو شرلاک ہومز کے

کردار کا چربہ بھی نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ دونوں کرداروں میں سراغ رسانی کی مشترکہ مہارت کے باوجود متعدد بنیادی افتراقات موجود ہیں۔ دونوں کرداروں کے پیشہ ورانہ اسلوب میں فرق بھی ہے، شرلاک ہومز عموماً قیاس آرائیوں یا محض عقلی توجیہات کی بنیاد پر تفتیش کے عمل کو بڑھاتا ہے جبکہ کرنل فریدی حقیقت تک رسائی کے لیے عقلی توجیہات، استخراجی طریقے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ تجرباتی اور مشاہداتی عمل کی بنیاد پر استقراء کے ذریعے حقائق تک پہنچتا ہے۔ وہ شک، مفروضات یا قیاس پر انحصار کی بجائے ٹھوس شواہد اور قانون کی نظر میں قابلِ اعتبار ثبوت حاصل کرنے کا قائل ہے۔ کرنل فریدی کا اسلوب یہ ہے کہ وہ تفتیش کے آغاز میں شواہد اور قرائن کی روشنی میں پہلے ایک قابلِ اعتماد فکری نظریہ قائم کرتا ہے۔ اس نظریے کی تصدیق یا تردید کے لیے وہ مشاہداتی دلائل اور ٹھوس ثبوتوں تک پہنچتا ہے۔ شواہد کے حصول کی خاطر وہ تجربے و مشاہدے، جدید آلات کے استعمال اور قانونی تقاضوں کی تکمیل سمیت ہر قسم کی ذہنی و جسمانی مشقت برداشت کرتا ہے اور آخر کار ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ جرم کی تہہ تک پہنچ کر مجرم کی گرفت کرتا ہے۔ ثبوت کی تلاش کے لیے شرلاک ہومز بھی کدو کاوش کرتا ہے لیکن وہ اس کی سراغ رسانی کی صرف سائنسی سطح تک ہی محدود ہے، اس کے پاس قانون کی حکمرانی کا وہ مقصد نہیں جو سراغ رسانی کے پیشے کے ساتھ کرنل فریدی نے قائم کیا ہے۔

شرلاک ہومز کے مقابلے میں کرنل فریدی کے کردار میں جرات و بہادری، نفاست و شائستگی، اصول پسندی اور متانت، شراب نوشی و بدکاری سے گریز اور مشرقی روایات و اقدار کا لحاظ ایسے شخصی اوصاف ہیں جو اسے انفرادیت فراہم کرتے ہیں۔

کرنل فریدی کی شخصیت میں ٹھہراؤ، رعب، وقار اور اولعزمی ہے۔ یہ صفت اسے دیگر کرداروں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ گفتگو، مکالموں اور برتاؤ میں معاشرے کا ایک ممتاز فرد نظر آتا ہے۔ یوں اس کی شخصیت دیگر کرداروں سے اس قدر متفاوت ہے کہ اس کا اسسٹنٹ کیپٹن حمید بھی اس سے کسی معاملے میں مماثلت نہیں رکھتا۔ ساتھ رہنے اور ایک ساتھ کام کرنے کے باوجود دونوں کے مزاج، رویے، عادات، ذہنی سطح، افتادِ طبع اور کام کے طریقہ کار اور رجحانات و میلانات میں حد درجے فرق پایا جاتا ہے۔

شخصی وقار اور رکھ رکھاؤ کے باوجود کرنل فریدی مجرموں کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے جب کوئی روپ بدلتا ہے یا سوانگ دھارتا ہے تو اس کی شخصیت بالکل بدل جاتی ہے۔ غیر سنجیدہ مکالموں اور فکاہیہ

جملہ بازی کے موقع پر اس میں کیپٹن حمید یا علی عمران کا سارنگ دکھائی دیتا ہے جبکہ عام مواقع پر وہ مزاح کے اعتبار سے وہ ایک سنجیدہ، کم گو اور قدرے خشک طبیعت شخص نظر آتا ہے۔ فریدی عورت بیزار مزاج کا حامل ہے جبکہ حمید کی زندگی عورت کے بغیر ادھوری ہے۔ مزاجوں میں اس قدر تضاد کے باوجود فریدی، حمید کو اپنے ساتھ رکھتا ہے جو اس کی کشادہ ظرفی کی نشانی ہے۔ لیکن کرنل فریدی میں کشادہ ظرفی کے باوجود جاگیر دارنہ مزاج کی ہلکی سے جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے جبکہ حمید کے مزاج میں عامیانہ پن ہے۔ وہ معاشرے کا ایک عام انسانی دکھائی دیتا ہے جسے کرنل فریدی کی صحبت نے نکھار کر کارآمد بنادیا ہے۔

مغربی ناول نگاروں کے تشکیل کردہ کردار اپنے عمل سے جنسی آزادی کو انسانی مزاج اور نفسیات کا لازمی اور فطری حصہ ظاہر کرتے ہیں لیکن مشرقی جاسوسی ادب کا نمائندہ کردار کرنل فریدی جسمانی عیاشی اور بدن کی لذت کو ایک ذہنی مرض، محدود ذہنی سوچ رکھنے والوں کی منزلِ مقصود اور ایک لت قرار دیتا ہے۔ وہ عورت کو محض کھلونا سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اسے محض جسم کی حیثیت سے دیکھنا گناہ تصور کرتا ہے۔ وہ عورت کا احترام کرتا ہے اور اسے چیزوں کی طرح استعمال نہیں کرتا۔ انسانی آزادی کے اس باب میں کرنل فریدی مغربی تہذیب کے نظریات کا ناقد دکھائی دیتا ہے۔ جنسی آزادی سے گریز اور عورت کے احترام کے حوالے سے مشرقی اقدار و نظریات کی پیروی میں کرنل فریدی اور علی عمران میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دونوں ہی اپنی پیشہ ورانہ زندگی اور ذمہ داریوں کی ادائی کی میں بال بچوں کے بوجھ اور ازدواجی زندگی کے مسائل کو رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ وہ وقت گزاری کے لیے کسی عورت کا ساتھ پسند نہیں کرتے۔ وہ عورت کے ساتھ کسی غلط تعلق کے روادار نہیں اور اپنے پیشے میں گھریلو زندگی کو بھی مخل سمجھتے ہیں اسی لیے دونوں شادی نہیں کرتے۔

کرنل فریدی اور علی عمران دونوں ہی ابنِ صفی کے تشکیل کردہ کردار ہیں لیکن دونوں کی شخصیات میں بعض جزوی مماثلتوں کے باجود زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کرنل فریدی کے مزاج اور رویے میں شان و شوکت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اسے اپنی عزتِ نفس کا حد درجے احساس ہے۔ وہ پیشہ ورانہ فریضے کی بجا آوری میں بھی کسی کی مداخلت قبول نہیں کرتا۔ اسے سرکاری ملازمت سے محرومی قبول ہے لیکن اپنے طریقۂ کار کی خلاف ورزی قبول نہیں۔ اس کے مقابلے میں علی عمران بے نفس طبیعت کا مالک ہے۔ کرنل فریدی کے مزاج

میں جس قدر رکھ رکھاؤ اور اصول پسندی ہے علی عمران اسی قدر فقیر منش، قلندر مزاج، لاپرواہ اور بے فکر طبیعت کا مالک ہے۔

لاسلکی سائنس اور ریڈیو ٹیکنالوجی سے اس کی واقفیت علی عمران کی مانند ہے جبکہ طب کے بعض شعبوں سے اس کی واقفیت میں بھی علی عمران کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ طب سے واقفیت میں کرنل فریدی اور انسپکٹر جمشید میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ حربی فنون میں مہارت، جسمانی قوتِ برداشت اور طاقت میں وہ علی عمران سے کچھ بڑھ کر ہے۔ البتہ ادبی جملہ بازی، طنز و مزاح اور بذلہ سنجی میں علی عمران فریدی پر فائق ہے۔ درویش منش طبیعت رکھنے والا علی عمران کشادہ ظرفی کے معاملے میں کرنل فریدی سے بہت آگے دکھائی دیتا ہے۔ وہ مجلس، سفر، محفل، دوستی اور دشمنی ہر رنگ میں نہایت وسیع الظرف انسان نظر آتا ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ نبھا کر لیتا ہے اور ہر ایک کو دوست بنانا جانتا ہے۔

کرنل فریدی کی ذاتی اور غیر پیشہ ورانہ زندگی اپنے پالتو جانوروں، ملازمین، لائبریری اور تجربہ گاہ میں گزرتی ہے۔ گویا اس کی کوئی گھریلو زندگی نہیں ہے۔ اس حوالے سے کرنل فریدی اور علی عمران میں مکمل موافقت پائی جاتی ہے۔ البتہ علی عمران کا فلیٹ اس معنوں میں مختلف ہے کہ وہاں سلیمان، اس کی بیوی اور جوزف کا جمگھٹا نت نئے گل کھلاتا رہتا ہے۔ کرنل فریدی کی کوٹھی میں ایسا کوئی تماشا نہیں ہوتا۔ دونوں کرداروں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ علی عمران کے گھر کے افراد کہانیوں میں کرداروں کی صورت میں سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس کے والد کی کوٹھی کے ماحول میں علی عمران کی گھریلو زندگی کہانیوں میں پیش کی جاتی ہے لیکن کرنل فریدی کے گھر اور خاندان کے افراد کہانیوں میں بطورِ کردار پیش نہیں کیے گئے۔ کرنل فریدی کو ناولوں میں تنہا ہی پیش کیا گیا ہے، اس کی گھریلو زندگی اجاگر نہیں کی گئی۔

کرنل فریدی کے مزاج میں نوابوں اور جاگیرداروں جیسی اکڑفوں اور مصنوعی بناوٹ نہیں لیکن تمکنت ضرور ہے۔ اس کے ملازمین اس سے دبتے بھی ہیں اور اس کا احترام بھی کرتے ہیں۔ کرنل فریدی کے ماتحتوں میں صرف حمید ہی سرچڑھا معلوم ہوتا ہے لیکن بسا اوقات اسے بھی کرنل کا عتاب برداشت کرنا پڑتا ہے۔

> حمید چونک کر اسے گھورنے لگا کیوں کہ خود اس کے علاوہ فریدی کے سامنے اس طرح
> زبان کھولنے کی ہمت اور کسی میں نہیں تھی پھر اس سے بھی زیادہ حیرت اسے فریدی

کے رویے پر ہوئی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر کو جنبش دی تھی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔(1)

کرنل فریدی کے برعکس علی عمران کے گھریلو ملازمین اسے چٹکیوں میں اڑاتے ہیں۔ سلیمان اس کا باورچی نہایت سرچڑھا اور بسا اوقات تنک مزاج معلوم ہوتا ہے۔ علی عمران مزاج کے اعتبار سے درویش اور ملنگ ہے۔ وہ ذاتی معاملات میں ملازمین سے باز پرس کا قائل ہی نہیں۔ سلیمان کے ساتھ اس کی زبانی کلامی جھڑپیں تک ہو جاتی ہیں اور سلیمان اسے بہت کچھ کہہ دیتا ہے لیکن کرنل فریدی کی ظاہری شخصیت اس قدر وجیہ اور متاثر کن ہے کہ کوئی ملازم اس کے سامنے اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتا۔

کرنل فریدی اور علی عمران دونوں سرکاری عہدے دار ہیں۔ دونوں خفیہ فورس کے سربراہ ہیں۔ تاہم دونوں کرداروں کے کام کرنے کا طریقہ، تکنیک اور میدانِ عمل میں خاصا فرق ہے۔ دونوں کے ارتقائی مراحل بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کرنل فریدی کے کارناموں کا آغاز "دلیر مجرم" نامی کہانی میں ایک انسپکٹر کی حیثیت سے پیشہ ورانہ امور کی انجام دہی سے ہوا لیکن علی عمران سائنس کے ایک سراغ رسانی سے دلچسپی رکھنے والے نوجوان طالبِ علم اور ذاتی حیثیت میں جرم کے خلاف کام کرنے والے رضاکار کے طور پر سامنے آیا جسے قانون کا ایک محافظ اپنی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ دونوں کرداروں نے کارکردگی اور کارناموں کی وجہ سے قانونی اختیارات حاصل کیے تاہم کرنل فریدی اپنے ماتحتوں پر بہت کم انحصار کرتا ہے۔ وہ زیادہ تر کام خود کرنے کا عادی ہے۔ اس کے برعکس علی عمران خود بھی میدانِ عمل میں رہتا ہے اور اس کے ماتحت جو ضمنی لیکن اہم کردار تصور کیے جاسکتے ہیں، کہانی کی رفتار کے ساتھ ساتھ دوڑتے بھاگتے نظر آتے ہیں۔

کرنل فریدی کی کہانی زیادہ تر حمید بیان کرتا ہے۔ کرنل فریدی کے ساتھ حمید کے کلیدی کردار کے علاوہ معاون کردار انسپکٹر جگدیش، ریکھا اور مضحک کردار قاسم رضا اکثر و بیشتر کہانی کا حصہ ہوتے ہیں۔ انور اور رشیدہ بھی کرنل فریدی کے معاون کے طور پر سامنے آئے لیکن وہ مستقل کردار کی حیثیت حاصل نہ کر سکے۔ ان ماتحتوں اور معاونین کی موجودگی کہانی کو آگے بڑھاتی ہے لیکن کہانی میں موجود قصے کے اسرار و رموز، پوشیدہ راز اور تہہ در تہہ حالات سے مکمل واقفیت صرف کرنل فریدی کو ہی ہوتی ہے۔ قاری عام طور پر

کیپٹن حمید کی روایت کے ذریعے کہانی سے آگاہ ہوتا ہے، جبکہ علی عمران کی کہانی کا بڑا حصہ مصنف خود ہی بیان کرتا ہے۔

کرنل فریدی اور علی عمران دونوں کردار اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں لیکن کرنل فریدی افسر اور ماتحت کے فرق کو برقرار رکھتا ہے تاہم علی عمران صرف ایکس ٹو کی حیثیت ہی سے افسر یا باس بنتا ہے۔ بحیثیتِ علی عمران وہ ماتحتوں کے ساتھ مساویانہ انداز میں رہتا ہے۔ اس کے ماتحت اس کی اصل حیثیت سے ناواقف ہیں اس لیے وہ اسے ساتھی سمجھ کر برابری کا معاملہ رکھتے ہیں۔

اصولوں کی پیروی کے لحاظ سے کرنل فریدی کی مماثلت اشتیاق احمد کے کردار انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا میں پائی جاتی ہے۔ لائبریری سے استفادہ، ذاتی تجربہ گاہ میں مختلف کیمیائی تجربے اور سراغ رسانی کے فن اور مجرم تک رسائی کے مختلف طریقوں میں بھی کرنل فریدی کی جھلکیاں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا میں دکھائی دیتی ہیں۔

بحیثیتِ کلیدی کردار کرنل فریدی ابنِ صفی کا خواب ہے۔ یہ کردار اس دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر ترتیب دیا گیا تھا جب مغرب کے مقبولِ عام اور گھٹیا درجے کے ادب نے اردو کو تہذیبی و ثقافتی یلغار کا نشانہ بنالیا تھا۔ اس کردار کی مہمات میں زیادہ تر تقسیمِ ہند سے قبل کے دور کی منظر کشی کی گئی ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں علی عمران، انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا تقسیم کے بعد کے دور میں دکھائی دیتے ہیں۔

کرنل فریدی کو سماج کی ہر سطح سے تعلق رکھنے والے مجرموں سے سابقہ پڑا۔ اس کے سامنے وہ عام مجرم بھی آئے جو دولت یا طاقت کے حصول کے لیے جرم کی مختلف راہیں اختیار کرتے ہیں اور قانون شکنی اور سماج دشمنی کے نت نئے طریقوں پر عمل کرتے ہیں۔ اس کا سابقہ ملک کے غداروں سے بھی پڑا جو دولت کے لیے ملک کے راز دشمنوں کو فروخت کرتے ہیں۔ اس کی لڑائی ان بااثر لوگوں سے بھی ہوئی جو قانون کو گھر کی لونڈی سمجھتے ہیں اور اس کا مقابلہ بین الاقوامی مجرم تنظیموں سے بھی ہوا۔

ان مجرموں کی فہرست میں جابر، جیرالڈ شاستری، ڈاکٹر ٹریڈ، نانوتہ، تھریسیا اور سنگ ہی جیسے لوگ شامل ہیں۔ ان میں سے نانوتہ، تھریسیا اور سنگ ہی کا مقابلہ علی عمران سے بھی ہوا۔ یہ سب کردار عجیب و غریب صفات رکھتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کردار کو اوصاف کے لحاظ سے غیر منطقی نہیں کہا جاسکتا۔ علی

عمران کے مقابلے میں آنے والے مجرم کردار بھی معیاری کردار نگاری کے درجے پر ہیں۔ کرنل فریدی اور علی عمران کے مقابلے میں انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا کو دیو مالائی بلکہ غیر انسانی مجرم کرداروں سے بھی واسطہ پڑا۔ کرنل فریدی اور علی عمران کا مقابلہ جن کرداروں سے ہوا ان کا مذہبی حوالے سے کوئی پسِ منظر نہیں تھا لیکن انسپکٹر جمشید و کامران مرزا کا مقابلہ جن مجرموں سے ہوا ان میں بہت سے مخصوص مذہبی پسِ منظر بھی رکھتے تھے۔

ابنِ صفی نے کرنل فریدی کا کردار برِ صغیر کے اس مخصوص پسِ منظر کے مطابق تخلیق کیا تھا جو کہ انگریز کی عمل داری میں متحدہ ہندوستان کا تھا۔ ابنِ صفی نے کرنل فریدی اور حمید کے اس مقامی اور علاقائی پسِ منظر کو بر قرار رکھا۔ اس لیے فریدی اور حمید کے ساتھ ایسے کردار بھی نظر آتے ہیں جن کے نام بھارت میں عام پائے جاتے ہیں مثلاً انسپکٹر جگدیش یا ریکھا وغیرہ۔ اسی طرح فریدی اور حمید کی بعض مہمات ریاستوں کے نوابوں یا نواب زادوں سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔ اس مخصوص پسِ منظر کے ساتھ کہانی کے ماحول میں فریدی کی زبان سے مذہبی نظریات کا اظہار شاید کردار اور واقعات کے ساتھ مطابقت نہ رکھتا اسی لیے فریدی اور حمید مذہبی حوالوں سے بات چیت نہیں کرتے۔ انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا کی گفتگو اور مکالموں میں مذہبی حوالے کثرت سے آتے ہیں۔ مظہر کلیم کے علی عمران کی گفتگو میں یقین اور توکل کی مثالیں بہت ہیں اور وہ ماورائی سلسلے میں کافی مذہبی اصلاحات استعمال کرتا ہے۔ کرنل فریدی یا ابنِ صفی کے کردار علی عمران کا ماورائی سلسلے سے کوئی تعلق نہیں رہا، لیکن کرنل فریدی کی گفتگو میں کبھی کبھی دین و مذہب کا حوالہ ایک مضبوط موقف کی حیثیت سے سامنے آتا ہے:

> "چند لمحے خاموش رہ کر ڈائریکٹر نے کہا۔ "آپ تو انقلابی معلوم ہوتے ہیں کرنل صاحب!"
>
> "حدود اللہ میں رہ کر یقیناً انقلابی ہوں۔ اللہ اس پر کبھی برہم نہیں ہو سکتا کہ کوئی قوم اپنے حالات کو مدِّ نظر رکھ کر اپنے وسائل کی تقسیم کا مناسب استعمال کر لے۔"(2)

فریدی کسی مخصوص فلسفے پر مبنی سیاسی نظریات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ البتہ سماج کی اصلاح اور معاشرے امن کے حوالے سے فریدی نے اپنے نظریات کا اظہار جا بجا کیا ہے۔ وہ قانون کی بالا دستی اور انصاف کی بلا امتیاز فراہمی پر یقین رکھتا ہے۔ وہ قرآن کریم کے نظریے کے مطابق دولت کے ارتکاز کو

درست نہیں سمجھتا اور اس کا خیال یہ ہے کہ خواتین کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے کا نتیجہ ان کی باغیانہ روش کی صورت میں نکلتا ہے۔ فریدی کے ان نظریات کی وجہ سماج دشمن عناصر اور ملک دشمن قوتوں کے ساتھ اس کا مسلسل ٹکراؤ، استحصال کی وجہ سے لوگوں میں پیدا ہونے والا ردعمل اور نظامِ انصاف میں موجود خرابیوں کا ادراک ہے۔ اس نے سماج کے مختلف طبقات کو اندر سے جھانک کر دیکھا اور اس نے مجرموں کی نفسیات اور کردار کا مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ کسی نئے معاشی ایجنڈے کی بجائے لوگوں میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ استحصال سے خود ہی گریز کریں۔

عالمی سطح پر اگر جائزہ لیا جائے تو کرنل فریدی کی مماثلت شرلاک ہومز سے نظر آتی ہے۔ دونوں کردار ذہین ہیں۔ کسی بھی معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے وہ مختلف شواہد کو مد نظر رکھتے ہیں اور دوران تفتیش پیش آمدہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کڑیوں کو ایسے جوڑتے ہیں کہ معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ دونوں کے اسسٹنٹ ہیں۔ دونوں کی نظر مجرم سے زیادہ جرم کی تہہ تک پہنچنا ہوتا ہے۔ دونوں ہی سگار پیتے ہیں۔ البتہ دونوں میں تفاوت یہ ہے کہ کرنل فریدی شراب نوش نہیں ہے جبکہ شرلاک ہومز شراب نوشی کرتا ہے اور کرنل فریدی کی کوئی محبوبہ نہیں ہے بلکہ وہ عورت بیزار شخصیت ہے۔

کرنل فریدی کے کردار میں موجود سنجیدگی، متانت اور منطقی سوچ و فکر کی وجہ سے اس کردار کی کہانیوں میں بھی غور و فکر کا پہلو نمایاں ہے۔ جاسوسی کا عمل بتدریج آگے بڑھتا ہے۔ واقعات کا جائزہ لیا جاتا ہے اور مکالمے کیے جاتے ہیں جن سے کہانی کا ماحول داستان کے رنگ میں فطرت سے ہم آہنگ ہو کر نمایاں ہوتا ہے۔ یہ ماحول انسپکٹر جمشید کی ابتدائی کہانیوں میں بھی دکھائی دیتا ہے لیکن وہ گھریلو سطح تک ہی محدود رہتا ہے۔ جرم کے فلسفیانہ پہلوؤں پر بات نہیں کی جاتی۔ مظہر کلیم کے علی عمران کی کہانیوں میں تیز رفتار ایکشن، ہنگامہ خیزی اور برق رفتار واقعات پیش آتے ہیں۔ کرداروں پر منطقی فکر کی بجائے جذبات غالب دکھائی دیتے ہیں۔ خود ابن صفی کے دو اہم کرداروں فریدی اور علی عمران میں بھی تفاوت موجود ہے۔ کرنل فریدی کی شخصیت میں سنجیدگی ہے اور وہ پیشہ ورانہ خلوص اس کے عمل سے ظاہر ہو رہا ہے لیکن علی عمران کے مزاج میں متلون مزاجی کا عنصر ہے۔ اس کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا اظہار ناول کے ہر صفحے پر نہیں ہوتا بلکہ مخفی رہتا ہے۔ اس کی گفتگو میں مزاح کا عنصر ہے۔ اس کی شخصیت میں بیک وقت دو متضاد کیفیات میں سے کسی ایک کا اظہار ہوتا ہے لیکن اس کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں پر زد نہیں پڑتی۔ خود ابن صفی نے جاسوسی دنیا کے ناول "زمین کے بادل" میں

کمال اور فریدی اور علی عمران کو دونوں میں لایا لیکن اس میں کمال احمد فریدی کو فائق دکھایا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ وہ "جاسوسی دنیا" سیریز تھی اس لیے اس میں کمال احمد فریدی کو ہی فائق دکھانا چاہیے تھا بہر حال اس کے بعد ابن صفی نے دونوں ہیرو کو ایک ناول میں اکٹھا نہیں کیا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ ابن صفی نے دونوں کو متوازی پیش کرتے ہوئے ان کی الگ الگ صفات متعین کی تھیں۔ البتہ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انھیں ان دو کرداروں میں کمال احمد فریدی زیادہ پسند ہے۔ محمد عزم الحق شاہ لکھتے ہیں:

> ہر چند کہ فریدی اور عمران دو الگ کردار ہیں مگر دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ ایک حد سے زیادہ سنجیدہ ہے تو دوسرا شریر طبیعت کا مالک ہے۔ ایک اپنے دشمنوں کو رعب و دبدبہ کے ذریعے مرعوب کرتا ہے تو دوسرا اپنی حماقتوں کے ذریعے دشمنوں کو زیر کرنے کا فن جانتا ہے۔۔۔ بلاشبہ دونوں ہی عالمی شہرت یافتہ کردار ہیں۔۔۔ ابن صفی کا جب جب ذکر ہو گا تب تب یہ ذکر عمران اور فریدی کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا۔(3)

2۔ ساجد حمید کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

ساجد حمید کرنل فریدی کا اسسٹنٹ ہے۔ ابنِ صفی کے ناولوں میں یہ کردار کلیدی اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ کرنل فریدی کی کہانیوں کے اہم حصوں کا راوی یہی ہوتا ہے۔ اس کردار کی انفرادیت اس کا راوی ہونا ہے جو کہ اسے کلیدی کردار کا درجہ دیتا ہے۔ اردو کے جاسوسی ادب میں کوئی اور کردار ایسا نہیں جو اسسٹنٹ ہو اور کہانی کا راوی بھی ہو۔ کیپٹن حمید کا کردار شرلاک ہومز کے ڈاکٹر واٹسن سے ملتا جلتا ہے تاہم ڈاکٹر واٹسن کسی مہم میں عملی طور پر بہت کم حصہ لیتا تھا لیکن کیپٹن حمید ہر مہم کا اہم حصہ ہوتا ہے۔

اپنی صفات کے اعتبار سے یہ ایک خاصا غیر ذمہ دار کردار ہے تاہم اس میں مزاح کا عنصر علی عمران کی مانند ہے۔ اگرچہ علی عمران کے مزاح میں بہت تنوع اور گہرائی اور انفرادیت پائی جاتی ہے لیکن حمید کی لڑکیوں کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں علی عمران کی جھلک محسوس کی جا سکتی ہے۔ تاہم کیپٹن حمید لڑکیوں کی قربت کو دل سے پسند کرتا ہے اور ان سے بے مقصد بات چیت کرنا چاہتا ہے جبکہ علی عمران اس معاملے میں حمید کے الٹ ہے۔ رومانویت اور عشق حمید کے مزاج کا بنیادی جزو ہے جبکہ علی عمران کو اس کی ہوا تک نہیں

لگی۔ حمید کی زندگی اول تا آخر صنفِ نازک کی چاہت سے عبارت ہے۔ اس معاملے میں وہ کرنل فریدی اور علی عمران سے یکسر مختلف ہے تاہم اس کی مزاحیہ گفتگو جب ادبی پیرائے میں ہو اور شعر و سخن پر تنقیدی نگاہ ڈالی جارہی ہو تو حمید میں علی عمران کی جھلکیاں صاف دکھائی دیتی ہیں۔ یہ کردار کام سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور مہم کی طوالت سے اکتا جاتا ہے، یوں اشتیاق احمد کے کردار فاروق سے اس کی مطابقت دکھائی دیتی ہے۔ حمید ہمیشہ فریدی کے ساتھ کام کرتا ہے۔

کرنل فریدی کے مزاج کے برعکس کیپٹن ساجد حمید شوخ، شرارتی، رومانوی اور صنف نازک کی طرف مائل رہنے والی شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ دونوں کے مزاجوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کرنل فریدی سنجیدہ مزاج ہے جبکہ کیپٹن ساجد حمید کرنل فریدی کے سامنے غیر سنجیدہ رویہ رکھتا ہے۔ اس سب کے باوجود کیپٹن ساجد حمید ذہین اور بہادر ہے۔

3۔ علی عمران کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

علی عمران ابنِ صفی کی افتادِ طبع، ذہنی تشکیل، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری کے فن میں مہارت، معلوماتِ عامہ سے واقفیت، تنقیدی تفکر، ظرافت نگاری اور جملہ ادبی صلاحیتوں کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ کردار بیک وقت سائنس اور ادب کا پیکر ہے، عبقریت کی مثال ہے اور فلسفہ و منطق کا چلتا پھرتا نمونہ ہے۔ اس کردار میں پائی جانے والی حماقت آمیز ذہانت کا کوئی جواب نہیں ہے۔ یہ سادگی، معصومیت، شگفتگی اور بذلہ سنجی اور افتادِ طبع اور ذہنی و جسمانی مہارتوں کے بیک وقت استعمال کی وجہ سے ایک منفرد کردار ہے۔ اس کردار میں ہر کردار کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں لیکن کوئی ایک کردار بھی اس جیسی صفات نہیں رکھتا۔ اپنے اوصاف کی وجہ سے یہ کردار اردو ادب میں لافانی شہرت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔

علی عمران کی حماقت آمیز ذہانت اس کی بنیادی صفت ہے۔ اس کی کہانیوں کے ماحول میں شگفتگی، طنز و مزاح اور ظرافت کی فضا قائم رہتی ہے۔ وہ فلسفیانہ انداز میں طنز و مزاح کا پیرایہ اختیار کرتا ہے۔ اس کے گہرے، لطیف، دوٹوک اور برجستہ طنز و مزاح کی کوئی مثال نہیں۔ اس کے ادیبانہ جملوں، شاعرانہ انداز میں کی گئی تنقید اور طرزِ استدلال کا نمونہ کبھی فریدی اور کبھی حمید کی گفتگو میں جھلکتا ضرور ہے لیکن علی عمران کا رنگ انفرادیت کا حامل ہے۔ صرف حمید کی شاعرانہ حماقتیں علی عمران کے مزاح کے مماثل لگتی ہیں لیکن علوم

وفنون اور ادب و سراغ رسانی کے امتزاج سے ایک نئی نوع کا مزاح پیدا کرنا علی عمران کے ساتھ ہی خاص ہے۔ تجرد کی زندگی میں وہ کرنل فریدی سے مطابقت رکھتا ہے لیکن کردار کی دل کشی، دلچسپ مکالموں، شگفتگی اور برجستگی و سادگی میں کوئی کردار اس کے پائے کا نہیں۔

صنفِ مخالف سے جنسی طور پر عدم التفات علی عمران اور کرنل فریدی میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے لیکن علی عمران خواتین میں زیادہ مقبولیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ علی عمران کی شوخی، لاابالی پن، ظرافت، حماقت، ذہانت، برجستگی، شرارت اور موقع پڑنے پر احساسِ ذمہ داری، بہادری، سادگی، دانائی اور بے جگری اور قلندرانہ طرزِ زندگی ہے۔ کرنل فریدی کے مقابلے میں علی عمران کا رویہ صنفِ نازک کے حوالے سے مختلف ہے۔ وہ بظاہر خواتین کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کرتا ہے اور اپنی حماقتوں، شوخیوں اور شرارتوں سے ان کا دل بھی موہ لیتا ہے اور اپنی بہادری اور وسعتِ ظرفی سے انھیں حیران بھی کر دیتا ہے لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ وہ دلی طور پر خواتین کے معاملے میں کٹھور، بدتمیز، بے علم، بے وفا، ظالم اور سنگ دل بھی ثابت ہوتا ہے۔ صنفِ نازک کے حوالے سے اس کے کردار میں جنسیت یا جنسی جذبے کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔ وہ خواتین کے جھرمٹ میں بھی ان سے لاتعلق رہ سکتا ہے اور تنہائی میں بھی وہ کسی عورت کو جنسی کشش کے احساس کے ساتھ نہیں دیکھتا۔ خواتین کے ساتھ گھلنے ملنے اور ان سے اشارے کنائے اور واضح پیرائے میں عاشقانہ اندازِ گفتگو کے باجود عمران کے کردار میں سفلی جذبات دکھائی نہیں دیتے۔ مصنف کی جاسوسی ناول لکھنے کی تحریک ہی یہی تھی کہ کوئی شہ پارہ جنسیت کی مروجہ اظہار کے علاوہ بھی فروغ پا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ابن صفی نے عمران کے کردار کو اسی انداز میں پیش کیا ہے۔ لیکن اس سب کے ساتھ انھوں نے جہاں جنسیت کے زیر اثر ناول کو آگے نہیں بڑھایا وہیں انھوں نے ناول کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لیے دیگر تمام نفسیاتی عوامل کو ملحوظ رکھا ہے۔

ایسا نہیں کہ علی عمران لڑکیوں یا عورتوں سے بات چیت ہی نہیں کرتا بلکہ اس کا شروع ہی سے یہ رویہ رہا ہے کہ وہ انھیں سراغ رسانی کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس ضمن میں اس کی تمام تر توجہ اپنے مقصد کی جانب ہی مبذول رہتی ہے۔ وہ بدکاری اور عیش و عشرت کے قریب بھی نہیں جاتا۔ عورتوں کے ساتھ لگاوٹ بھری یا غزلیہ انداز کی گفتگو بھی عمران کے کسی مخصوص مقصد کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔ اپنا مقصد پورا ہوتے ہی عمران کسی بھی خاتون سے اپنا رویہ بدل لیتا ہے اور بسا اوقات پہچاننے ہی سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کی حماقت

آمیز، معصوم شخصیت کو دیکھ کر جو عورتیں اس کے مقصد یعنی ملک و قوم کی خاطر کسی اہم مشن کی تکمیل کے لیے استعمال ہوتی ہیں وہ بعد میں عمران کے بدلے ہوئے روپ کو دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہیں اور بسا اوقات اس سے نفرت کا اظہار بھی کر دیتی ہیں۔ لیکن علی عمران کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور وہ صرف مقصد براری کی جانب ہی متوجہ رہتا ہے۔ روشی بھی ایسا ہی کردار ہے جو کہ عمران کی سادگی، حماقت، معصومیت اور بہادری کو دیکھ کر اس کی جانب متوجہ ہوتی ہے تاکہ عمران کی دولت سے فائدہ اٹھائے تاہم بعد میں وہ عمران کے لیے ہمدردی محسوس کرنے لگتی ہے اور الٹا عمران کے لیے استعمال ہو کر ایک مجرم کی گرفتاری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ خواتین کے ساتھ عمران کی معصومانہ طرزِ گفتگو کی ایک مثال یہ ہے:

"تم۔۔۔ تم آخر ہو کیا بلا!"

"میں بلا ہوں!" عمران برامان گیا۔

"اوہ۔۔۔ ڈیئر۔۔۔ تم سمجھے نہیں!"

"ڈیئر۔۔۔! یعنی کہ تم مجھے ڈیئر کہہ رہی ہو!" عمران مسرت آمیز لہجے میں چیخا۔

"ہاں کیوں کیا حرج ہے! کیا ہم گہرے دوست نہیں ہیں۔" روشی مسکرا کر بولی۔

"مجھے آج تک کسی عورت نے ڈیئر نہیں کہا!" عمران مغموم آواز میں بولا۔(4)

اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ عمران احمق بن کر عورتوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے فن کا ماہر ہے۔ احمق بن کر عورتوں کی ہمدردی بٹورنے کی عادت تقریباً اس کی ہر اہم مہم میں سامنے آتی ہے۔ جولیا ایک الگ مثال ہے جو کہ عمران کی ٹیم کا حصہ بنتی ہے لیکن وہ سرکاری ملازم ہے اور سیکرٹ سروس کی رکن ہے۔ عورتوں کی ہمدردی حاصل کرنے کا مقصد جرم کی تہہ تک پہنچنا ہوتا ہے۔ اس کی اداکاری بے مثال ہے۔ مقصد براری کے لیے علی عمران خواتین کے ساتھ عشق کے اظہار سے بھی نہیں چوکتا جبکہ فریدی نے یہ حربہ بہت کم استعمال کیا ہے، علی عمران کی بہ نسبت وہ زیادہ مناسب رومانوی انداز میں اظہارِ خیال کرتا ہے۔

کرنل فریدی اور علی عمران دونوں کو اپنے ماتحتوں کی جانب سے عورتوں کے متعلق رومانی خیالات کا اظہار ہضم نہیں ہوتا۔ دونوں کا رویہ تلخ ہو جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین کے ساتھ رومانوی گفتگو

ان کے نزدیک وقت کا ضیاع ہے۔ وہ جب یہ کام کرتے ہیں تو ایسی گفتگو ان جذبات و احساسات کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ وہ اپنے مقصد تک پہنچنے کا محض ایک حیلہ ہوتا ہے۔

ناول "پر اسرار چیخیں" میں علی عمران کا ایک دوست جب ایک لڑکی کے سحر میں گرفتار ہو کر رومانوی جذبات کا اظہار کرتا ہے تو عمران اسے تھپڑ مارنے کی دھمکی دیتا ہے:

"ہائے! تو تم بھی یہی ثابت کر رہے ہو کہ وہ دھوکے باز ہے!۔۔"

"اب تم بکواس نہ کرو! ورنہ گولی مار دوں گا!"

"گولی مار دو! مگر یقین نہیں کروں گا کہ وہ دھوکے باز ہے! وہ بہار کی ہواؤں کی طرح ہولے ہولے چلتی ہے! اس کے رخساروں سے صبح طلوع ہوتی ہے! اس کے گیسوؤں میں شامیں انگڑائیاں لیتی ہیں!"

"اور میرا چانٹا تمھاری آنکھوں میں دنیا تاریک کر دے گا۔ میں کہتا ہوں مجھے اس کا پتہ چاہیے اور کچھ نہیں!" (5)

فریدی نے کبھی کسی عورت کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دی لیکن مقصد براری کے حوالے سے علی عمران نے جس عورت کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دی اس کا نام روشی ہے۔ یہ کردار ابتدائی کہانیوں میں عمران کے ساتھ وابستہ ہوا ہے لیکن عمران کبھی بھی اس کی جانب جنسی یا رومانوی جذبات و احساسات کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتا۔ روشی عمران کے ارتقائی سفر اور سیکرٹ سروس کا سربراہ یعنی ایکس ٹو بننے کے راز سے واقف ہے۔ وہ علی عمران کو اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ صنفِ نازک کی جانب التفات کرنے والا شخص ہی نہیں۔ چنانچہ وہ عمران کے ساتھ رہنے، اس کا ساتھ دینے اور مختلف مواقع پر اس سے لڑنے جھگڑنے کے باوجود اس بات کو دل میں کبھی جگہ نہیں دیتی کہ عمران اس کے لیے کبھی سنجیدہ ہو گا۔ علی عمران کا ساتھ دینے والا دوسرا نسوانی کردار ایک سوئس نژاد لڑکی جولیا کا ہے جو کہ ترکِ وطن کر کے علی عمران کے ملک میں رہنے لگتی ہے اور عمران بطور سیکرٹ سروس چیف، اسے سروس کا ممبر بنالیتا ہے لیکن وہ ایکسٹو کے راز سے ناواقف ہے۔ جولیا واحد لڑکی ہے جس کے ساتھ تعلق میں عمران سنجیدہ دکھائی دیتا ہے اور خود جولیا کو بھی یہ خوش گمانی ہے کہ ایک نہ ایک دن عمران اس کے ساتھ شادی کر لے گا۔ جولیا کے ساتھ علی عمران کبھی کبھی رومانوی

انداز کی مزاحیہ گفتگو کرتا ہے لیکن اس کا التفات ظاہر نہیں ہوتا۔ انسانی نفسیات، مزاج اور طبائع کے اعتبار سے یہ ایک مثالی صورت ہے لیکن اس رویے کے ذریعے علی عمران کا کردار نوجوانوں کو کج روی، جنسی تلذذ، عریانی اور فحاشی کی لت اور صنفِ مخالف کے ساتھ ناجائز تعلقات سے روکنے کے لیے ایک معلم کا کام انجام دیتا ہے۔

علی عمران بھی کرنل فریدی کی مانند سراغ رساں ہے لیکن وہ حب الوطنی، بے نفسی و بے غرضی اور انکساری میں کرنل فریدی سے دو قدم آگے ہے۔ وہ کبھی اپنی ذات کو درمیان میں نہیں لاتا۔ اسے کچھ بھی کہہ دیا جائے وہ سن لیتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ نہ تو اس کا کوئی اصول ہے نہ ہی اس کی زندگی کا کوئی مخصوص ڈھب۔ وہ ایک مسافر کی مانند زندگی کو اس کے ہر رنگ میں خاموشی کے ساتھ کوئی گلہ، شکوہ کیے بغیر گزارتا چلا جارہا ہے۔ اس کی بے قرار لیکن بے غرض طبیعت کسی منزل پر قرار نہیں پاتی۔ کرنل فریدی کی طرح وہ بھی گھریلو زندگی کے لطف سے محروم ہے۔ لیکن کہانیوں میں علی عمران کی گھریلو زندگی کی جھلکیاں مسلسل سامنے آتی رہتی ہیں۔ وہ ایک گھر رکھتا ہے جس میں اس کے والدین اور بہن موجود ہیں۔ کرنل فریدی کی گھریلو زندگی ناول میں سامنے نہیں آتی۔

پرندوں کی دنیا کے درویش کی طرح علی عمران کا بھی درحقیقت کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہے۔ کہانیوں کے سلسلے کے آغاز میں وہ اپنے والدین کی عظیم الشان کوٹھی میں مقیم ہوتا ہے۔ حماقتوں کا سلسلہ بڑھنے پر اس کے سخت گیر والد جو کہ سنٹرل انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر اور خاندانی طور پر ایک بڑے جاگیر دار ہیں، عمران کو اپنی کوٹھی سے نکال دیتے ہیں۔ عمران کی والدہ ایک قدامت پرست اور روایتی گھریلو خاتون ہیں جو کہ اپنے اکلوتے بیٹے سے بے حد محبت کرتی ہیں تاہم دین و مذہب پر عامل ہونے کی وجہ سے وہ بیٹے کی بے جا رعایت کی بھی قائل نہیں۔ ماں کی محبت اور تربیت کی وجہ سے عمران کی روح میں قدامت پسندی رچی ہوئی ہے لیکن اس کے والد جاگیر دار ہونے کے باوجود ایک جدت پسند، بے لچک، اصولوں پر کاربند اور اولاد کو اس کی اوقات میں رکھنے کے قائل ہیں جو کہ علی عمران سے محبت اور اپنائیت کا اظہار اپنی انا کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس لیے عمران ان کے مشفقانہ رویے سے عام طور پر محروم رہتا ہے اور ردعمل کے طور پر وہ ایسی حرکتیں شروع کر دیتا ہے جو کہ اس کے والد کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہیں۔ عمران کی ظاہری شخصیت پر حماقت کا پردہ دراصل والد کی سخت گیری اور نظر انداز کرنے کا غیر شعوری جواب ہے جو کہ بعد میں اس کی شخصیت کا حصہ

بن جاتا ہے ،اس کے والد چاہتے ہیں کہ وہ اپنی قابلیت اور ڈگریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی اعلیٰ سرکاری ملازمت حاصل کرے اور انہی کی طرح عزت و وقارر ،شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ زندگی بسر کرے لیکن علی عمران کے قلندرانہ مزاج میں شان و شوکت، ٹھاٹھ باٹھ اور آن، بان کا کوئی گزر نہیں۔ اس کا مسلک تو یہ ہے کہ وہ ایک قلندر ہے جو جب تک جیے گا اسی وضع قطع کے ساتھ جیے گا اور جب وقت پورا ہو جائے گا تو وہ خاموشی کے ساتھ دنیا سے گزر جائے گا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ عمران کی یہ سادگی، حماقت اور والد کو چڑانے والی حرکتیں آخر کار ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہیں اور اس کے والد اسے گھر سے نکال باہر کرتے ہیں۔ گھر سے باہر نکلنا دراصل علی عمران کی شعوری کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے کیوں کہ گھر میں رہتے ہوئے وہ جرائم کی تحقیق، سراغ رسانی اور ملک دشمن اور سماج دشمن عناصر کے خلاف کھل کر کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے اصول پسند والد کا خیال یہ ہے کہ عمران چوں کہ کسی سرکاری عہدے یا دفاعی ادارے سے منسلک نہیں اس لیے اسے جرائم کی تحقیق و تفتیش میں کوئی کردار ادا نہیں کرنا چاہیے لیکن عمران کی فطری جبلت، مادۂ تجسس اور جستجو کی عادت سے یہ بعید ہے کہ وہ موقع ملنے کے باجود جرم کی حقیقت کو طشت از بام نہ کرے اور مجرم کو قانون کے دائرے میں نہ لائے۔ ابتدائی دور میں علی عمران کو جرائم کی تحقیق و تفتیش میں کردار ادا کرنے کے جو مواقع میسر رہے وہ اس کے والد کے محکمے کے ایک انسپکٹر فیاض کی مرہونِ منت تھے جو علی عمران کی ذہانت سے فائدہ اٹھا کر ترقی کرنا چاہتا ہے۔ علی عمران فیاض کی مدد کرتا ہے اور کئی خطرناک مجرم اس کی کوششوں سے گرفتار ہو کر فیاض کی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ اسی دوران میں ایک خاتون روشی کے ساتھ رہنے کی وجہ سے علی عمران کے والد اسے کوٹھی سے نکال دیتے ہیں اور کوٹھی میں اس کا داخلہ ممنوع قرار پاتا ہے۔ چوں کہ معاملہ ایک خاتون کے ساتھ تعلق کا ہوتا ہے اس لیے والدہ بھی عمران کی حمایت نہیں کر پاتیں اور یوں وہ گھر سے بے دخل ہو جاتا ہے۔

عمران فیاض کے ایک فلیٹ پر قبضہ کر لیتا ہے اور اسی کے ایک حصے میں جاسوسی کا نجی ادارہ کھول لیتا ہے۔ عمران کے ساتھ اس کا ایک ملازم سلیمان بھی کوٹھی چھوڑ کر فلیٹ میں آجاتا ہے۔ یہ دونوں ایک نیا گھر بناتے ہیں جس کا ہر کردار ایک مستقل "نمونے" کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ بعد ازاں علی عمران کی رسائی اس کے والد کے بہترین دوست سر سلطان تک ہو جاتی ہے جو کہ محکمۂ خارجہ کے سیکرٹری ہیں اور وہ عمران کی بے پناہ ذہانت کے دل سے قدر دان ہیں۔ سر سلطان کی کوششوں سے علی عمران سرکاری عہدے دار بن جاتا ہے لیکن

اس کی گھریلو زندگی عجوبہ روزگار ہی رہتی ہے۔ سلیمان کے بعد اس کے گھر میں نیا اضافہ جوزف کا ہوتا ہے جو کہ خود کو علی عمران کا غلام تصور کرتا ہے۔ جوزف کے آنے سے علی عمران کی گھریلو زندگی میں نئے دل چسپ حوادث اور انوکھے واقعات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ علی عمران کے ملنے جلنے والے اس کی عجیب و غریب گھریلو زندگی پر حیرت بھی کرتے ہیں اور اسے ملامت بھی کرتے ہیں کہ وہ کیوں جانوروں جیسی زندگی بسر کر رہا ہے لیکن وہ ہنس کر ٹال دیتا ہے۔ ایک مہم کے دوران میں اسے والد کی کوٹھی میں واپسی کی اجازت مل جاتی ہے۔ یوں وہ عرصے بعد گھر واپس لوٹتا ہے لیکن مہم کے اختتام پر پھر سے فلیٹ لوٹ جاتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ وہ جو ذمہ داریاں اٹھا چکا ہے اس کے بعد ایک خالص گھریلو زندگی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کوٹھی میں عمران کو داخلے کی اجازت والد پر حملے کے بعد ملی تھی۔ وہ ایک سال بعد اپنے گھر میں قدم رکھتا ہے جس سے اس کے والد کی طبیعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ”یہاں کوٹھی میں عمران کی آمد کا شہرہ ہو گیا تھا۔ وہ پورے ایک سال بعد کوٹھی میں قدم رکھنے والا تھا۔“(6)

ایک سال بعد والد کی طرف سے اس پر عائد شدہ پابندی اٹھالی جاتی ہے۔ والد کی طرف سے پابندیاں ہٹنے کے بعد وہ کوٹھی میں آنا جانا رکھتا ہے اور گاہے بگاہے والدہ کی خدمت میں حاضری دینے کے ساتھ ساتھ والد کے ساتھ اس کی مڈبھیڑ جاری رہتی ہے۔ والدہ کے ساتھ عمران کا رویہ والد کے ساتھ روا رکھے جانے والے برتاؤ سے مختلف ہے۔ والدہ عمران کو ڈانٹتی بھی ہیں اور زیادہ غصہ آجائے تو اس کے سر پر جوتیوں کی برسات کرنے سے بھی نہیں چوکتیں لیکن دنیا بھر کے مجرموں کو ناکوں چنے چبوانے والا علی عمران خاموشی سے والدہ کی جوتیاں سر پر کھاتا دکھائی دیتا ہے اور جواب میں ایک لفظ تک نہیں کہتا۔

گھر کے باوجود علی عمران کی خانگی پابندیوں سے آزاد زندگی بسر کرتا ہے۔ کرنل فریدی بھی مجرد زندگی بسر کرتا ہے۔ البتہ اس کے اور حمید کے درمیان یہ مماثلت موجود ہے کہ کیپٹن حمید بھی گھر بار رکھتا ہے لیکن وہ اپنی زندگی فریدی کے ساتھ گزار رہا ہے۔ دونوں کرداروں میں یہ فرق بھی موجود ہے کہ حمید کے گھر والوں کا ذکر کہانیوں میں بہت کم آیا ہے جبکہ عمران کے والدین کا ذکر اکثر کہانیوں میں موجود ہے۔ اس کی اپنی بہن ثریا کے ساتھ نوک جھونک کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ اشتیاق احمد کے مرکزی کرداروں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بیک وقت سراغ رساں بھی ہیں اور نہ صرف ایک بھرپور گھریلو زندگی رکھتے ہیں بلکہ ان کا

خاندان بھی اس کام میں ان کا معاون ہے۔ گویا اشتیاق احمد کی یہ انفرادیت ہے کہ انھوں نے اپنے ناولوں میں سراغ رساں گھرانے کا تصور پیش کیا۔

خلاصہ یہ کہ علی عمران گھریلو زندگی کے لحاظ سے بھی منفرد ہے۔ وہ اپنے فرائض کی بجاآوری کی خاطر ایک جاگیر دار اور ریاست کے اعلیٰ عہدے دار باپ کا اکلوتا بیٹا ہونے کے باوجود قبضے کے فلیٹ میں جانوروں جیسی زندگی بسر کر رہا ہے اور والدہ کے اصرار کے باوجود وہ گھر واپس نہیں لوٹتا۔ والد کی کوٹھی سے بے دخل کر دیے جانے کی وجہ سے وہ قبضے کے ایک فلیٹ میں وقت گزار رہا ہے لیکن اس فلیٹ میں بھی اس کا باورچی سلیمان، ملازم جوزف اور مختلف آنے جانے والے طرح طرح کے ہنگامے برپا رکھتے ہیں اور علی عمران کو یہ سب کچھ بھگتنا پڑتا ہے۔ آرام و سکون سے خالی، مہم جوئی سے بھرپور اور خطرات میں گھری ایسی زندگی کے باوجود علی عمران اپنے فرائض کی بجاآوری کی خاطر ہر قسم کے حالات کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا ہے اور اس کی جبین پر شکن تک نہیں آتی۔

علی عمران اور کرنل فریدی میں رویے، مزاج اور پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے طریقہ کار میں بنیادی فرق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قاری کی دلچسپیوں کو بھی اس حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک زمانے میں سراغ رسانی پر مبنی کہانیوں کی طلب تھی لیکن پھر جاسوسی کہانیوں نے مقبولیت حاصل کر لی۔ اس حوالے سے فاروق احمد لکھتے ہیں:

> پہلی جنگ عظیم سے قبل کی دنیا شرلاک ہومز کی دنیا کہلاتی ہے اور دوسری عالمی جنگ کے بعد کی دنیا جیمز بانڈ کی دنیا۔ شرلاک ہومز ڈیٹیکٹیو (سراغ رساں) تھا اور جیمز بانڈ جاسوس۔ جنگ اور جاسوسی لازم و ملزوم ہیں۔۔۔ جنگ کا پیمانہ جب آدھی دنیا پر محیط ہوا تو جاسوسی کی کاروائیوں اور سرگرمیوں کا اخباروں اور ریڈیو کی شہ سرخی بن کر شہریوں کے اعصاب پر چھا جانا قابل فہم ہے۔ اس لیے یہ دور جاسوسوں کے عروج کا دور تھا۔۔۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اور سرد جنگ کے دور میں داخل ہونے کے بعد روایتی جنگ و جدل کی جگہ جاسوسوں کی پنجہ آزمائی نے لے لی۔۔۔ اس صورت حال سے سری فکشن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کرائم فکشن کے ناولوں کے فروخت میں کمی اور سپائی فکشن کی طلب کئی گنا بڑھ گئی۔ سراغ رساں (Detective) کی نسبت

جاسوسی (Spy) کے کردار پر مبنی ناول زیادہ مقبول ہونے لگے تھے۔ سراغ رساں کا کردار پیچھے چلا گیا اور جاسوس کا کردار آگے آ گیا۔ ابن صفی کا فریدی بنیادی طور پر سراغ رسانی کی محکمے سے تھا اور عمران کا جاسوسی ادارے سے۔ اور دیکھ لیجیے فریدی کی نسبت عمران زیادہ مقبول ہوا۔(7)

مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہو رہا ہے کہ معاشرتی حالات و واقعات کے تناظر میں قارئین کی دلچسپیاں اس کی طلب کو بڑھا کر اس کی مقبولیت میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ فاروق احمد نے علی عمران کی مقبولیت کی وجہ بھی پس منظر کے ساتھ نہایت وقیع انداز میں بیان کی ہے۔

علی عمران کا ٹکراؤ متنوع مجرموں سے ہوا ہے، اس نے سماجی نوعیت کے جرائم میں ملوث مجرموں کو بھی گرفتار کیا اور اس کا مقابلہ بین الاقوامی مجرموں سے بھی ہوا، ایسے مجرموں سے بھی ہوا جو کہ دراصل کسی دوسرے ملک کے ایجنٹ تھے اور ایسے مجرموں سے بھی جو کہ بین الاقوامی اسمگلر، عالمی ٹھگ اور نوسرباز یا بلیک میلر تھے، لیکن اس کا زیادہ تر واسطہ ایسے ہی مجرموں سے رہا جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح ملک کے امورِ خارجہ سے تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے وزراتِ خارجہ کے تحت قائم کی گئی سیکرٹ سروس کا چیف بنا دیا گیا۔ اپنی شخصیت کے پیشِ نظر علی عمران نے اپنے عہدے کو خفیہ رکھا اور ایک ڈمی چیف کو سامنے رکھ کر ماتحتوں سے کام لیتا رہا۔ دوسری جانب کرنل فریدی کا سراغ رسانی میں بعض اوقات اس انداز میں کام کرتا ہے کہ اس کے اسسٹنٹ ساجد حمید کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی لیکن بہر حال اس کا عہدہ یا ذمہ داریاں کسی سے مخفی نہیں ہیں۔

کرنل فریدی کہانی میں بنیادی نوعیت کے کام خود ہی انجام دیتا ہے۔ کہانی کے پلاٹ کا بڑا حصہ جرم کی نوعیت، اس کی پیچیدگی اور کرنل فریدی کی مجرموں تک رسائی کے منطقی تانوں بانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے دوست کہانی کا بنیادی حصہ بہت کم بنتے ہیں۔ جگدیش اور ریکھا جیسے کردار اس کے ماتحت ہیں اور وہ بھی کہانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ حمید کہانی کے بنیادی راوی کا درجہ رکھتا ہے۔ قاسم کو ایک مضحک کردار کے طور پر لایا گیا ہے جس کی وجہ سے کہانی میں دل چسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ متعدد ناولوں میں قاسم کہانی کے بنیادی پلاٹ کا حصہ بھی بنا ہے۔

جبکہ علی عمران بھی کہانی کے بنیادی کام خود انجام دیتا ہے لیکن وہ اپنی ٹیم کو کاموں میں استعمال کرتا ہے اور ٹیم کہانی میں فعال بھی دکھائی دیتی ہے۔ خاص طور پر صفدر کے ذریعے کہانی کا ایک اہم حصہ بیان کیا جاتا ہے۔ علی عمران کی کہانیوں میں سلیمان، گل رخ، جوزف اور استاد محبوب نرالے عالم کے ذریعے مضحکہ خیز حالات پیدا کیے جاتے ہیں لیکن علی عمران خود بھی مزاح پیدا کرنے میں بنیادی کردار کا درجہ رکھتا ہے۔ ابن صفی نے نسوانی کرداروں کے ذریعے بھی قولِ مضحک اور مزاحیہ حالات کو تخلیق کیا ہے۔ علی عمران کی کہانیوں میں نسوانی کرداروں کے ذریعے مضحکہ خیز حالات کو پیدا کرنے کا عنصر زیادہ ہے۔

"یہ عورتیں میری سمجھ میں آج تک نہ آسکیں۔" عمران بڑبڑایا۔

"دن بھر بچوں کے کان کھینچتی ہیں کہ فضول خرچی اور چٹور پن سے باز آئیں لیکن خود سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر آلو چھولے خریدتی ہیں اور کھاتی ہیں نگوڑماریاں!"

"کیا موقع تھا اس بات کا۔" نینا جھنجلا گئی۔

"اب موقعے کا انتظار کون کرتا پھرے۔ یہاں تو جب بھی جو کچھ ذہن میں آیا الفاظ میں ڈھل گیا!"(8)

علی عمران کی عالمانہ صلاحیتوں کا بھی کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ بے جگر اور نڈر ہے اور علمی، ذہنی، جسمانی اور ادبی صلاحیتوں کا امتزاج ایسا دوسرا کردار اردو جاسوسی ادب میں موجود نہیں ہے۔ مظہر کلیم نے بھی علی عمران کے کردار کو ہی اختیار کیا اور خود ان کے مطابق انھوں نے ابنِ صفی کے علی عمران کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔(9) لیکن ابنِ صفی کا علی عمران شخصیت، صفات اور کرداری نزاکتوں کے لحاظ سے مظہر کلیم کے علی عمران سے فائق دکھائی دیتا ہے۔ علی عمران زیادہ تر معرکوں میں خود ہی ہیرو رہا لیکن "زمین کے بادل" نامی کہانی میں کرنل فریدی اور علی عمران مشترکہ طور پر تاریک وادی کے سفر میں شریکِ مہم ہوئے۔ اس کہانی میں کرنل فریدی، علی عمران پر فائق دکھائی دیا۔ ناول "زمین کے بادل" میں علی عمران کی کیپٹن حمید کے ساتھ ان بن رہی لیکن مضحک کردار قاسم کے ساتھ اس کی دوستی ہوگئی۔ ابنِ صفی نے ان دونوں مقبول کرداروں کو ایک کہانی میں جمع کرنے کا تجربہ دوبارہ نہیں کیا کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ مشترکہ مہم میں کرداروں کے معیار کو برقرار رکھنا اور انصاف سے کام لینا دشوار کام ہے اور اس میں کہانی متاثر

ہو سکتی ہے۔ ابنِ صفی کے علی عمران کا تقابل اگر مظہر کلیم کے کردار علی عمران سے کیا جائے تو مظہر کلیم کے ناولوں میں علی عمران نے کرنل فریدی کے ساتھ مشترکہ مہمات بھی انجام دی ہیں اور دونوں کرداروں کے درمیان مقابلے بھی ہوئے ہیں جن میں علی عمران کو فوقیت دی گئی ہے۔

علی عمران کا کردار پاکستان کے مخصوص معاشرے اور ایک نئی مسلم ریاست کو درپیش چیلنجوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تشکیل دیا گیا۔ ایک نوزائیدہ مملکت کو مختلف حوالوں سے مسائل کا سامنا تھا۔ اس دور میں دنیا دو بڑے کیمپوں میں سمٹ رہی تھی۔ پاکستان نے مغربی کیمپ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ بین الاقوامی سطح ملکوں کے درمیان سفارتی سطح پر بہت سے تنازعات بھی تھے اور خفیہ معاہدوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ان حالات میں عالمی تعلقات ملکوں کے داخلی معاملات کو متاثر کر رہے تھے۔ ہر ریاست کے لیے قومی سلامتی کا مسئلہ اہمیت اختیار کر چکا تھا۔ علی عمران کا کردار قومی سلامتی کو درپیش چیلنجوں میں ایک ایسے فرد کا ہے جو ستائش، صلے، داد و تحسین، رتبے اور عہدے کی اکڑفوں اور ذاتی ضرورتوں سے بے نیاز ہو کر صرف ملک و قوم کی خاطر خدمات انجام دیتا ہے۔ علی عمران پہلی ہی کہانی میں ایک ایسے شخص کو گرفتار کرواتا ہے جو دفترِ خارجہ کی سیکرٹ سروس کے ایک ایجنٹ سے کاغذات ہتھیانے کے چکر میں تھا۔ کرنل فریدی و حمید کے کردار سماج میں مجرمانہ رجحانات کے مقابلے اور قانون کی بالادستی کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ بعد میں علی عمران کو محکمۂ خارجہ کی اسی سیکرٹ سروس کا خفیہ سربراہ بنایا گیا۔ اس سروس کے سربراہ کی حیثیت سے اس کی ذمہ داریوں میں ایسے ہی جرائم کی روک تھام یا تفتیش شامل تھی جو کہ قومی مفادات، ملکی سطح اور حکومت کے بڑے منصوبوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ علی عمران کا مقابلہ عمومی طور پر ملکی یا عالمی سطح پر کام کرنے والے مجرم گروہوں سے رہا۔ اس نے انفرادی سطح پر سماجی نوعیت کے جرائم کرنے والوں سے کم ہی مقابلہ کیا۔

وہ اسمگلروں، بلیک میلروں، وطن فروشوں اور دیگر قانون شکن گروہوں سے ٹکراتا رہا۔ غیر ملکی جاسوسوں کے ساتھ اس کا مسلسل مقابلہ رہا۔ ہمبگ دی گریٹ، اوٹو ویلانی، ڈاکٹر دعاگو، کرنل ہاپلنز، نیچریوں کے روپ میں غیر ملکی جاسوسوں کے ٹولے، الفانسو، نانوتہ، تھریسیا، سنگ ہی جیسے مجرموں سے اس نے اپنے ملک میں مقابلے کیے۔ زیرولینڈ کی مقامی تنظیموں اور ایجنٹوں کے ساتھ اس کی طویل لڑائیاں ہوئیں۔ اس نے عالمی سطح پر بھی طویل مہمات سر کیں جن میں کنگ چانگ اور ایڈلاوا کی مہمات بہت اہم ہیں۔ اس نے بعض

ایسے مجرموں کے ساتھ بھی لڑائیاں کیں جو کسی سماجی فلسفے یا سائنسی تجربے کی روشنی میں اپنے مشن کی تکمیل چاہتے تھے لیکن ان کی سرگرمیاں انسانوں کے لیے خطرہ بن چکی تھیں۔

علی عمران کے کردار میں مذہب پرستی میں شدت کے عناصر دکھائی نہیں دیتے لیکن اس کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ والدہ کی تربیت کی وجہ سے وہ نظریاتی طور پر ایک پختہ مسلمان ہے۔ کسرِ نفسی، سادگی، درویشی اور مقصد کے ساتھ بے لوث وابستگی اور جنسی بے راہ روی سے گریز اسے ایک کھرا اور سچا انسان ثابت کرتی ہے۔ مشرق و مغرب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے، دونوں کے ادب اور فلسفے کو سمجھنے اور زندگی میں ان کے مظاہر کا مشاہدہ کرنے کے بعد علی عمران کا جرم اور عالمی سیاست میں گہرا تعلق دکھائی دیا ہے۔ جو کام ایک عام آدمی کے لیے جرم ہے وہی کام ایک ریاست کرے تو اسے کارنامہ کیوں سمجھ لیا جاتا ہے؟ علی عمران کی فلسفیانہ حس نے اسے نظریہ حماقت پیش کرنے پر مجبور کیا۔ سیاسی اعتبار سے وہ انسانوں پر خداہی کی حکومت کو درست سمجھتا ہے۔ اس نے مذہبی نظریات پیش نہیں کیے لیکن نیچریت اور الحاد کے پردے میں ایک بڑی طاقت کے کارندوں سے وہ نظریاتی اور عملی دونوں طرح سے ٹکرایا۔ علی عمران قومی مفادات کے حوالے سے دور اندیش اور گہری سوچ و فکر کا مالک ہے لیکن وہ جمہوریت اور آمریت کی بحث میں الجھنا پسند نہیں کرتا۔ عالمی سطح پر پیش آنے والے واقعات کو دیکھ کر وہ انسان کے مستقبل کے حوالے سے دکھی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا کے نظام پر کسی ان دیکھی قوت کا تسلط ہوتا جارہا ہے۔ وہ انسانوں کو تباہی کی جانب بڑھتا ہوا محسوس کرتا ہے اس لیے وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے گا، دنیا کے ہر مظلوم کے کام آنے کی کوشش کرتا رہے گا۔

ب۔ اشتیاق احمد کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل:

1۔ انسپکٹر جمشید کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

اپنی صفات، مزاج، طبیعت اور عمل کی وجہ سے اردو کے جاسوسی ادب میں انسپکٹر جمشید ایک نمایاں کردار ہے۔ اس کردار میں وطنیت، مذہب اور پیشہ ورانہ مہارتوں کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ یہ ذہانت، بہادری، عقل مندی، رحم دلی، سخاوت، ہمدردی، حب الوطنی، سرفروشی اور سراغ رسانی کے لیے درکار پیشہ وارانہ مہارتوں اور متنوع صلاحیتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے کردار میں سنجیدگی، ظرافت، بذلہ سنجی اور جذبات و احساسات کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ اپنی صفات کے اعتبار سے یہ کردار بنِ صفی کے کرنل فریدی سے مماثلت رکھتاہے تاہم اس میں اور کرنل فریدی میں فرق یہ ہے کہ فریدی گھریلو زندگی سے دور ہے اور اس کی تمام تر توجہ مکمل طور پر اپنے پیشے اور جنون کی طرف مرتکز ہے لیکن انسپکٹر جمشید کی زندگی ایک پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ مکمل گھریلو زندگی ہے جس میں وہ اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ مختلف اہم کاموں کی انجام دہی میں مشغول دکھائی دیتا ہے۔ فاروق احمد لکھتے ہیں:

> سری ادب کو اشتیاق احمد نے بھی ایک نئی جہت عطا کی ہے اور وہ جہت یہ کہ ان کے سراغ رساں "فیملی مین" ہیں۔ اردو میں تو دور کی بات انگریزی ادب میں بھی ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جہاں سراغ رساں کا کوئی اپنا بھی گھرانہ ہو اور نہ ایسی کوئی مثال کہ جہاں گھرانہ ہونے کے باوجود وہ اس کا ایک لازمی جزو بھی ہو یعنی سراغ رساں یا تو بے گھرانہ شخصیت ہوتا ہے یا پھر بے گھر اور لازمی طور پر کنوارہ بھی۔۔۔ انقلابی طور پر ان (اشتیاق احمد) کے جاسوسی ناولوں کے کردار حقیقی زندگی کے فیملی مین ہیں۔ وہ حقیقی زندگی کے سراغ رسانوں کی طرح بیک وقت اپنی پیشہ ورانہ اور گھریلو ذمہ داریاں نبھاتے نظر آتے ہیں۔ وہ بیک وقت سراغ رساں بھی ہیں اور باپ بھی۔(10)

انسپکٹر جمشید کی ذاتی زندگی بہت سادہ ہے۔ یہ گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر کے معمول پر کاربند رہتاہے۔ یہ وقت کی تنظیم کا عادی ہے۔ دفتر سے گھر پہنچنے میں اسے چند ساعت کی تاخیر بھی ہو جائے تو یہ بات

خلافِ معمول تصور کی جاتی ہے۔ کرنل فریدی کو ایسا کوئی جھنجھٹ لاحق نہیں جبکہ علی عمران بھی خانگی زندگی کی پابندیوں سے آزاد ہے۔

یہ ایک سنجیدہ کردار ہے جسے اولاد کی تعلیم و تربیت کی فکر رہتی ہے۔ یہ کردار اپنے بچوں کو سراغ رسانی اور ملک و قوم کی خدمت کی عملی تربیت دیتا ہے اور انھیں مہمات میں شریک رکھتا ہے۔ اس نے بچوں کی غیر معمولی انداز میں تربیت کی ہے۔ اس کے بچے ہمت، جوش و جذبے اور عملی مہارتوں میں اپنے عمر بچوں سے بہت آگے ہیں۔ عام طور پر وہ مجرموں پر بھاری ثابت ہوتے ہیں۔ اس کی شریکِ حیات اس کے فرائض کی ادائی میں معاون ہے۔ گھریلو ماحول میں بھی سراغ رسانی، جرائم کی بیخ کنی اور ملک و ملت کے لیے جدوجہد کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس طرح انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں کے جاسوسی معرکے اور گھریلو ماحول ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہی صورتِ حال ان کرداروں کے چربے یعنی انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے بچوں کے ساتھ بھی پیش آتی ہے۔ یہ ان کرداروں کی انفرادیت ہے۔

گھریلو ماحول میں یہ کردار روایتی مذہب پسندوں کی طرح اولاد پر بے جا سختی، کڑی پابندیوں اور ہر وقت روک ٹوک کے قائل نہیں۔ ایسے مواقع بہت کم ہیں جب یہ کردار اپنے بچوں کو ڈانٹتے، ڈپٹتے دکھائی دیں۔ بعض مواقع پر یہ کردار بچوں پر ناراضی کا اظہار کریں تو یہ وقتی ردِ عمل ہوتا ہے۔ ان کرداروں کا عمومی رویہ ستائش، ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی پر مشتمل ہے۔ یہ سب کردار پُرسکون اور مثالی گھریلو زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے مقابلے میں کرنل فریدی، حمید، علی عمران کے پاس پرسکون گھریلو زندگی کا کوئی تصور نہیں اور بچے تو وہاں موجود ہی نہیں۔

گھریلو اور پیشہ ورانہ زندگی کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ انسپکٹر جمشید کا ایک مختصر سا دوستوں کا حلقہ بھی ہے۔ ان میں خانِ رحمان نامی ہیروں کی کانوں کا مالک ایک کردار ان کا نہایت گہرا دوست ہے۔ یہ کردار ہر بڑی مہم میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے معروف سائنس دان پروفیسر داؤد بھی تمام مشاغل کو ترک کر کے انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں کے ساتھ مہم جوئی یا سیر و تفریح کے لیے نکلنے پر تیار رہتے ہیں اور اکثر مہمات میں ان کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ انسپکٹر کامران مرزا بھی انسپکٹر جمشید کے گہرے دوست ہیں۔ ان دوستوں کے ساتھ انسپکٹر جمشید کے تعلقات مثالی ہیں۔ یہ ہر مشکل میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں اور مل کر ملک و قوم کے لیے کارنامے انجام دیتے رہتے ہیں۔ دوستوں کا حلقہ بھی اشتیاق احمد کے

انہی کرداروں کے ساتھ جاسوسی مہمات میں دکھائی دیتا ہے۔ فریدی، حمید اور علی عمران جاسوسی مہمات میں دوستی کا تکلف نہیں پالتے۔ مظہر کلیم کا کردار علی عمران ایم، ایس، سی، بی، ایس، سی (آکسن) جاسوسی مہمات میں دوستوں کی مدد لیتا ہے لیکن تقریباً ہر مہم میں اسے نئے دوست میسر رہتے ہیں۔

انسپکٹر جمشید کے کردار میں سنجیدگی غالب دکھائی دیتی ہے تاہم طبعی ظرافت کی جھلکیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ اپنے کام سے کام رکھنے کا عادی ہے اور پیشہ وارانہ مصروفیت کے علاوہ اپنی گھریلو زندگی میں ہی مشغول نظر آتا ہے۔ اس کی زندگی میں تفریح کا عنصر بہت کم ہے البتہ بچوں یا دوستوں کے اصرار پر یہ سیر تفریح کے لیے جاتا ہے لیکن عموماً سیر و تفریح کے مواقع پر بھی یہ کردار کسی نہ کسی مہم جوئی میں شریک ہو جاتا ہے۔ اس کی مہم جوئی اور تفریح دونوں میں اس کے صاف ستھرے ذوق، اعلیٰ کردار اور مشرقی مزاج کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ پیشہ ورانہ مہارتوں میں بھی انسپکٹر جمشید ابنِ صفی کے کردار کرنل فریدی کے قریب دکھائی دیتا ہے۔ جزرسی، چیزوں کو گہرائی سے دیکھنے اور معمولی باتوں اور عام سی اشیا کے ذریعے سے جرم کی گہرائی تک پہنچنے اور مجرم تک رسائی پانے میں انسپکٹر جمشید کی پیشہ ورانہ مہارت اور سراغ رسانی کا طریقہ کرنل فریدی سے مماثلت رکھتا ہے۔ روپ بدلنے، دوسرے کرداروں کی آوازوں کی نقل کرنے اور چہرے، مہرے کو بدل کر کسی دوسرے کردار کا حلیہ اور انداز اختیار کرنے میں بھی انسپکٹر جمشید کی مہارتیں کرنل فریدی کی مانند ہیں۔ علاوہ ازیں انسپکٹر جمشید لڑائی بھڑائی کے فن میں بھی طاق ہے اور ابنِ صفی کے علی عمران کی مانند ہی وہ پستول کی گولی سے خود کو بچا لیتا ہے۔ ان مماثلتوں کے علاوہ انسپکٹر جمشید کے کردار میں مذہب پسندی کا عنصر غالب ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں وہ ایک وطن پرست قانون کا محافظ دکھائی دیتا ہے جس کا دائرہ کار سماجی جرائم کی بیخ کنی اور مجرموں کو قانون کے دائرے میں لانا ہے۔ بعد ازاں اس کے دائرہ کار میں وسعت ہو جاتی ہے اور سماجی، قومی اور مذہبی حوالوں سے ہونے والے جرائم اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سازشوں کے خلاف بھی روبہ عمل دکھائی دیتا ہے۔ یوں بتدریج انسپکٹر جمشید کا ارتقا ہوتا ہے اور وہ محکمۂ سراغ رسانی کا ایک عام انسپکٹر رہتے ہوئے کرنل فریدی کی مانند ہی پہلے تو خصوصی اختیارات سے نوازا جاتا ہے بعد ازاں وہ ایک خفیہ فورس کا سربراہ بن جاتا ہے اور اس کی شہرت پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔

انسپکٹر جمشید ابتدائی کہانیوں میں مقامی نوعیت کے جرائم اور سماجی وارداتوں کی سراغ رسانی تک محدود ہے۔ البتہ "کمرہ نمبر 420" نامی کہانی میں انسپکٹر جمشید ایک ایسے مجرم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو

جاتا ہے جو کہ ایک ہوٹل کے زیرِ زمین تہہ خانوں میں ملک کے خلاف گہری سازش کی منصوبہ بندی میں مصروف تھا۔ "خونی جزیرہ" پہلی کہانی تھی جس میں انسپکٹر جمشید کا مقابلہ ایک بین الاقوامی مجرم "جیرال" سے ہوتا ہے۔ جیرال انسپکٹر جمشید کے گھر میں داخل ہو کر اس کے بچوں کو اغوا کرلیتا ہے اور انسپکٹر جمشید ایک جزیرے پر جیرال سے مقابلہ کرکے بچوں کو چھڑا لیتا ہے۔ اس معرکے کے بعد انسپکٹر جمشید کی شہرت میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس ساتھ اس کے دائرہ کار میں بھی وسعت آجاتی ہے۔ انسپکٹر کی حب الوطنی، قابلیت، فرض شناسی، پیشہ ورانہ مہارت، ایثار، بے جگری اور خلوص کی شہرت جب صدرِ مملکت تک پہنچتی ہے تو وہ انسپکٹر جمشید کو اپنا معتمدِ خاص بنالیتے ہیں۔

انسپکٹر کو ایک خصوصی اجازت نامے کے ذریعے وسیع اختیارات مل جاتے ہیں۔ صدرِ مملکت سے انسپکٹر کی قرابت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ ریاست کے بعض حساس اور دفاعی معاملات میں انسپکٹر جمشید کو قابلِ اعتماد جاننے لگتے ہیں۔ انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر متعدد بار صدرِ مملکت کو بغاوت، اغوا اور قتل جیسی سازشوں سے بچایا۔ اس سلسلے میں "فتنے کی چوری" اور "جمشید کا وار" اور "آخری تیر" نہایت دل چسپ، سنسنی خیز اور اہم مہمات ہیں، صدرِ مملکت کے اعتماد کی وجہ سے بعض حساس دستاویز انسپکٹر جمشید کے پاس رکھوائی جاتی ہیں جو عام طور پر وہ اپنے گھر میں محفوظ کرلیتے ہیں۔ "فائل 113" اور "جمشید کا وار" اسی سلسلے کی مہمات ہیں۔ ان مہمات میں انسپکٹر جمشید کا دائرہ عمل ایک عام سراغ رساں کے دائرہ کار سے بہت وسیع ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض اہم مہمات میں وہ بیرونِ ملک بھی دفاعی نوعیت کی خدمات انجام دیتا ہے۔ ملک میں پیش آنے والی بڑی مہمات میں "سنہری چٹان" نامی مہم قابلِ ذکر ہے جو اڑن طشتریوں کے جھوٹ کو بے نقاب کرتی ہے۔ بیرونِ ملک پیش آنے والی مہمات میں "جھیل کی موت" اور "ژابنائے مہم" دل چسپ ہیں۔

اندرونِ ملک پیش آنے والے بعض حیرت انگیز معاملات میں انسپکٹر جمشید بطورِ ہومیو ڈاکٹر جرم کا سراغ لگاتا ہے جس سے طب کے اس خاص شعبے میں اس کے گہرے مطالعے کا علم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں جنوں کا طوفان نامی ایک مہم سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسپکٹر جمشید طب کے اس خاص شعبے کا مطالعہ کرچکا ہے۔

اختیارات اور دائرہ عمل کے اعتبار سے انسپکٹر جمشید بیک وقت دو عہدوں پر ایک ساتھ فائز ہے۔ ایک انسپکٹر کے عہدے پر ہوتے ہوئے وہ ایک خفیہ ایجنسی کا سربراہ بھی ہے۔ اس ایجنسی کے ارکان خفیہ رہتے ہیں

اور انسپکٹر کے بچے بھی ان سے واقف نہیں ہیں۔ خفیہ ایجنسی کی سربراہی ملنے سے قبل ہی انسپکٹر جمشید سماجی جرائم کے دائرے سے آگے نکل کر ملکی اور قومی دائرے میں آنے والے معاملات کی تفتیش تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ اس کا مقابلہ جیرال، جیتال، اساریہ، سلاٹر، کالی آنکھ، رے راٹا، لی کاف، سی مون، جی موف جیسے بین الاقوامی مجرموں سے ہوا۔ اس کی شہرت ملکی حدود سے نکل کر بین الاقوامی سطح پر پہنچ گئی۔ اس نے جائز ذرائع سے خاصی دولت بھی کمائی۔ ایک اچھا گھر، کاریں، بائیک وغیرہ جیسے وسائل اسے حاصل ہوئے۔ خفیہ ایجنسی کی سربراہی حاصل ہونے کے بعد جرائم اور خاص طور پر بین الاقوامی سازشوں، سماج کے لیے خطرناک گروہوں، جاپانیوں کی زیرِ زمین ملک مخالف سرگرمیوں اور ملک کے دشمنوں کے خلاف اس کی کارروائیاں مزید منظم ہو گئیں۔ تمام بڑی مہمات کے دوران میں خفیہ فورس کے اہلکار انسپکٹر جمشید کی ہدایات کے مطابق ملک دشمن گروہوں کو سبوتاژ کرنے اور بڑے مجرموں کے بچھائے ہوئے جال کو توڑنے میں جاں نثاری کے ساتھ خدمات انجام دیتے ہیں۔

انسپکٹر جمشید ایک وطن پرست کردار ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں اس کا رویہ یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ قانون کا ایک سچا محافظ ہے اور حب الوطنی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس رویے کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ملکی قوانین کا خود بھی پابند رہے اور دوسروں کو بھی اسی بات کی تلقین کرے۔ لیکن اس کے رویے میں اس وقت تبدیلی دکھائی دیتی ہے جب وہ بعض کہانیوں میں ماورائے آئین اقدامات اٹھاتا دکھائی دیتا ہے۔

ناول ”جمشید کا وار“ میں انسپکٹر جمشید کو بعض مجرم اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے اس کی برین واشنگ کر دیتے ہیں اور اسے ملک دشمن بنا دیتے ہیں۔ انسپکٹر اس کردار میں بظاہر ملک کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ وہ کچھ اہم عمارتوں، تجارتی مراکز اور کارخانوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس کے بچے بھی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ انسپکٹر کا یہ روپ دیکھ کر اسے ریاستی سطح پر ملک دشمن مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی تفتیش اور روک تھام کے لیے انسپکٹر کامران مرزا کو طلب کیا جاتا ہے۔ خاصے ہنگامے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انسپکٹر جمشید ہوش و حواس میں ہی تھا لیکن وہ دشمن کی چال کو اسی پر الٹنا چاہتا تھا۔ اس کہانی میں اہم پہلو یہ ہے کہ انسپکٹر نے ہوش و حواس میں رہتے ہوئے جن شہریوں یا کاروباری اداروں کی املاک کو تباہ کیا تھا، وہ سب ”جاپانی“ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ گویا انسپکٹر نے اپنے تئیں ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ خود ہی

بعض افراد یا گروہوں کو سزا دینے کا حق رکھتا ہے جو اس کی نظر میں وطن کے دشمن ہیں خواہ قانون یا آئین نے اسے اس کام کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔

انسپکٹر جمشید کا یہی رویہ "ژابنائے مہم" میں سامنے آتا ہے جب وہ اپنے ایک دوست کی جان بچانے کے لیے ایک عالمی طاقت کے سربراہ کو اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ذاتی حیثیت سے اغوا کر لیتا ہے۔ گو کہ اس کہانی کا بیان کردہ پہلو غیر منطقی ہے لیکن اس میں عالمی قوانین کی خلاف ورزی کا پورا سبق موجود ہے۔ انسپکٹر جمشید کی جانب سے عالمی قوانین کی خلاف ورزی کا رویہ بظاہر وطن پرستی اور اس سے بھی بڑھ کر مذہب پرستی کا مظہر ہے۔ بعض دیگر مہمات میں بھی انسپکٹر نے خفیہ طور پر عالمی قوانین، بین الاقوامی ضوابط اور دو ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات کی خلاف ورزی کی ہے۔ اپنی جان جوکھم میں ڈال کر دوسری ریاستوں کی زمینی حدود کی خلاف ورزی کرنا ایک طرف وطن پرستی، قوم پرستی اور مذہب پرستی کے شدید جذبات اور پختہ نظریات کی نشان دہی ہے تو دوسری جانب قانون کی حکمرانی کے حوالے سے اپنے عہدے کی خلاف ورزی بھی ہے۔ یہ تضاد ان کے کرداروں میں نظر آتا ہے۔

انسپکٹر جمشید کے کردار میں سنجیدگی، متانت، وطن پرستی، سراغ رسانی کی صلاحیتیں یعنی قیافہ شناسی، جزرسی اور قوتِ مشاہدہ ابنِ صفی کے کردار کرنل فریدی کی مانند ہے تاہم اس میں مشرقیت اور وطن پرستی کے ساتھ ساتھ مذہب سے لگاؤ کا وہ وصف موجود ہے جو کہ ابنِ صفی کے علی عمران میں پایا جاتا ہے تاہم اس کردار کا علی عمران سے کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ دونوں کے مزاج، رویے اور فطرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابنِ صفی اور اشتیاق احمد دونوں نے پاکستان میں رہتے ہوئے مذہبی وطن پرستی کے اس عمومی رویے کا مشاہدہ کیا تھا جو کہ ریاست نے اختیار کر رکھا تھا اسی لیے انسپکٹر جمشید اور ابنِ صفی کے علی عمران میں مذہبی وطن پرستی کی قدرِ مشترک موجود ہے۔ اسی طرح مظہر کلیم کے علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) سے انسپکٹر جمشید کے کردار میں پائی جانے والی مذہبیت قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے لیکن علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) کا یہ رویہ ارتقائی مرحلے کے آخری ادوار میں نمایاں ہوا جبکہ انسپکٹر جمشید کے کردار میں یہ وصف ابتدائی دور ہی سے موجود تھا لیکن رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ یہ کردار ایک دور میں مذہبی تشخص کا حامل فرد دکھائی دینے لگا۔

2۔ محمود، فاروق، فرزانہ کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

محمود، فاروق، فرزانہ تینوں ایسے کردار ہیں جن کی مثال اردو کے جاسوسی ادب میں اشتیاق احمد کے علاوہ کہیں اور سے نہیں دی جاسکتی۔ ان کا تقابلی جائزہ اشتیاق احمد ہی کے دوسرے کرداروں آصف، آفتاب اور فرحت سے کیا جاسکتا ہے لیکن مذکورہ تینوں کردار دراصل محمود، فاروق، فرزانہ ہی کا چربہ ہیں۔ کردار و اوصاف کے اعتبار سے ان میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ بنیادی فرق صرف یہ ہے کہ محمود، فاروق، فرزانہ میں خونی رشتہ موجود ہے۔ یعنی یہ تینوں ایک ہی ماں، باپ کی اولاد ہیں لیکن آصف، آفتاب اور فرحت تینوں بچے الگ الگ دوستوں کی اولادیں ہیں جو کہ دوستی اور تعلق کی وجہ سے انسپکٹر کامران مرزا کے گھر رہتے ہیں۔ فاروق اور آفتاب کے مزاج میں ساجد حمید اور علی عمران کی شوخی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ بچوں پر مشتمل یہ ٹیم ناول میں پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ ساتھ مکالمے کی وجہ سے منفرد ہے۔ ان کے مکالمے میں محاورات کا استعمال زیادہ ہے۔ مکالموں میں غیر ضروری طوالت سے کے ناولوں میں بعض اوقات بوریت کا عنصر زیادہ ہو جاتا ہے۔ محاوارت کی بحث میں یہ طوالت خوبی ہے یا خامی بہر حال اشتیاق احمد اس میں اچھائی کا درس ضرور دیتے ہیں۔ اس حوالے سے فائقہ جبین لکھتی ہیں:

> اشتیاق احمد اپنے کرداروں کے ذریعے سے اچھی باتوں کا درس بھی دیتے ہیں۔ بڑائی (برائی) سے روکتے ہیں۔ وہ سسپنس پیدا کرنے کے لیے پہلے اصل بات بتانے کی بجائے درمیان میں کرداروں کی لمبی گفتگو لے آتے ہیں۔ جن میں کوئی نہ کوئی سبق محاورات کی روانی کے ساتھ ملتا ہے۔(11)

فاروق احمد لکھتے ہیں: ”مکالمہ بڑھ گیا تھا۔ کردار نگاری ماحول اور منظر نگاری گم ہو کر رہ گئے تھے۔ اشتیاق احمد کی کہانی گری میں افسانہ نگاری کا مسالہ پایا جاتا ہے۔“(12)

3۔ انسپکٹر کامران مرزا کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

انسپکٹر کامران مرزا کا کردار ملک کے مشرقی حصے کے ساتھ اشتیاق احمد کے دلی تعلق کی وجہ سے تخلیق کیا گیا۔ کامران مرزا سیریز کا آغاز انسپکٹر جمشید سیریز کے بعد ہوا۔ محمود، فاروق، فرزانہ کا پہلا کارنامہ ”پیکٹ کا راز“ شائع ہونے کے بعد کامران مرزا سیریز کا پہلا ناول ”آستین کے سانپ“ لکھا گیا تاہم کامران

مرزا اس سیریز کے پہلے ہی ناول میں میدانِ عمل میں اترا جبکہ انسپکٹر جمشید میدانِ عمل میں اپنے دوسرے ناول میں دکھائی دیا۔ اس فرق کے باوجود انسپکٹر جمشید کے کردار کو پسند کرنے والے قارئین زیادہ رہے ہیں اور ناول بھی اسی کے زیادہ لکھے گئے۔

انسپکٹر کامران مرزا ایک خوش مزاج اور کھلی طبیعت کا فرد ہے۔ ابتدائی ناولوں میں اسے دولت مند ظاہر کیا گیا ہے۔ اس فرق کے علاوہ وہ قد اور حلیے میں انسپکٹر جمشید سے ملتا جلتا ہے۔ اسی لیے بعض مہمات میں کامران مرزا نے جمشید کے میک اپ میں کردار ادا کیا۔ اس کی صفات بھی انسپکٹر جمشید سے مماثلت رکھتی ہیں اور مکالموں، گفتگو، ذہنی رجحانات اور میلانات بھی انسپکٹر جمشید سے مطابقت رکھتے ہیں اسی لیے اس کردار کو انسپکٹر جمشید کا چربہ کہنا درست ہے۔

4۔ آصف، آفتاب، فرحت کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

یہ تینوں بچے محمود، فاروق، فرزانہ کی طرح آپس میں بھائی، بہن نہیں، نہ ہی ان میں کوئی خونی رشتہ ہے۔ اس کے باوجود یہ تینوں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ آصف اور آفتاب پہلی ہی مہم سے ایک ساتھ ہیں جبکہ فرحت، یشوما سیریز میں ان کی ساتھی بنتی ہے۔ اردو کے جاسوسی ادب میں ان بچوں کی مماثلت آپس ہی سے دی جاسکتی ہے۔ یہ تینوں کردار محمود، فارق، فرزانہ کا ہی چربہ ہیں کیوں کہ یہ انہی کی مانند گفتگو کرتے ہیں اور ان کی صفات بھی باہم مماثلت رکھتی ہیں۔ یاسر پیرزادہ لکھتے ہیں:

> ان دونوں پارٹیوں کے کرداروں میں کوئی ایسا فرق نہیں تھا جس کی بنیاد پر آپ انسپکٹر جمشید کو کامران مرزا یا محمود، فاروق، فرزانہ کو آفتاب، آصف اور فرحت سے ممتاز کر سکیں۔ ماسوائے اس کے کہ آصف اور فرحت کامران مرزا کی اولاد نہیں تھی۔(13)

5۔ شوکی برادران اور رفعت کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

شوکی برادرز میں شوکی کلیدی کردار کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اردو کے جاسوسی ادب میں ایک منفرد کردار ہے کیوں کہ یہ اپنی کہانی خود بیان کرتا ہے۔ اس کی اصول پسندی اگرچہ کرنل فریدی اور انسپکٹر جمشید کی مانند ہے لیکن یہ جسمانی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے لڑائی بھڑائی کی سکت نہیں رکھتا۔ اس کی بنیادی صفت اس کی عقل مندی اور ذہانت ہے۔ بقیہ کرداروں میں اخلاق و اشفاق کے مابین رنگت اور قد کا تقابل کیا

جا سکتا ہے کیوں کہ اخلاق کی رنگت سانولی ہے جس کی وجہ اسے کالے خان کہا جاتا ہے جبکہ اشفاق لمبے قد کا ہے اور ساقی کہلاتا ہے۔ ان کا سب سے چھوٹا بھائی آفتاب عرف مکھن اپنی سفید رنگت اور باتوں کے انداز کی وجہ سے ممتاز ہے۔ گفتگو اور مکالموں کی حد تک شوکی میں فرزانہ کی ذہانت کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں اور انسپکٹر جمشید کی مانند اندازے اور رائے کی درستی بھی جبکہ آفتاب عرف مکھن میں فاروق اور آفتاب جیسی شوخی اور قدرے کام چوری کا انداز دیکھا جا سکتا ہے۔ رفعت جو کہ ان کی منہ بولی بہن ہے وہ بہت بعد میں ان کی ٹیم کا حصہ بنی ہے۔ وہ "جے کان کی واپسی" نامی ناول میں ان کے ساتھ شریک ہوئی تھی۔ رفعت کا کردار فرزانہ اور فرحت سے مماثلت رکھتا ہے لیکن لڑائی میں وہ بھی شوکی برادران کی ہی بہن نظر آتی ہے۔

اشتیاق احمد کے کردار کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ناولوں کے عام نمبروں میں تو یہ الگ الگ رہ کر مہمات انجام دیتے ہیں لیکن خاص نمبروں میں یہ تمام پارٹیاں یکجا ہو جاتی ہیں۔ شروع میں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کی پارٹیاں یکجا ہوا کرتی تھیں لیکن بعد میں شوکی برادران بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اشتیاق احمد کے مرکزی کرداروں کے مقابلے پر اترنے والے بڑے مجرم بھی خاص نمبر کی حیثیت رکھنے والے ناولوں میں بھرپور انداز میں اجاگر ہوئے۔

ج۔ مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کردار کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل:

1۔ علی عمران کا دیگر مرکزی کرداروں سے تقابل

مظہر کلیم کا مرکزی کردار علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی، (آکسن) نفسیات، مزاج، رویے، صفات، ذہنی اور عملی صلاحیتوں اور تجربات کے اعتبار سے ایک مثالی کردار ہے۔ یہ کردار کبھی شکست نہیں کھاتا اور نہ ہی ناکامی کو قبول کرتا ہے۔ حالات و واقعات خود بخود اس کے حق میں ہو جاتے ہیں۔ اتفاقات ہمیشہ اس کی مدد کرتے ہیں اور یہ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کردار کو دنیوی وجاہت، اعلیٰ ترین عہدہ، مادی، معاشی، انسانی اور روحانی وسائل میسر ہیں اور وہ خود بھی ناقابلِ تسخیر صفات کا حامل ہے۔ ان تمام مثالی صفات کے باوجود علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) کے کردار میں توازن اور اعتدال کی کمی ہے۔ وہ شخصی تقابل کے مرحلے میں بھی دو انتہاؤں پر دکھائی دیتا ہے اور اس کے عمومی رویے میں بھی بہت سے متضاد صفات بلکہ ایک دوسرے سے متصادم رویے پائے جاتے ہیں۔ وہ بے وقت معصوم بھی ہے اور شاطر بھی۔ بے حد رحم دل بھی ہے اور بے حد سفاک بھی۔ وہ نخریلی اور خود پسند طبیعت بھی رکھتا ہے اور صوفی مزاج بھی ہے۔ وہ علمی، ادبی اور سائنسی دماغ کا حامل بھی ہے اور بے حد خونخوار اور خطرناک جنگجو بھی۔

مظہر کلیم کا علی عمران ابنِ صفی کے علی عمران سے کئی حوالوں سے مختلف ہے۔

مظہر کلیم کے علی عمران کا کردار متوازن اور معتدل صفات کی بجائے دو انتہاؤں پر دکھائی دیتا ہے۔ کبھی تو وہ یکسر مغربیت کا نمائندہ اور جدیدیت کا عکس معلوم ہوتا ہے اور کبھی اچانک اس پر مشرقیت غالب دکھائی دیتی ہے۔ ابتدائی ناولوں میں وہ زیرِ جامہ کے ساتھ ورزش کرتا دکھائی دیتا ہے اور ہوٹلوں میں مجمع کے سامنے کوٹ، پینٹ اتارنے میں بھی اسے کوئی باک محسوس نہیں ہوتا لیکن مظہر کلیم کے آخری دور کے ناولوں میں وہ فجر کی نماز ادا کر کے قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ابنِ صفی نے علی عمران کے کردار میں اپنے عہد کے نوجوانوں کے رجحانات، میلانات اور عصری تقاضوں نیز مذہب اور مشرقیت کی اقدار کو ایک توازن کے ساتھ پیش کیا تھا۔ اس کردار میں مغربیت، جدید علوم، جدید معاشرت اور مغرب سے متاثر کلچر کے

محدود سے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں بایں ہمہ ابنِ صفی کا علی عمران اول تا آخر برِ صغیر کے مخصوص مسلم کلچر کا نمائندہ ہی محسوس ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس کے مکالمے مشرقیت کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے خیالات اور افکار میں جدیدیت سے متاثر ذہن یا مغربیت کی نقالی نہیں ہے۔

تہذیبی و اقداری تفاوت کے علاوہ دونوں مصنفین (ابن صفی اور مظہر کلیم) کے یہاں اس کردار کی نفسیات بھی مختلف ہیں اور مزاج بھی۔ علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی، (آکسن) کے رویے، مزاج اور عادتوں میں نخریلا پن، تمکنت، ذاتی تفاخر اور ذہنی برتری کا اظہار پایا جاتا ہے۔ مظہر کلیم کے علی عمران کا اثاثہ اس کے کردار سے زیادہ اس کی ذہنی و جسمانی صلاحیتیں اور مہارتیں ہیں۔ مظہر کلیم نے علی عمران کو بتدریج ایک سپر ہیرو میں تبدیل کر دیا۔ ابنِ صفی کا علی عمران گویا کہ زبردستی ایکس ٹو بنایا گیا۔ وہ صرف حب الوطنی اور فرض شناسی کی وجہ سے اس عہدے کو نبھا رہا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے ابنِ صفی کا علی عمران درویش صفت، منکسر المزاج اور اپنے کام کے لیے ہر طرح کی ذلت اور خواری برداشت کرنے کا عادی شخص ہے جس کی فرض شناسی، حب الوطنی اور بے خوفی و بے جگری اور دنیا سے بے رغبتی اس کا حقیقی اثاثہ ہے۔ ذاتی صفات کے علاوہ وہ ذہنی قوت، جسمانی طاقت اور کئی علوم و فنون میں مہارت بھی رکھتا ہے تاہم اس کے کردار کی اصل خوبی دراصل اس کا ارادہ، نیت، مزاج اور شخصی جوہر ہے۔

مظہر کلیم کا علی عمران آئینی طور پر اس قدر طاقت ور اور با اختیار ہے کہ اسے کسی بھی اقدام پر آئینی اور قانونی گرفت میں لانا آسان نہیں ہے۔ علی عمران نے اپنے آئینی اور قانونی عہدے کے لیے اس قدر اختیارات حاصل کر لیے ہیں اور اس نے اپنے آپ کو کسی بھی آئینی جواب دہی یا قانونی گرفت سے اس قدر محفوظ بنالیا ہے کہ عملی طور پر وہ ملک کا سب سے با اختیار عہدے دار بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ خود پارلیمنٹ کی سادہ اکثریت بھی اس کے اختیارات کو محدود کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ یوں ایک فرد جمہوری اصولوں کے علی الزعم پارلیمنٹ سے زیادہ با اختیار دکھائی دیتا ہے۔

ایکس ٹو کے منصب کو ایک خود مختار حیثیت دلانے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مظہر کلیم کا علی عمران خود کو بالادست ہی رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی ذہانت و فطانت، عبقری شخصیت اور حیرت انگیز ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کی بدولت چونکہ افراد پر چھا جانے کا عادی ہے اس لیے ریاست کے بہترین مفاد میں وہ یہ طے کرتا ہے کہ کوئی بھی آئینی یا قانونی عہدہ اس کے منصب سے بلند نہ ہو، تا کہ وہ ملکی سلامتی کے ضمن میں جو بھی

فیصلہ کرنا چاہے، بلا جھجک کر گزرے، اسے کسی روک ٹوک یا احتساب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ وہ صدرِ مملکت پر دباؤ ڈال کر اپنے اختیار و عہدے کی طاقت میں بے پناہ اضافہ کروالیتا ہے۔ ابنِ صفی نے علی عمران کے پیشہ ورانہ کردار کو سیکرٹ سروس کے سربراہ کی حیثیت سے ملکی آئین اور قانون سے ماورا ظاہر نہیں کیا تھا۔ ابنِ صفی کے علی عمران کی زندگی کا اہم مقصد قانون کی بالادستی اور معاشرے کے تمام طبقات کو آئین اور قانون کے ماتحت لانا ہے۔ وہ عملی طور پر آئینی اور قانونی تقاضوں کا مکمل احترام کرتا ہے۔

مظہر کلیم نے اگرچہ ابنِ صفی کے کردار علی عمران ہی کو اپنے جاسوسی ناولوں کا مرکزی کردار بنایا لیکن دونوں مصنفین کے ادبی و سماجی نظریات میں فرق کی وجہ سے علی عمران کے کردار میں بھی نفسیاتی، ذہنی اور شخصی فرق دکھائی دیتا ہے۔ ابنِ صفی قانون کی بالادستی پر یقین رکھتے تھے اور وہ مجرموں کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے قانون کی طرف سے دی گئی گنجائشوں سے ہی فائدہ اٹھانے کے قائل تھے، اس لیے ان کا علی عمران بھی انہی گنجائشوں کا فائدہ اٹھا کر مجرموں کو اپنے جال میں لاتا ہے اور معلومات کے حصول کے لیے سراغ رسانی کے طور طریقوں سے کام لیتا ہے لیکن مظہر کلیم کے نزدیک عموما مجرم ناقابلِ معافی سمجھے جاتے ہیں لہٰذا ان کا کردار علی عمران گرفتار شدہ مجرموں اور وطن دشمنوں پر بھیانک تشدد اور غیر انسانی سزاؤں میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا۔ وہ مجرموں اور وطن دشمنوں پر نہ صرف خوفناک تشدد سے گریز نہیں کرتا بلکہ وہ اس حوالے سے نت نئے طریقے بھی ایجاد کرتا ہے۔ وہ اپنی اعلیٰ ذہانت کو استعمال کرنے کی بجائے طاقت کی زبان استعمال کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی یہی طریقہ سکھاتا ہے، سماج دشمن عناصر ہوں یا ملک و قوم کے خلاف مجرمانہ سازش کرنے والے، علی عمران کا رویہ ان کے خلاف نہایت جارحانہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ سماج دشمن عناصر کے خلاف علی عمران کے جذبات کیا ہوتے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے:

> ”میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ صرف دولت کی غرض سے لوگ اس حد تک مکروہ کام کر سکتے ہیں۔ معصوم بچوں کو اغوا کرنا دنیا کا سب سے مکروہ ترین جرم ہے۔ یہ ڈاگ کرائم ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کو آگ میں جلادوں۔“ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور ٹائیگر خاموش ہو گیا۔(14)

علی عمران کا صرف رویہ ہی نہیں بلکہ وہ مجرموں کو سخت ترین سزائیں دینے کا قائل ہے۔ مثلاً اس کا انداز یہ ہے: ”اس کی ایک آنکھ نکال دو“ عمران نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔(15)

وہ مجرموں اور وطن دشمنوں کو نت نئے حربوں سے شدید قسم کی اذیت دیتا ہے۔ ناول ''بلیک ہاؤنڈز حصہ دوم'' میں عمران نے مجرموں سے تفتیش اور معلومات حاصل کرنے کا انوکھا انداز اختیار کیا۔ اپنا ہاتھ مجرم کے سر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو موڑ کر آنکھ کے درمیان نچلے حصے میں رکھیں۔ انگلیوں کو دبا کر مخصوص انداز میں حرکت دینے پر مجرم کی چیخیں نکلوا دیں۔(16) اس طریقہ کار کا اثر دماغ کے اس حصے پر پڑتا ہے جو انسانی حسیات اور اعصاب کا مرکز ہے۔ سزا کے اس طریقہ کار سے تکلیف کی شدت کا احساس نہ صرف جسم بلکہ روح تک سرایت کر جاتا ہے۔

''اسے یہاں مقامی طور پر عقرب طریقہ کہتے ہیں۔ لیکن میں اسے چشم زدنی کا نام دوں گا۔ کیوں کہ اس طریقے کے استعمال کے وقت کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے اسے ضرب لگائی گئی ہو۔'' عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ اوہ یہ تم نے آخر کیا کیا ہے۔ مم مم میں بتا نہیں سکتا کہ یہ کیسا عذاب ہے۔ اوہ۔ سنو مجھے مار ڈالو۔ میری بوٹیاں اڑا دو مگر یہ عذاب مجھے نہ دو۔''

منوہر نے اپنے سر کو دائیں بائیں پٹختے ہوئے کہا۔(17)

مجرموں کے ساتھ نہایت سفاکانہ برتاؤ مظہر کلیم کے علی عمران کا عمومی رویہ ہے جو کہ تقریباً ہر کہانی میں نظر آتا ہے۔ یہ واضح طور پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مظہر کلیم کا علی عمران مجرموں کو ماورائے عدالت قتل کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا بلکہ اس عمل کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مجرموں کو سخت ترین سزائیں دینے اور قتل کرنے کا یہ رویہ دراصل ان اختیارات کی وجہ سے ہے جو کہ علی عمران کو اس کے منصب یعنی ایکس ٹو کی وجہ سے حاصل ہوئے ہیں۔ مجرموں اور وطن دشمنوں کے لیے سفاک، سنگ دل اور موت کا فرشتہ شمار ہونا، مجرموں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دینا، معلومات کے حصول کے لیے ہر قسم کے تشدد کو نہ صرف جائز سمجھنا بلکہ مسلسل اس کا ارتکاب کرتے چلے جانا مظہر کلیم کے علی عمران کا وہ وصف ہے جو کہ اسے ابنِ صفی کے علی عمران سے یکسر جدا کر دیتا ہے۔

اس حوالے سے سید فہد ترمذی لکھتے ہیں:

> مگر مظہر کلیم ساتھ یہ بھی دکھاتے رہے کہ کسی پر کوئی رحم نہیں کرنا، خوامخواہ خون خرابہ، کسی کو برقی بھٹی میں ڈال دینا، جسم کے اعضاء کاٹ دینا، تشدد بہت ہے۔ ناول کو ہائی لیول یا بین الاقوامی دکھانے کے چکر میں زیادہ ہی حقیقت سے دور لے گئے۔(18)

یہ رویہ مظہر کلیم کے علی عمران کی طبیعت اور مزاج میں موجود نہایت متضاد بلکہ ایک دوسرے سے متصادم اوصاف کو ظاہر کرتا ہے۔ میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ اور اسے قتل کرنا ایک الگ رویہ ہے لیکن گرفتار مجرم پر تشدد اور کسی کو بے بس کر کے اس پر سفاکانہ ظلم ایک دوسرے مزاج کی نشان دہی کرتا ہے جو کہ سائنس، طب، ادب، اخلاق، قانون اور تصوف جیسے مضامین کے ساتھ شغف رکھنے والے کسی فرد سے صادر ہونا غیر منطقی عمل ہے۔ علی عمران کی ان متضاد، متصادم اور شعبدہ بازی کے حد تک حیرت انگیز طور پر بدلتے رویے کی وجہ سے یہ ایک ایسا کردار ہے جس کی صفات عام انسانوں میں تلاش نہیں کی جاسکتیں۔ یہ کردار ماورائے عقل و فطرت دکھائی دیتا ہے اور اپنی صفات کے آئینے میں اسے سپر ہیرو یا سپر ہیومن سے بڑھ کر کوئی شے قرار دیا جاسکتا ہے۔ دنیا بھر کا کوئی موضوع کوئی زبان کوئی معمہ ایسا نہیں جو اس کی دسترس میں نہ ہو۔ قارئین ایسے مثالی کردار کو پسند کرتے ہیں۔ ایک قاری غلام شبیر بروہی لکھتے ہیں:

> سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کے عمران کی جس خصوصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ہے اس کائنے سے نیا علم حاصل کرنا، ماڈرن دور کی ہر نئی تحقیق (جاری یا مکمل) سے باخبر رہنا اور اپنے آپ ہی میں قابل و ماہر ترین سائنسدان و ریسرچر ہونا۔ کمال تو یہ کہ اس نے دنیا کی قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید ترین زبانوں تک کی معلومات بھی جمع کر رکھی ہے۔۔(19)

علی عمران کے حوالے سے ابنِ صفی اور مظہر کلیم کے مجرم کرداروں میں بھی فرق ہے۔ ابنِ صفی کے مجرم کرداروں کے طرزِ عمل اور رویے میں جذباتی نوعیت کے مسائل نفسیاتی پیچیدگیاں، مظالم اور سماج کی جانب سے حق تلفی جیسے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، بہت سے ناولوں میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایک بڑا مجرم جدید تعلیم، زبانوں کی مہارت اور اعلیٰ ذہانت کے باجود جرم کی راہ پر کیوں چل نکلا! ابنِ صفی مجرم کے لیے قانون کی گرفت کو ضروری سمجھتے ہیں، اگر مجرم کو زندہ گرفتار کیا جانا ممکن ہو تو ابنِ صفی کا علی عمران اسے قتل

کرنے سے گریز ہی کرتا ہے۔ وہ جرم کی نوعیت کا ادراک کرتے ہوئے مجرم کے پسِ منظر، اس کی نفسیاتی الجھنوں اور راہِ راست سے ہٹ جانے کی وجہ کو بھی اجاگر کرتا اور قارئین کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ایک بڑا مجرم عام طور پر انسانوں کی غلطیوں کی وجہ سے ہی یہ راہ اختیار کرتا ہے۔ مظہر کلیم کے علی عمران کا عمومی رویہ مجرموں کو ختم کر دینے کا ہے، وہ مجرم کو بہت کم ہی رعایت دیتا ہے، زیادہ تر وہ ریاست، سماج یا قومی مفاد کے مخالف مجرموں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دینا ہی حل سمجھتا ہے اس کے چند ساتھی اس معاملے میں سفاکی کی مثال ہیں، مثلاً جوانا ایسا کردار ہے جو مخالفوں کی گردن ہاتھوں سے توڑ کر اپنی جبلت کو تسکین پہنچاتا ہے۔ مظہر کلیم کے مجرم کردار بہت کم ہی قانون کی گرفت میں پہنچ پاتے ہیں۔

مجرموں سے تفتیش کے سلسلے میں جرم کی نوعیت کے متعلق جو طریقے اپنائے گئے ان میں ابن صفی کی عظمت کا پلڑا بھاری ہے۔ مظہر کلیم کے ٹارچر کا سلسلہ عامیانہ اور بہیمانہ تشدد پر مشتمل ہے جس کے نتائج وقتی اور محدود ہیں۔ نیز یہ ماورائے قانون طریقہ کار ہے۔ جب کہ ابن صفی کے طریقہ تفتیش میں نفسیاتی حربے اور جانچ کے طریقے شامل ہوتے ہیں۔ گو کہ ابن صفی کے کردار خصوصاً "فریدی" بھی کسی حد تک مجرموں کے خلاف غیر قانونی طریقے اپناتا ہے لیکن مجموعی طور پر وہ قانون کی بالادستی قائم رکھتا ہے۔ ابن صفی کے ہاں تشدد پر مبنی رویہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ناول "شعلوں کا ناچ" میں فریدی شہر کی بظاہر معزز ہستی کو اغوا کرتا ہے۔ مجرموں کا ساتھ دینے والے معزز آدمی کو دورانِ تفتیش نفسیاتی وار کیے جاتے ہیں تا کہ معلومات حاصل کی جا سکیں۔ اس کا سر اور بھنویں مونڈھ کر اسے پاگل خانے پہنچا دیا جاتا ہے۔

مظہر کلیم کے علی عمران کو مسلسل نت نئے مجرموں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ مجرم عام طور انسانوں کو قتل کرنے میں نہایت جری ہوتے ہیں۔ وہ نہایت سفاکی سے سینکڑوں، ہزاروں انسانوں کو مار سکتے ہیں۔ ان کے پاس جدید ترین آلات، خفیہ تنظیم، فعال کارکن، بے پناہ وسائل اور سرمایہ ہوتا ہے، وہ بھی روپ بدلنے اور تیز رفتار کاروائیوں کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن کوئی بھی علی عمران کا پاسنگ نہیں ہوتا۔ علی عمران بیک وقت سائنس دان، مارشل آرٹ کا ماہر ترین لڑاکا، بے مثل نشانہ باز، متعدد عالمی زبانوں، بولیوں اور خفیہ زبانوں کا شناسا، ہر طرح کی آواز کی نقل کرنے میں استاذ اور بہروپ بدلنے میں کمالِ فن رکھتا ہے اس لیے وہ اکیلا ہی کسی تنظیم، ادارے، محکمے بلکہ فوج پر بھی غالب آ جاتا ہے۔ ابنِ صفی کے یہاں ایسی غیر منطقیت نہیں پائی جاتی، علی عمران وہاں بھی نہایت غیر معمولی ہے لیکن وہ منطقیت کے دائرے میں ہی رہتا ہے۔

مظہر کلیم کے علی عمران کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اسرائیل کے خلاف بہت سے مشن مکمل کیے ہیں۔ وہ یہودیوں کا سب سے بڑا دشمن تصور کیا جاتا ہے۔ یہ خصوصیت کسی اور ناول نگار کے کسی کردار میں موجود نہیں ہے۔ علی عمران کے اس کردار کے متعلق خود مظہر کلیم ایک ناول کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

> مسلم دنیا کے خلاف اسرائیل اور یہودیوں کی سازشیں مسلسل جاری ہیں اور ان سازشوں کا خصوصی نشانہ پاکیشیا بنتا ہے۔ اس بار بھی یہودیوں کی ایک طاقت ور تنظیم نے پاکیشیا کو عدمِ استحکام سے دوچار کرنے اور اسے کافرستان کی غلامی میں دینے کی ایک خوف ناک سازش شروع کی اور اس سازش پر تیزی سے عمل بھی شروع ہو گیا لیکن ہر فرعونے راموسی کے مصداق فور اسٹار اور ٹائیگر میدان میں اترے اور پھر ایکس ٹو نے فور اسٹارز کو یہودی تنظیم کے ہیڈ کواٹر کا خاتمہ کرنے کے لیے فارن مشن کی اجازت دے دی اور فور اسٹارز بلیک ڈے کے خلاف میدان میں اترے اور پھر وہ انتہائی تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب اسرائیل کے صدر کو حسرت بھرے لہجے میں کہنا پڑا کہ کاش کوئی عمران یہودیوں میں بھی پیدا ہو جاتا۔(20)

اسرائیل اور یہودی تنظیمو ں کے خلاف کام کرنے کے علاوہ مظہر کلیم کے علی عمران کا ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ماورائی سلسلے میں بھی خیر و شر کے معرکے لڑے ہیں۔ ان سلسلوں کا آغاز مثالی دنیا اور زیرو لاسٹری جیسی کہانیوں سے ہوا لیکن معاملہ بڑھتے بڑھتے سفلی دنیا کے اسرار و عجائب اور جناتی دنیا کے واقعات تک جا پہنچا۔ بلیک ورلڈ شیطانی طاقتوں ،یہودی تنظیموں اور مجرم کرداروں کے ساتھ علی عمران کے مقابلوں کی ایک طویل کہانی ہے۔ اس قسم کی کئی کہانیاں لکھی گئی ہیں جو کہ سماج کے عمومی ماحول، معمولات اور مسائل سے جدا ماحول کو پیش کرتی ہیں۔ ماورائیت کی وجہ سے اس سلسلے کے لکھے گئے ناول داستان کا رنگ پیش کرتے ہیں لیکن ان میں تیز رفتار ایکشن، برق رفتار حالات اور جدت و قدامت کے ساتھ ہم آہنگ سرگرمیاں روایتی داستانوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں۔ مظہر کلیم نے اپنے طور پر ناول اور داستان کے ماحول کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ جاسوسی ادب کے محدود دائرے میں ایک منفرد تجربہ ہے لیکن اس کا ادبی معیار کیا رہا! یہ ایک الگ سوال ہے۔ مظہر کلیم کا خیال ہے کہ شر کی قوتیں

جس سطح پر خیر کے خلاف صف آرا ہوں گی، خیر کے ماننے والوں کو بھی اسی سطح پر جا کر ان کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ وہ ایک ناول کی "چند باتیں" میں لکھتے ہیں:

> کافرستان ویسے بھی سفلی جادو کا گھر مانا جاتا ہے اور جب اس سفلی جادو کو شعوری طور پر عالم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً ان کے مقابل خیر کی قوتوں کو آنا ہی پڑتا ہے۔ موجودہ ناول میں ان شیطان فطرت پجاریوں نے ماورائی سطح کے ساتھ ساتھ دنیاوی سطح پر بھی انتہائی منظم انداز میں کام شروع کیا اور جس کے مقابل عمران اور اس کے ساتھیوں کو بہر حال آنا پڑا۔ اس لحاظ سے یہ ناول ماورائی کے ساتھ ساتھ شیطان کی دنیاوی کوششوں اور ان کے خلاف عمران اور اس کے ساتھیوں کی انتہائی صبر آزما ایمان افروز جدوجہد پر مبنی ہے۔(21)

کردار نگاری کے معیار اور سماج کے ساتھ ادب کے لازمی تعلق سے قطع نظر مظہر کلیم کے علی عمران نے ابنِ صفی کے علی عمران کے مقابلے میں زیادہ وسیع دائرے میں کام کیا ہے اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں جرم کے خلاف نبرد آزما دکھائی دیتا ہے۔

خلاصہ

اردو کے تینوں معروف جاسوسی ناول نگاروں کے مرکزی کرداروں کا تقابلی جائزہ ثابت کرتا ہے کہ ابنِ صفی کے تخلیق کردہ مرکزی کرداروں کی کرداری نگاری فن اور منطق کے اصولوں کے مطابق کی گئی۔ ان کی کرداری نگاری میں جھول نہیں ہے یعنی یہ کردار اپنے نفسیاتی رویے میں یکساں رہتے ہیں۔ ان کے بالمقابل آنے والے مجرم کردار بھی کردار نگاری کے وصف پر پورا اترتے ہیں، جبکہ اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے کرداروں کے رویوں میں میں وہ یکسانیت نہیں۔

اشتیاق احمد نے انسپکٹر جمشید ان کے تینوں بچوں اور شوکی کے کردار کو جس طرح تشکیل دیا تقریباً اسی طرح انسپکٹر کامران مرزا، ان کے ساتھ دینے والے تینوں بچے اور شوکی کے تینوں بھائی اور ان کی منہ بولی بہن کو بھی تشکیل دیا یعنی کرداری صفات کے اعتبار سے یہ کردار بھی اول الذکر کرداروں کا ہی چربہ ہے۔ اشتیاق احمد کے مجرم کرداروں میں جیرال، سی مون، سلاٹر، جے موف اور چند ایک گنتی کے ایسے کردار ہیں جن کی

کردار نگاری بہتر ہے۔ مجرم کرداروں میں انہی کو اشتیاق احمد کے نمائندہ مجرم کردار بتایا جاسکتا ہے لیکن ان میں سی مون جیسے کردار کا خاتمہ بچکانہ انداز میں کیا گیا۔ جیرال ابن صفی کے مجرم کردار سنگ ہی کی مانند موت کے گھاٹ اترنے کے بعد دوبارہ نمودار ہوا۔

مظہر کلیم نے ابنِ صفی کے کردار علی عمران کو قدرے تبدیلیوں کے ساتھ اپنایا، لیکن مظہر کلیم نے نت نئے مجرم کردار تراشے، جو مسلسل علی عمران کے مقابلے پر آتے رہے اور فنا ہوتے رہے۔ منفی کرداروں میں چند ہی ایسے کردار ہیں جو کہ مستقل علی عمران کے مقابلے پر آئے جیسا کہ کافرستان کی سیکرٹ سروس کا سربراہ شاگل اور اسرائیل جی پی فائیو کا کرنل ڈیوڈ، ان کے علاوہ ٹرومین ایسا کردار رہا جو کہ مجرم بن کر علی عمران کے مقابلے پر آیا لیکن پھر وہ عمران کا دوست بن گیا اور دونوں ایک سے زائد مہمات میں مشترکہ ساتھی بھی رہے۔ ابنِ صفی کے جوزف کو بھی مظہر کلیم نے حیرت انگیز حد تک دانش مند، ڈاکٹر، پراسرار علوم کا ماہر اور فائٹر کے ساتھ ساتھ عمران کا رازدان بنا کر اس کے کردار میں کئی تبدیلیاں کر دیں، جبکہ اس کے ساتھ ایک اور سیاہ فام امریکی حبشی جوانا کو بھی علی عمران کا ساتھی بنا دیا جو کہ ایک مہم میں اسے قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا لیکن لڑائی میں شکست کھا کر اس کا غلام بن گیا۔

مظہر کلیم کے ناولوں کے موضوعات کو ایک بڑے کینوس میں دیکھا جائے تو وہ زیادہ سائنس فکشن پر مشتمل ہیں، ان میں مجرم یا دشمن ممالک کے ایجنٹ اور بڑی تنظیموں سے مقابلہ ہوتا ہے۔ مجرم پاکیشیا یا مسلمانوں کے خلاف مختلف انداز میں جرم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن میں زیادہ تر کوئی مہلک ترین ہتھیار، میزائل یا کسی خطرناک ایجاد کا استعمال ہوتا ہے لیکن علی عمران اپنی ٹیم کی مدد ان کے ہر حربے کا توڑ نکال لیتا ہے اور زیادہ تر ناولوں میں لیباٹریوں کی تباہی دکھائی جاتی ہے۔ دشمن ایجنٹ یا مجرم تنظیمیں پاکیشیا کی کسی ایجاد یا فارمولے کو چرانے یا کسی شخصیت کے اغوا کے لیے آتے ہیں اور انھیں بسا اوقات جزوی کامیابی مل جاتی ہے لیکن آخر میں فتح علی عمران کی ہوتی ہے، متعدد مرتبہ علی عمران کافرستان یا اسرائیل کے کسی خطرناک حربے کو تباہ کرنے کے لیے ان ممالک میں داخل ہو کر یا ان کے تحت کام کرنے والے کسی جزیرے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مہمات دوست ممالک کے مطالبات پر انجام دی جاتی ہیں۔ مظہر کلیم کا نظریہ تھا کہ موجودہ دور میں جرم صرف انسانی سماج تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس نے ماورائی سلسلے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ماورائی ذرائع کو بھی جرم یا مسلمانوں کے خلاف سازش کے لیے استعمال کی جارہا ہے، چنانچہ علی عمران

کی بہت سی مہمات میں مجرم کرداروں میں جن، شیطانی ذریت اور ان کے انسانی نمائندے بھی شامل ہیں۔ موضوعاتی سطح پر تنوع کے باوجود مظہر کلیم کی کہانیوں کے پلاٹ اور کرداروں کے اوصاف میں منطقی ربط کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کے کردار حب الوطنی کی دعوت دیتے ہیں لیکن ان میں قتل، تشدد اور ماڑ دھاڑ زیادہ ہے جو نفیس ذوق پر گراں گزرتی ہے۔ کردار مماثل کارروائیوں، ملتے جلتے ایکشن اور ایک جیسے تیز رفتار واقعات اور ایک ہی قسم کی سچویشن سے نبرد آزما رہتے ہیں جس وجہ سے ناولوں میں یکسانیت نظر آتی ہے۔ متعدد ناولوں کا ماحول ایک جیسا ہی لگتا ہے۔ مجرم کردار بکثرت آئے ہیں لیکن ان میں چند ہی ایسے ملتے ہیں جو کرداری نگاری کی معیاری کسوٹی پر پورا اترتے ہوں۔ موضوعات میں انفرادیت کے باوجود زیادہ تر مجرم کرداروں کی نفسیات، رویے، اندازِ گفتگو، حکمتِ عملی اور پالیسیاں ایک جیسی ہوتی ہیں جبکہ ان کے جواب میں علی عمران اور اس کے ساتھیوں کی جدوجہد بھی بڑی حد تک مماثلت کا شکار نظر آتی ہے۔ کرداری نگاری، مکالمہ نگاری اور واقعات کو پیش کرنے میں جو انفرادیت ابنِ صفی کا خاصہ ہے وہ نہ تو اشتیاق احمد کے ناولوں میں اس معیار کی ہے اور نہ ہی مظہر کلیم کے ناولوں میں۔

تینوں ناول نگاروں کی کردار نگاری میں ایک فرق مرکزی کرداروں کے ساتھیوں کے لحاظ سے بھی ہے۔ مظہر کلیم نے ابن صفی کے تخلیق کردہ علی عمران اور اس کے ساتھیوں کے ناموں میں مزید اضافہ بھی کیا اور ٹائیگر، جوانا، کیپٹن شکیل اور صالحہ نیز روزی راسکل جیسے کردار بڑھائے بلکہ علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) کے ساتھی کرداروں پر مستقل نمبر بھی لکھے جن میں ان کرداروں کو بھی مافوق الفطرت نوعیت کی جدوجہد کرتے دکھایا گیا ہے۔ کرداروں کے تقابلی مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابن صفی کے بعض خیالات کو بھی دونوں مصنفین یعنی اشتیاق احمد اور مظہر کلیم نے اختیار کیا۔

حوالہ جات

1۔ابنِ صفی،خونی ریشے، جلد6،اسرار پبلیکیشنز،لاہور،سن ندارد،ص6

2۔ابن صفی،انقلاب(اقتباس) مشمولہ:سائیکو مینشن، خرم علی شفیق، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی،اشاعت اول2011، ص100

3۔ محمد عزم الحق شاہ،ابن صفی کے ناولوں کے مرکزی کردار: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ رائے ایم فل اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد،2020،(غیر مطبوعہ)ص40

4۔ابنِ صفی، بھیانک آدمی، جلد2،اسرار پبلیکیشنز،لاہور،سن ندارد،ص28

5۔ابنِ صفی،پراسرار چیخیں، جلد1،اسرار پبلیکیشنز،لاہور،سن ندارد،ص173

6۔ابنِ صفی،پیاسا سمندر، جلد8،اسرار پبلی کیشنز،لاہور،سن ندارد،ص16

7۔فاروق احمد،اشتیاق احمد: شخصیت اور فن،اکادمی ادبیات پاکستان،اسلام آباد،2021ء،ص116

8۔ابنِ صفی،ڈیڑھ متوالے، جلد2،اسرار پبلی کیشنز،لاہور،سن ندارد،ص351

9۔ مظہر کلیم(انٹرویو)،از احمد رضوان،مشمولہ:سنڈے ایکسپریس،20دسمبر2015،ص7

10۔فاروق احمد،اشتیاق احمد: شخصیت اور فن،اکادمی ادبیات پاکستان،اسلام آباد،2021ء،ص120،121

11۔بچوں کے جاسوسی ادب میں اشتیاق احمد کی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ،مقالہ برائے ایم اے اردو،مقالہ نگار فائقہ جبین،یونیورسٹی آف ایجوکیشن برائے خواتین،بنک روڈ کیمپس لاہور،2010ص160

12۔فاروق احمد،اشتیاق احمد، شخصیت اور فن،اکادمی ادبیات پاکستان،اسلام آباد،2021ء،ص130

13۔فاروق احمد،اشتیاق احمد: شخصیت اور فن،ص155

14۔مظہر کلیم،ڈاگ کرائم،یوسف برادرز،ملتان،سن ندارد،صفحہ 88

15۔مظہر کلیم،ڈینجر گروپ چاؤ،خان برادرز،ملتان،سن ندارد،ص92

16۔مظہر کلیم،بلیک ہاونڈز حصہ دوم،یوسف برادرز،ملتان،سن ندارد،ص38,39

17۔مظہر کلیم،بلیک ہاؤنڈز حصہ دوم،ص61

18۔سید فہد ترمذی،وضاحت بابت سوالنامہ،مخزونہ(بصورت گوگل فارم)،حامد محمود،حسن ابدال

19۔غلام شبیر بروہی،وضاحت بابت سوالنامہ،مخزونہ(بصورت ای میل)،حامد محمود،حسن ابدال

20۔ مظہر کلیم، چند باتیں، بلیک ڈے، یوسف برادز ملتان، سن ندارد، صفحہ 3

21۔ مظہر کلیم، مہاپرش، چند باتیں، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص 3

چوتھا باب

ابن صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا ارتقائی مطالعہ

(الف) ابنِ صفی کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا ارتقائی مطالعہ:

1۔ کرنل فریدی کا ارتقائی مطالعہ

کرنل فریدی ابنِ صفی کا پہلا کردار ہے۔ یہ کردار جاسوسی دنیا کے سلسلے کے لیے تخلیق کیا گیا تھا۔ اس کردار کے ذریعے ابنِ صفی نے فحاشی اور عریانی سے پاک جاسوسی ادب متعارف کروانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔

کرنل فریدی کے کردار کے تجزیے اور تقابلی جائزے سے اس کی شخصیت کے تقریباً تمام پہلو سامنے آ چکے ہیں۔ کرنل فریدی متعدد انسانی علوم جانتا ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں اور مہارتوں کو نکھار تا رہتا ہے تا کہ پیشہ ورانہ فرائض کو بخوبی ادا کرتا رہے۔ سراغ رسانی اور مہم جوئی اس کی زندگی کا حصہ ہیں۔ اس کردار میں ارتقا کا عمل مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہونے والے علم کی وجہ سے ہے ورنہ اس کی شخصیت اور اوصاف میں کوئی قابلِ ذکر ارتقا نہیں ہوا۔ البتہ افکار و نظریات کی سطح پر اس کے خیالات ضرور واضح ہوئے ہیں جسے فکر و نظر کا ارتقا کہا جا سکتا ہے۔

بطور سراغ رساں ارتقا:

"دلیر مجرم" کرنل فریدی اور حمید کا پہلا کارنامہ ہے۔ اس کہانی میں کرنل فریدی انسپکٹر ہے۔ یہ کہانی تقسیم کے قبل کے معاشرے کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کہانی میں کرنل فریدی کے دو روپ سامنے آتے ہیں۔ ایک تو باوردی انسپکٹر کا ہے جس میں فریدی ایک باوقار، سنجیدہ اور وجیہہ شخصیت دکھائی دیتا ہے۔ دوسرا روپ وہ ہے جس میں ایک جھکی پروفیسر کی جگہ وہ خود لے لیتا ہے اور از خود طاری کردہ نیم دیوانگی کی کیفیت میں ہذیان بکتا ہوا نظر آتا ہے۔ بعد میں آنے والی کہانیوں میں کرنل فریدی کی ان دو صفات میں مزید بہتری ہوئی۔ اس کے رعب و دبدبے میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ مجرموں تک رسائی کے نت نئے طریقے دریافت کرتا ہے۔

جرم کی تہہ تک پہنچنے اور ثبوتوں کی تلاش میں فریدی تمام امکانی ذرائع استعمال کرتا ہے۔ پہلی کہانی میں کرنل فریدی نے اپنی موت کا ڈرامہ کیا تھا۔ تقریباً ہر کہانی میں وہ کسی نہ کسی طرح مجرم کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ مجرم کو دھوکا دینے کے لیے نت نئی چالیں چلتا ہے۔

جرائم کے خلاف کام کرتے ہوئے کرنل فریدی کو احساس ہوتا ہے کہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ جرائم بھی ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ مجرموں میں سائنسی ایجادات کو استعمال کرنے کا رجحان بڑھ چکا ہے اس لیے سراغ رسانی اور قانون کے نفاذ میں جدید مہارتوں، وسائل اور باصلاحیت افراد کو شامل کرنا ہوگا۔ اس نے مشاہدہ کیا کہ بے لگام جدت پسندی کی وجہ سے معاشرے میں بہت سے مسائل پھوٹ پڑے ہیں۔ سماجی بے راہ روی کی وجہ سے غیر ملکی جاسوسوں اور مجرم گروہوں کو اپنی سرگرمیوں کے لیے بہت سے راستے مل گئے ہیں۔ جرائم پیشہ ذہنیت نے معاشرے کے شرفاء کہلانے والے خاندانوں میں جگہ تلاش کرلی ہے۔ جرائم کی درست تفتیش اور مجرموں کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے قانون کے محافظوں کو بہت کچھ سیکھنا ہوگا۔

لیونارڈ، جابر، جیرالڈ شاستری اور سنگ ہی جیسے مجرموں کا سامنا کرنے کے بعد فریدی کو احساس ہوا کہ کہ محض ذاتی یا انفرادی طور پر جدوجہد جرائم کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے مقابلے میں ناکافی ہے۔ محکمے میں موجود نالائق، کام چور اور سست افسران جدید تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ ایسے میں اس کی تنہا سراغ رسانی کا طریقہ معاشرے کو خطرناک مجرموں سے بچانے کے لیے ناکافی ہوگا لہٰذا قومی سطح کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے زیادہ منظم فورس کی ضرورت بھی ہوگی۔

ایک کہانی میں کرنل کا اعزازی خطاب ملنے کے بعد فریدی صدرِ مملکت کے ساتھ اپنے تعلقات کی بنا پر اپنے لیے ایک خصوصی فورس کی منظوری حاصل کرلیتا ہے جسے "بلیک فورس" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس فورس کے ممبران خفیہ رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود حمید جو کہ عام طور پر کرنل فریدی کی مہمات کا راوی ہوتا ہے، بلیک فورس کے ارکان کو نہیں جانتا۔ اس فورس کے ارکان صرف کرنل فریدی کو جواب دہ ہوتے ہیں اور سراغ رسانی، مجرموں کی تلاش، تعاقب، نگرانی اور خاص مواقع پر حملے کے لیے کرنل فریدی کے مشن میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

کرنل فریدی موقع پڑنے پر جسمانی فنونِ حرب کا استعمال ضرور کرتا ہے لیکن مجرم کی تلاش یا جرم کے ثبوت کے لیے تشدد یا ایذا رسانی کا حربہ استعمال نہیں کرتا۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ وہ کوئی تشدد کرنے والی مشین نہیں ہے۔ بسا اوقات تو وہ ہتھکڑیوں کو بھی غیر ضروری سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ہتھکڑیاں تشہیر

کے لیے لگائی جاتی ہیں: "برخوردار میں تشدد کرنے کی مشین نہیں ہوں، تشدد اسی صورت میں کرتا ہوں جب حکمتِ عملی کارگر نہیں ہوتی۔"(1)

گو کہ فریدی کا عمومی رویہ یہی ہے کہ وہ تشدد سے گریز کرتا ہے لیکن "زیرو لینڈ" کے ایجنٹوں کے لیے فریدی کے دل میں رحم کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ زیرو لینڈ کے خلاف پیش آنے والی مہمات میں فریدی بلا توقف دشمن ایجنٹوں کو قتل کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ معلومات کے حصول کے لیے بھی وہ خطرناک طریقے سے تشدد کرتا نظر آتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فریدی کے نزدیک "زیرو لینڈ" انسانیت کے لیے بڑا خطرہ ہے لہذا وہ اس تنظیم کے کسی ادنی سے فرد کو بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہے:

"میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ رام گڑھ کی اس معصوم لڑکی نے تمھارا کیا بگاڑا تھا۔ جس کو اس کی شادی کے دن سیاہ مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

فریدی نے اس کے بازو میں چاقو اتار دیا اور سردار شکوہ کسی چوپائے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔

"بتاتا ہوں۔"

"بتاؤ۔۔۔۔۔مجھے اس کالی تنظیم کے چوہے پر بھی رحم نہیں آسکتا۔"(2)

سراغ رسانی کے سلسلے میں فریدی مختلف روپ بدلنے میں بھی مہارت رکھتا ہے۔ جب وہ اپنے اسسٹنٹ حمید کا ساتھ چھوڑتا ہے تو روپ بدل لیتا ہے۔ وہ مجرم کو چکما دینے کے لیے ایسا روپ دھارتا ہے کہ دشمن تو دور کی بات خود حمید بھی اسے شناخت نہیں کر پاتا۔ اس کی روپ بدلنے والی صلاحیت میں مسلسل ارتقا جاری رہتا ہے۔

انفرادی حیثیت اور انسپکٹر کے عہدے سے ارتقا کا سفر شروع کرنے والے فریدی نے محض ایک نائب یعنی حمید کے ساتھ مل کر ایسے کارنامے انجام دیے کہ اسے کرنل کا اعزازی عہدہ بھی ملا اور وہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ایک منظم فورس کا سربراہ بھی بن گیا۔ قانون کے عملی نفاذ اور مہم جوئی کے جذبے سے شروع کیا گیا فریدی کا مشن بتدریج پھیلتا گیا اور سماج کے دشمنوں، انسانیت کے مجرموں، ملک مخالف گروہوں اور خطرناک تنظیموں کے خلاف اس کی مہم جوئی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ مہم جوئی کے جذبے کی

تسکین سے بڑھ کر سماج اور ملک کو بچانے کے لیے اور خاص طور پر زیر ولینڈ کی تنظیموں سے مقابلہ کرنے کے لیے کرنل فریدی نے زیرِ زمین کام کرنے والی ایک منظم تنظیم تیار کی جس کا نام بلیک فورس ہے اور جو ہر کٹھن مشن میں کرنل فریدی کے خفیہ ہتھیاروں کا کام انجام دیتی ہے۔

کرنل فریدی اور اس کے اسسٹنٹ ساجد حمید کو مہماتی زندگی میں متنوع مجرموں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی مہم "دلیر مجرم" کا بنیادی مجرم سلیم تھا جو کہ اپنے چچا کی جائیداد پر قبضہ جمانے اور اس کے حقیقی جانشین ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے کے لیے پیچیدہ سازش کر رہا تھا۔ یہ محض سماجی نوعیت کا مسئلہ تھا جسے کرنل فریدی نے زبردست تفتیش اور مجرم کو دھوکہ دے کر حل کر لیا۔ "خطرناک بوڑھا"، "مصنوعی ناک" اور "پراسرار کنواں" نامی کہانیوں میں کرنل فریدی اور حمید کا سامنا جابر سے ہوا جو کہ لندن سے فلسفے اور جرمنی سے سائنس میں ڈگری یافتہ تھا۔ یہ کردار تعلیم کے غلط استعمال اور انسانی خواہشات کے اعتدال سے بڑھ جانے جیسی خرابیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ جابر بڑے پیمانے پر سماجی جرائم کا مرتکب تھا۔ وہ بلیک میلنگ اور دھوکا بازی سے دولت جمع کر رہا تھا۔ اس نے خود کو چھپانے کے لیے باقر اور جابر دو شخصیتوں کا روپ دھار رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کی تحریر سے کرنل فریدی کو اس کی تکنیک کا اندازہ ہوا۔ گرفتار ہونے پر جابر نے خودکشی کر لی۔ کہانی "پاگل خانے کا قیدی" میں سردار محمود نامی ایک بااثر شخص نے جائیداد ہتھیانے کے لیے پاگل خانے میں جان بچانے کے لیے بطورِ پاگل رہنے والے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ فریدی نے انگلی کے نشان سے سردار محمود کا سراغ لگا لیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ یہ بااثر شخصیات کی مجرمانہ ذہنیت کو بیان کرنے والی ایک کہانی ہے۔ پہلا شعلہ، دوسرا شعلہ اور تیسرا شعلہ میں فریدی اور حمید کا مقابلہ ایک عالمی مجرمہ تھریسیا بمبل بی کی عالمی مجرم تنظیم کے مقامی سربراہ ڈاکٹر سلمان سے ہوا۔ اس شخص نے علم و فن اور شہرت کی آڑ میں ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تنظیم کا نیٹ ورک فعال کر رکھا تھا۔ یہ کہانی بظاہر مفادِ عامہ کے لیے کام کرنے والی رفاہی تنظیموں کی آڑ میں ملک دشمن تنظیموں کے طریقہ کار کو بیان کرتی ہے۔ فریدی نے ان کے مقابلے میں ایک اور تنظیم بنا کر ان کے خلاف کارروائی کی اور ڈاکٹر سلیمان کے نیٹ ورک کو تباہ کر دیا۔ "ڈاکٹر ٹریڈ" نامی کہانی کا مرکزی مجرم ڈاکٹر ٹریڈ ہے جو کہ ایک خطرناک بلیک میلر تھا۔ فریدی نے اس کی بلیک میلنگ کا دھندا بے نقاب کرنے کے لیے ایک پستہ قد اور نہایت پھرتیلے مجرم فنچ کو ڈاکٹر ٹریڈ کے خلاف استعمال کیا اور دونوں کی لڑائی سے فائدہ اٹھا کر ڈاکٹر ٹریڈ پر قابو پا لیا۔ "شیطان کی محبوبہ" نامی کہانی کا مرکزی مجرم اسمگلر داؤد ہے جو کہ ایک گروہ کے ساتھ مل کر ملک کی ایک قیمتی دھات کو بیرونِ ملک فروخت کرنے کا دھندا کر رہا تھا۔ سلیمہ اس

گروہ کی رکن ہے جو کہ جسمانی تعلقات کو گروہ کی سرگرمیوں کے لیے استعمال کرتی ہے۔ فریدی نے اپنی تجربہ گاہ میں کیمیائی تجربات کے ذریعے اس نیٹ ورک کے بنیادی جرم کا کھوج لگایا اور حمید کو ایک بد معاش کے روپ میں استعمال کر کے اس گروہ کو پکڑ لیا۔

"طوفان کا اغوا" اور "رائفل کا نغمہ" نامی مہمات میں کرنل فریدی اور حمید کا مقابلہ ڈاکٹر ہر مین نامی ایک سائنس دان سے ہوا جس نے فولادی می نامی مصنوعی انسان ایجاد کیا تھا جو کہ بظاہر ناقابلِ تسخیر تھا۔ فولادی می نامی ایجاد کو سامنے لانے کا اصل مقصد ایک فوجی بندر گاہ کی تعمیر کو رکوانا تھا کیوں کہ بندر گاہ کی تعمیر سے ڈاکٹر ہرمین اور اس کے گروپ کی اسمگلنگ کا وسیع دھندا بند ہو جاتا۔ یہ کہانی حکومتی منصوبوں کے خلاف بڑے مجرم گروہوں کی سازشوں کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ فریدی نے فولادی می کا جائزہ لے کر اس کی ایک کمزوری بھانپ لی اور صفر فاصلے سے اس پر فائر کر کے اس کی وہ اسکرین توڑ دی جو کہ تجربہ گاہ میں بیٹھے ڈاکٹر ہرمین کے لیے کیمرے کا کام کر رہی تھی۔ اس طرح فولادی می کو دور سے کنٹرول کرنا ممکن نہ رہا۔ فولادی می کو ناکارہ بنا کر فریدی نے فورس کی مدد سے اس گروپ پر قابو پا لیا۔ "ٹھنڈی آگ" نامی مہم کا مرکزی مجرم تے ری فونگ تھا جو کہ فریدی کے ایک دوست کا روپ دھار کر اس سے ملا تھا لیکن فریدی نے پہلی ہی نظر میں اس کا میک اپ اور ہنسی کے مختلف انداز کو بھانپ لیا اور پوری مہم میں اس کے اصل مقصد کو جاننے کے لیے اس کے ساتھ کھیل کرتا رہا جبکہ حمید فریدی کے پروگرام سے بے خبر رہ کر خوامخواہ پریشان رہا۔ "وبائی ہیجان" نامی کہانی ترقی یافتہ ملکوں کی جانب سے ترقی پذیر ملکوں میں جراثیمی تجربات اور مصنوعی وبائیں پھیلانے کے جرم کو بیان کرتی ہے۔ اس کا مرکزی مجرم ڈاکٹر سانگلو ہے جو کہ وبا پھیلانے والے ملک کے ایجنٹوں کے ساتھ مل کر بظاہر وبا کا علاج کرنے آیا۔ کرنل فریدی نے ایک سائنس دان ڈاکٹر گومین کے ساتھ مل کر وبا کا توڑ دریافت کر لیا۔ علاج کا راز چھپانے کے لیے ڈاکٹر سانگلو نے دیگر ایجنٹوں کے ساتھ مل کر ڈاکٹر گومین کے خاتمے کی کوشش کی۔ فریدی نے کچھ ایسے اقدامات کیے جس پر مجرم زیادہ محتاط ہو گئے اور زیادہ محتاط ہو کر انھیں نے بڑی غلطیاں کیں۔ فریدی نے پہلے ہی جال بچھا دیا تھا لہٰذا اپنی غلطی کی وجہ سے فریدی کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔

"اونچا شکار" ایک ایسے مجرم کی کہانی ہے جو اپنی اعلیٰ حیثیت، سماجی رتبے اور مقام کی وجہ سے ریاست کے اونچے حلقوں اور اہم عہدے داروں کے ساتھ روابط، دوستی اور تعلق کی آڑ میں منشیات کا گینگ چلا رہا تھا۔ مسٹر ڈکسن نامی اس مرکزی ملزم کا خیال تھا کہ کرنل فریدی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اس نے فریدی کو

دھوکے میں رکھنے کے لیے ایک مصنوعی حملہ بھی کروایا لیکن فریدی اس ڈرامے کو بھانپ گیا۔ اس نے مجرم کو دھوکے میں ڈال کر صدرِ مملکت کے محافظوں کے ذریعے ہی قتل کروادیا۔ "چاندی کا دھواں" نامی کہانی میں فریدی کا سامنا ایک مرتبہ پھر بین الاقوامی مجرمہ تھریسیا کی نائب نانوتہ سے ہوا جو کہ ملکۂ ہفت افلاک کہلاتی تھی۔ فریدی نے جان توڑ کوشش کی اور نانوتہ کو روپ بدل کر دھوکا دیا اور گرفتار کرلیا۔ "سینکڑوں ہم شکل" حیاتیات کے ایک ایسے ماہر کی کہانی ہے جس نے فن میں بے مثال ہونے کے باجود طبعی کمزوری اور نفرت و انتقام کے جذبات کی وجہ سے جرم کی راہ اختیار کرلی۔ مرکزی مجرم ڈاکٹر دوبے جرمنی کی ایک خفیہ تنظیم کے ساتھ وابستہ تھا۔ وہ مختلف لوگوں کو اغوا کرکے انھیں اپنا ہم شکل بنا کر خود کش حملوں کے لیے استعمال کررہا تھا۔ اس نے فریدی اور حمید کو بھی شکست دے کر اغوا کرلیا لیکن مہم کے آخری مرحلے میں فریدی دیر تک سانس روکنے کی مشق کی وجہ سے مجرم کی مکمل گرفت میں آنے سے بچ گیا اور جسمانی لڑائی لڑ کر اس نے ڈاکٹر دوبے پر قابو پالیا۔

"ستاروں کی چیخیں" فلمی دنیا میں پیش آنے والے واقعات و مسائل اور ان کے پسِ منظر کو بیان کرنے والی کہانی ہے۔ اس کہانی کا مرکزی مجرم مزدنگ ہے جو پبلسٹی کمپنی کے مالک، ہزاری سیٹھ اور ڈرائیور کی تین مختلف شخصیات کے روپ میں پوشیدہ رہ کر جرائم کا ارتکاب کررہا تھا۔ کرنل فریدی ایک اتفاق کے نتیجے میں فلمی دنیا کے معاملات کی جانب متوجہ ہوا۔ مجرم خوف میں مبتلا ہوگیا اور اس نے کرنل فریدی کو بلیک میلنگ کے جال میں پھنسانے کی کوشش کی لیکن فریدی اس کے چکر میں نہیں آیا بلکہ غلط اقدام کا فائدہ اٹھا کر اس نے مجرم ہی کو گرفتار کرلیا۔

"دیو پیکر درندہ" اور "ٹسڈل کی بیداری" نامی مہمات کا مرکزی مجرم کردار ایک حیرت انگیز سائنس دان ڈاکٹر ٹسڈل ہے جو کہ اذہان کی تبدیلی اور جسم کی تبدیلی کے امکانات پر کام کررہا ہے۔ اس کہانی کے پسِ منظر میں مختلف نظریات کی جنگ کار فرما ہے۔ یہ کہانی انسان کو ناقابلِ تسخیر بنا کر انسانیت ہی کے خلاف کام لینے کے سوچ و فکر کو بیان کرتی ہے۔ اس کہانی میں جیرالڈ شاستری اور ڈاکٹر ٹسڈل کے مکاتبِ فکر کا ذکر آتا ہے۔ دونوں کا مقصد ایک لیکن طریقۂ کار مختلف تھا۔ فریدی نے ناکامی کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور ڈاکٹر ٹسڈل کے کچھ لوگوں کو ہم خیال بنالیا۔ اس نے تمام صلاحیتوں کو استعمال کیا اور اس خطرناک سائنس دان کے منصوبے کو ناکام بنادیا۔

"تیسری ناگن" نامی مہم دنیا سے پوشیدہ ایک خفیہ ملک زیرولینڈ کے منصوبے کی کہانی ہے۔ یہ خفیہ ملک جدید ترین ایجادات و اختراعات کے ذریعے دنیا کے وسائل اور انسانی ذہانت پر قبضے کی تیاری کر رہا ہے۔ زیرولینڈ کی خفیہ تنظیم کی سربراہ تھریسیا ہے۔ یہ تنظیم فریدی کے ملک میں مخصوص اہداف کے حصول کے لیے آئی۔ فریدی کو اس کی سن گن مل گئی، خطرے کو بھانپ کر فریدی نے بلیک فورس کے نام سے ایک خفیہ سرکاری تنظیم تیار کی جس کے ارکان خود کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ فریدی کے بلیک فورس اور زیرولینڈ کی تنظیم کے درمیان تصادم ہوا اور فریدی تھریسیا کی تنظیم منصوبہ ناکام بنانے میں کامیاب رہا۔

"تباہی کا خواب" اور "مہلک شناسائی" نامی کہانیوں میں زیرولینڈ کی خفیہ تنظیم کی اہم ایجنٹ نانوتہ نے ایک بار پھر کرنل فریدی کے ملک کا رخ کیا۔ نانوتہ اپنی تنظیم کی طرف سے مختلف ملکوں کے خفیہ راز حاصل کرکے انھیں دوسرے ممالک کو بھاری قیمت پر فروخت کرنے والی مجرمہ ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنے میں ماہر ہے۔ فریدی نے نانوتہ کی موجودگی کو بھانپ کر اسے ناکام بنانے کے لیے طویل منصوبہ بندی کی۔ اس نے بعض فوجی افسران کے ساتھ مخاصمت کا ناٹک بھی رچایا۔ وہ نہایت چالاکی سے زیرولینڈ کی تنظیم میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔ آخر کار اس نے نانوتہ کو شکست سے دوچار کیا۔

"زہریلا سیارہ" نامی کہانی میں بین الاقوامی مجرم سنگ ہی ایک چالاک اور پستہ قد مجرم فنچ کے ساتھ زیرولینڈ کے مشن پر کرنل فریدی کے ملک پہنچا لیکن فریدی نے بات چیت اور اچھے سلوک کے ذریعے فنچ کو اپنا ہم خیال اور سنگ ہی کا مخالف بنا دیا۔ فنچ خود بھی مظلوم تھا۔ بیٹی کا قتل اسے انتقامی طور پر جرائم کی دنیا میں لے آیا تھا۔ فریدی نے اسے جرم کی زندگی چھوڑنے کا راستہ دکھایا۔ فنچ کی سوچ کی تبدیلی نے فریدی کو سنگ ہی کے مقابلے میں فتح یاب کروانے میں مدد دی یوں سنگ ہی کا مشن ناکام ہو گیا۔

"شکاری پرچھائیاں"، "پرچھائیوں کے حملے"، "سائیوں کا ٹکراؤ" اور "ہمزاد" کا مسکن نامی طویل مہماتی سلسلے کی کہانیاں زیرولینڈ کی پراسرار سرگرمیوں کو بیان کرتی ہیں۔ یہ کہانی فلمی دنیا سے شروع ہو کر عالمی سازش تک پھیل گئی۔ اس کہانی کے آغاز میں زیرولینڈ کا سلسلہ سامنے نہیں آتا لیکن جیرالڈ شاستری کا ذکر اور زیرولینڈ کی سرگرمیوں کی نشان دہی سے کہانی میں پراسراریت در آتی ہے۔ حیرت انگیز سائنسی ایجادات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی ٹھگوں کی تنظیم جو مختلف انقلابی ذہنوں کو ان کے کاز کی کامیابی کا یقین دلا کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے، فریدی کے ملک میں قدم جمانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن فریدی اور حمید نے طویل جدوجہد کے بعد فوج کی مدد سے ان کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔

ابنِ صفی کے ایک قاری عاصم رضا لکھتے ہیں:

> ابن صفی کے ہاں تو کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور علی عمران میں کوئی خاص ارتقاء محسوس نہیں ہوتا۔ البتہ مظہر کلیم کے ہاں علی عمران کے کردار میں ارتقاء محسوس ہوتا ہے۔(3)

مذکورہ آراء سے ایک بات تو واضح ہوتی ہے کہ ابن صفی نے کرادروں کی پیشکش سے پہلے ان کے جملہ اوصاف وضع کر لیے تھے۔ اس لیے بیک وقت متضاد صفات رکھنے والے کرنل فریدی اور علی عمران جیسے مرکزی کرداروں پر لکھنے کے باوجود دونوں کرداروں کے اوصاف واضح رہے اور کسی بڑی سطح کی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

بہر حال قارئین کی آراء اس بارے میں مختلف رہی ہیں۔ ابنِ صفی کی زندگی میں بھی فریدی پسندوں اور عمران پسندوں کے الگ الگ طبقے تھے جو ناولوں پر مسلسل تبصرے کیا کرتے تھے اور ابنِ صفی مرحوم پیشتر س میں قارئین کے خطوط کا ذکر کر کے جواب بھی دیا کرتے تھے۔ کرنل فریدی کی کہانیوں کے سلسلے کا نام جاسوسی دنیا تھا جسے قارئین کا ایک وسیع حلقہ نہایت پسند کرتا تھا۔ ان کے ایک قاری سید فہد ترمذی لکھتے ہیں:

> ابن صفی نے اپنے سارے مرکزی کرداروں کو ساتھ ساتھ پروان چڑھایا ہے، فریدی و حمید کے پہلے ناول دلیر مجرم میں اور آخری ناول صحرائی دیوانہ میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید میں فرق محسوس ہوتا ہے جو کہ اچھا لگتا ہے، بالکل اسی طرح علی عمران کے کردار کو بھی ابن صفی نے پروان چڑھایا اور اپنے ناولوں میں کوئی کمی نہیں رہنے دی۔(4)

سیاسی اور سماجی نظریات کا ارتقا

ابنِ صفی نے جاسوسی دنیا کا سلسلہ اہم مقاصد کو سامنے رکھ کر شروع کیا تھا۔ وہ اردو پڑھنے والے طبقے کو ایسا صاف ستھرا جاسوسی ادب فراہم کرنا چاہتے تھے جو فن کی کسوٹی پر بھی پورا اترے لیکن وہ جدیدیت کی اباحت پسندی کو بھی پاک ہو۔ ابنِ صفی کو یہ احساس بھی ہوا کہ سماج میں امن کے لیے قانون کی بالادستی اور انسانی احترام بہت ضروری ہے۔ انہی مقاصد کے پیشِ نظر کرنل فریدی کا کردار تشکیل دیا گیا اور کہانی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے فریدی کے ساتھ حمید کا کردار بھی منتخب کیا گیا جو کہ فریدی کی کہانی کو بیان

کرے۔ فریدی ایک عملی کردار تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس نے تجربے اور مشاہدے کے ذریعے جو کچھ سیکھا اسے سیاسی و سماجی افکار کے طور پر مکالموں میں پیش بھی کیا۔

فریدی رکھ رکھاؤ کا قائل، جسمانی مشقت کا عادی، منطقی سوچ کا حامل مسلسل جدوجہد کرنے والا کردار ہے۔ اس کی شخصیت ایک مہم جو، خطر پسند اور عملیت پسند فرد کا احساس دلاتی ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریوں یا پیشہ ورانہ مصروفیات اور عملی کاموں سے دلچسپی رکھتا ہے۔ جرائم کے خلاف کام کرتے کرتے فریدی کی سوچ و فکر میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ وہ مختلف طاقت ور گروہوں کو طاقت کے مزید حصول کے لیے جب کمزور اقوام کے خلاف گہری سازشوں میں مصروف دیکھتا ہے تو اسے عالمی سطح کے جرائم کے پسِ منظر میں مختلف نظاموں کی جنگ دکھائی دیتی ہے۔ اس کا شعور ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا انسانیت کی نجات اور مسائل کے حل کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ نظامِ معاشرہ اور سماجی اصلاح کے لیے فریدی کسی ٹھوس نقطۂ نظر کی تلاش میں ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں وہ اس بات سے پُرامید نظر آتا ہے کہ اگر سماج میں معاشی استحکام آجائے اور جائز خواہشات کی تکمیل سہولت کے ساتھ ممکن ہو تو لوگوں کے نفوس کی تہذیب ہو سکے گی، جرائم کا رجحان کم ہو جائے گا اور معاشرے میں استحکام پیدا ہو گا۔ مختلف مہمات میں فریدی کے جذبات و احساسات اور سیاسی و سماجی نظریات سامنے آتے ہیں جن میں بتدریج سلجھاؤ، وضاحت اور معمولی تغیر پایا جاتا ہے جو اس کے گہرے سیاسی، سماجی اور معاشرتی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ ایک کہانی میں فریدی اپنے سیاسی و سماجی نظریے کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

> "طاقت کا صحیح مظاہرہ یہ نہیں ہے کہ تم کمزوروں کو مسل دو۔۔۔بلکہ طاقت کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اپنے اندر بپھرے ہوئے وحشی کو ابھرنے نہیں دیتے۔ جب تک افراد کی داخلی تنظیم اس نظریے کے تحت نہ ہو گی بہتر سے بہتر نظامِ حیات بھی دیرپا ثابت نہ ہو سکے گا۔ تم آج ایک نظام سے اکتا کر دوسرے نظام کی بنیادیں رکھتے ہو مگر کل وہ بھی ڈھیر ہو جائے گا۔" (5)

فریدی کا شعور اسے عملیت پسندی پر آمادہ رکھتا ہے۔ وہ باتیں بنانے سے زیادہ کام کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ وہ عمل چھوڑ کر باتیں بنانے اور باتوں پر سر دھننے والے رویے کا ناقد ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تعمیری کام نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری زمین کی دولت غیر ملکی اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

"ہماری زمین کے سینے میں کیا نہیں ہے۔ مگر ہم مفلس ہیں۔۔۔ کاہل ہیں۔۔۔ ہمیں باتیں بنانی آتی ہیں۔ ہم تقریریں کرسکتے ہیں۔ ایک دوسرے پر اپنی ذہنی برتری کا رعب ڈال سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کے لیے اپنی بہترین ذہنی صلاحیتیں ضائع کرسکتے ہیں۔۔۔ لیکن ہم سے تعمیری کام نہیں ہوسکتے۔"(6)

وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ منتظرِ فردا رہنے کا قطعی قائل نہیں ہے۔ وہ جدوجہد پر یقین رکھنے والا شخص ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اسی جہد و طلب پر بزمِ ہستی کی بنیاد قائم ہے لہذا وہ ساحل کی تمنا ہی نہیں کرتا۔ اس کا خیال ہے کہ معلومات کا دائرہ وسیع ہو جائے تو انسان کی جہد و طلب میں بھی اضافہ ہو جانا چاہیے ورنہ وہ عضوِ معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ قوتِ عمل کا شدت سے قائل ہے اور اسی قوتِ عمل کی وجہ سے وہ شکست کو تسلیم نہیں کرتا اور ہر مہم میں آخر دم تک جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ ناول "ٹھنڈی آگ" کے مطابق کرنل فریدی کا مقولہ ہے کہ اگر کسی کا دائرہ معلومات اس کی قوتِ عمل سے زیادہ ہو تو وہ بے کار ہو کر رہ جاتا ہے کیوں کہ ایسا آدمی باتیں تو بہت بنا سکتا ہے لیکن عملی کاموں میں وہ صفر ہی رہتا ہے۔

معلومات اور ذہانت اگر درست راہ کے لیے استعمال نہ ہوں تو وہ بھی انسانوں کے لیے مسائل کا سبب بن جاتی ہیں۔ متعدد مہمات میں فریدی کو ایسے کئی مجرموں سے سابقہ پڑا جو اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے حامل تھے لیکن کسی کمزوری کی وجہ سے وہ معاشرے کے روایتی چلن، تنقیدی رویے اور تحقیر کی عادت کا شکار ہو کر ذہانت اور اس کے ذریعے حاصل کردہ قوت کے غلط استعمال پر اتر آئے۔ ایسے ہی ایک معرکے میں ایک بدصورت لیکن انتہائی ذہین مجرم کی حسرت انگیز موت پر تبصرہ کرتے ہوئے فریدی کہتا ہے:

"تمھیں کب حق پہنچتا ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی شکلوں سے نفرت ظاہر کرو۔ جب کہ تم ان سے بدترین بھی بنانے پر قادر نہیں ہو۔ آدمی نے خود ہی اپنی زندگی میں زہر بھر اہے اور خود ہی تریاق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔"(7)

جوں جوں فریدی کی مہمات بڑھتی جا رہی ہیں ویسے ویسے وہ آدمی اور اس کے مسائل کو گہری نظروں سے دیکھنے کا عادی ہوتا جا رہا ہے۔ اسے جرم کے خلاف کام کرتے ہوئے جابجا آدمی اور اسے درپیش مسائل نظر آتے ہیں۔ وہ محسوس کر رہا ہے کہ قانون اور جرم کے دائرے سے باہر بھی انسان کے بہت سے دکھ ہیں۔ اسے انسانی سماج کے کھوکھلے پن کا ادراک ہوتا جا رہا ہے۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ کچھ لوگوں کو ہمیشہ دوسروں کی خاطر

قربانی دیناہی پڑتی ہے ورنہ سماج آگے نہیں بڑھ سکتا۔ وہ کہتا ہے: "اپنے سکھ قربان کیے بغیر آدمی دوسروں کے دکھ نہیں بانٹ سکتا۔" (8)

بسا اوقات جرم کو اپنے استعمال کے لیے ایسے افراد کا ساتھ میسر آجاتا ہے جو ذاتی طور پر مجرم نہیں ہوتے لیکن وہ اپنی مجبوریوں، خواہشوں اور ضرورتوں کی وجہ سے جرم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ فریدی کو ایسے لوگوں سے ہمدردی ہے۔ اگرچہ وہ کسی بھی مجرم کو معاف کرنے کا عادی نہیں لیکن اس کا خیال ہے کہ مجبوری کی حالت میں جرم کا حصہ بننے والوں کو "کرائے کے سپاہی" کا فائدہ دینا چاہیے۔ یعنی ممکن ہو سکے تو ایسے لوگوں کو ہلکی پھلکی سزا دے کر معاف کر دینا چاہیے۔ اس کا خیال ہے کہ قانون کے دائرے سے باہر نکل کر انسانی بنیادوں پر اس قسم کے لوگ ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں۔ اگر انسانی معاشرہ ایسے لوگوں کا ساتھ دے، ان کا خیال رکھے اور انھیں مسائل کے مقابلے میں تنہا نہ چھوڑے تو جرم کا ساتھ دینے والے کم ہو سکتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

> "کرائے کے آدمی روٹی کے لیے سر سے کفن باندھتے ہیں۔ مجھے ان سے ہمدردی ہے اور اس وقت تک رہے گی جب تک ہماری سوسائٹی صحیح معنوں میں انسانی سوسائٹی نہیں ہو جاتی۔" (9)

فریدی قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے سماجی، معاشی اصول پر یقین رکھتا ہے کہ دولت کا ارتکاز نہیں ہونا چاہیے یعنی معاشرے میں دولت کی گردش جاری رہنی چاہیے۔ دولت اگر محدود ہاتھوں میں ہی رہے گی تو اس سے معاشرے میں بے چینی اور جھلاہٹ کی کیفیت پیدا ہو جائے جو کہ جرم کا سبب بنتی ہے۔ یعنی فریدی کا شعور ارتقائی طور پر دولت اور انسانی معاشرے کے باہمی تعلق کو گہرائی سے جانچ رہا ہے اور وہ سمجھ چکا ہے کہ مال و دولت انسانوں کی آزمائش کیوں ہے؟ اس کے نزدیک سماجی اور معاشی عدمِ توازن اور عدمِ اعتدال معاشرے میں جرم کا سبب بن جاتے ہیں۔ طاقت ور لوگ خود مواقع پر تسلط جما لیتے ہیں جبکہ عوام کو قناعت کا سبق دیا جاتا ہے۔ وہ حبِ جاہ اور حبِ مال کو مسائل کا سبب سمجھتا ہے۔ فریدی علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی سے بھی متاثر ہے۔ اس کا خیال ہے کہ:

> "اگر خود غرضی اور جاہ پسندی سے منہ موڑ لیا جائے۔ ایک نئے انداز کی سرمایہ داری کی بنیاد ڈالنے کی بجائے خلوصِ نیت سے وہی کیا جائے جو کہا جاتا رہا ہے تو عوام کی جھلاہٹ

رفع ہو جائے گی۔ضرورت ہے کہ انھیں قناعت کا سبق پڑھانے کی بجائے ان کی
"خودی" کو ابھارا جائے جیسے بعض دوسرے ممالک میں ہوا۔"(10)

خلاصہ یہ کہ کرنل فریدی نے اپنی مہم جو طبیعت کی وجہ سے سراغرسانی کا پیشہ اختیار کیا۔اس کا مقابلہ بڑے بڑے مجرموں سے ہوا لیکن اس کی نگاہوں نے جرم کا مقابلہ کرتے ہوئے سماج کی اندرونی پرتوں کا جب تجزیہ کیا تو اسے احساس ہوا کہ انسانی سماج اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے۔یہ سماج خود انسانوں کو مجرم بنا رہا ہے۔کسی کے ساتھ ظلم اور ناانصافی کا برتاؤ کرکے اور کسی کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر اسے مزید حوصلہ فراہم کرکے۔ یوں سماجی اور سیاسی حوالوں سے فریدی کے نظریے میں بتدریج ارتقا ہوا۔ وہ مختلف سماجی نظریات کو سمجھنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا کہ سرمایہ داری کا موجودہ عالمی نظام انسانوں کی کثیر آبادی میں جھلاہٹ اور زندگی سے اکتاہٹ کا سبب بن رہا ہے لہٰذا انسانوں کو اب ایک نئے انداز کی سرمایہ داری کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ اپنے افراد کے لیے ضرورت کے مطابق وسائل پیدا کر سکے۔کرنل فریدی کا خیال ہے کہ جس طرح قرآنِ کریم کے احکام اور روایتی سلسلے سے ملنے والی تعلیم پر اگر خلوصِ دل سے عمل کیا جائے تو معاشرے میں پیدا ہونے والے بہت سے جرائم کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح ایک نئی معاشی حکمتِ عملی بھی تیار کی جا سکتی ہے۔کرنل فریدی نے اس بات کو بھی تسلیم کیا کہ وہ ایک انقلابی سوچ رکھتا ہے لیکن اس کی انقلابی سوچ حدود اللہ کے دائرے ہی میں بند ہے۔وہ کسی ایسے ازم کو تسلیم نہیں کرے گا جو انسانوں کو خدا کی بندگی سے نکال کر کوئی نیا حل پیش کرتا ہو۔فریدی کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس بات پر ناراض نہیں ہوگا کہ وہ ایک استحصالی نظام کو ختم کرکے اس کی جگہ ایک ایسا نظام لے آئیں جس میں دولت چند ہاتھوں تک مرتکز نہ ہوتی ہو بلکہ سماج کی ضرورت کے لحاظ سے وسائل کی درست تقسیم ہو۔

2۔ساجد حمید کا ارتقائی مطالعہ

جاسوسی دنیا کے پہلے ناول میں حمید ایک خوش پوش، حسن کی نمائش کا عادی، صنفِ نازک کی جانب رومانوی طور پر مائل اور قدرے زنانہ نزاکت کا حامل نوجوان دکھائی دیتا ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں وہ فریدی کا نکما نائب نظر آتا ہے جس کا کام خوب صورت لڑکیوں سے دوستی کرنا اور ان کے ہاتھوں احمق بننا یا تحقیق و تفتیش میں کسی حماقت کا ارتکاب کرنا اور پھر فریدی سے ڈانٹ سننا ہے۔اولین کہانیوں میں وہ شہناز نامی ایک

لڑکی سے عشق کرتا ہے لیکن رفتہ رفتہ فریدی کی صحبت میں رہ کر اس کے دل میں بھی کام کا شوق جاگ اٹھتا ہے اور وہ کیس کو حل کرنے کے لیے محنت اور جستجو شروع کر دیتا ہے۔

خیالات، مزاج اور عمل میں ارتقا:

ابتدائی کہانیوں میں حمید اپنی ذاتی صفات مثلاً بہادری، کھلنڈرا پن، شوخی اور خاندانی شرافت کے باوجود عامیانہ خیالات کا حامل تھا۔ اس کے خیالات کی دنیا میں عام نوجوانوں کی مانند لڑکیوں کا راج تھا۔ وہ نت نئی لڑکیوں کے خیالات میں ڈوب جایا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے مزاج میں رومانویت کا عنصر غالب تھا۔ ہر چند کہ وہ جنسی جرائم اور بدکاری میں مبتلا نہیں تھا لیکن لڑکیوں سے اظہارِ عشق میں دیر نہیں لگاتا تھا۔ ابتدائی کہانیوں میں شہناز اس کی محبوبہ تھی۔ شہناز کے ساتھ اس کا عشق کئی کہانیوں تک قائم رہا لیکن بتدریج یہ تعلق کمزور ہوتا چلا گیا۔ شہناز کو بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ حمید کے ساتھ زندگی نہیں بتا سکتی کیوں کہ اس کی مصروفیت، بے ڈھب اور ان دیکھے خطرات میں گھری زندگی، کسی بھی وقت کسی حادثے سے دوچار ہونے کے اندیشوں کے ساتھ وہ سمجھوتا نہیں کر سکے گی اور اسے سکون میسر نہیں آئے گا۔ اس لیے شہناز نے اپنا رستہ الگ کر لیا اور ایک وکیل سے شادی کر لی۔

حمید کو شہناز کی بیوفائی کا دکھ تو ہوا لیکن اس کی زندگی میں اس قدر ہنگامے، مسائل، ذمہ داریاں، مہم جوئی اور دشواریاں تھیں کہ وہ زیادہ دیر تک شہناز کا غم نہ منا سکا اور جلد ہی اسے بھول بھال گیا۔ شہناز کے بعد بھی اسے بہت سی لڑکیاں پسند آئیں۔ کئی ایک پر تو وہ دل و جان سے فدا ہو گیا لیکن بسا اوقات ان لڑکیوں کا اتنا بھیانک روپ اس کے سامنے آیا کہ حمید کے رومانوی مزاج کو اس سے شدید دھچکا پہنچا یا وہ لڑکیاں اپنے کسی جرم یا غلطی کا شکار ہو کر موت کے منہ میں اتر گئیں۔ چنانچہ پے در پے سبق ملنے اور صنفِ نازک کے حوالے سے تلخ تجربات سے دوچار ہونے کے بعد حمید کی رومانوی شدت میں کمی آتی چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی عملی کاموں ذمہ داریوں کی ادائیگی اور دشواریوں سے مقابلہ کرنے کی صفات میں بتدریج بہتری رونما ہونے لگی اور اس کا رویہ کئی مہمات میں خاصا معقول اور کارآمد ثابت ہوا۔

جاسوسی دنیا کی بیسویں جلد کے ناول ”شیطان کی محبوبہ“ میں پہلی مرتبہ حمید کام کے مکمل موڈ میں دکھائی دیتا ہے جب فریدی اسے کوئی تفصیل بتائے بغیر ایک خطرناک مہم میں جھونک دیتا ہے۔ اس مہم میں حمید کو ایک خطرناک گروہ کو گرفتار کرنے کے لیے بچھائے گئے جال میں ایک قاتل اور اغوا کار کا کردار ادا کرنا تھا۔ حمید یہ کردار بڑی ذہانت سے نبھاتا ہے۔ اس پر فریدی اس کی تحسین کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ حمید میں

خود اعتمادی پیدا کرنا چاہتا ہے لہذا وہ اسے انگلی پکڑ کر چلانے کی بجائے آئندہ بھی اسی طرح کے خطرات میں دھکیلتا رہے گا۔ اگرچہ حمید کام کرنے کے موڈ میں آچکا ہے لیکن لڑکیوں کا بھوت اس کے دماغ سے پوری طرح نہیں اترا۔ تاہم اس مہم کے اختتام پر حمید کی ایک ایسی صفت نمایاں ہوتی ہے جس پر اسے قارئین کی جانب سے بھی خراجِ تحسین ملتا ہے۔ ناول شیطان کی محبوبہ کے اختتامی لمحات میں وہ مجرمہ سلیمہ کو گرفتار کر لیتا ہے جبکہ وہ اسے تنہائی میں گناہ کی دعوت دے رہی تھی، حمید کہتا ہے:

"شریف عورتوں کے آنسوؤں پر میں اپنا گلا بھی گھونٹ سکتا ہوں۔ تم شاید مجھے کوئی عیاش آدمی سمجھتی تھیں اسی لیے مجھے متوجہ کرنے کے لیے وہ ڈراما اسٹیج کیا تھا۔۔۔ لیکن ۔۔۔ چلو۔۔۔۔ ہتھکڑیاں پہن لو۔۔۔ مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو۔۔۔ میں صرف عورتوں سے دوستی کا شائق ہوں۔۔۔۔ عیاش نہیں۔"(11)

ناول "ٹھنڈی آگ" میں حمید اپنی کایا پلٹ کے متعلق کہتا ہے: "پھر آہستہ آہستہ میری کایا پلٹ ہوتی گئی۔ میں کرنل کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے مجھے آدمی بنا دیا۔"(12)

کایا پلٹ ہونے کے باوجود حمید خوبصورت لڑکیوں کی محفل سے جان نہیں چھڑا پایا۔ رویے میں بہتری آنے کے باوجود وہ کہتا ہے:

"مگر صرف ایک بات پر آج تک ان سے متفق نہ ہو سکا وہ بات آپ سے بھی پوشیدہ نہیں ۔جی ہاں ۔۔ وہی یلالیوں والا معاملہ ۔۔۔اور یہ بھی سن لیجیے کہ اپنے قلم سے۔۔۔۔ کرتے ہوئے مجھے شرم نہیں آتی۔ شرم یوں نہیں آتی کہ آج تک میرے قدم دوستی سے آگے نہیں بڑھے۔ میں لڑکیوں میں بیٹھ کر گپیں مارنے کا شائق ہوں۔ مجھے ان سے عشق نہیں ہو جاتا۔"(13)

حمید خواہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن شخصیت میں کمزوری کی ایک علامت یہی ہے کہ ذہنی اور جذباتی رویے میں بہتری آنے کے باجود صنفِ نازک کے معاملے میں حمید اپنی جبلت پر پوری طرح قابو نہیں پا سکتا۔ اس کے رویے میں خواتین کی طرف جھکاؤ موجود ہے ،اگرچہ وہ اپنے ماضی کے واقعات کو جذباتی بوکھلاہٹ کا نتیجہ ہی کیوں نہ قرار دیتا رہے۔

"ٹھنڈی آگ" نامی کہانی اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس کا مکمل قصہ حمید نے خود سنایا ہے۔ یعنی یہ قصہ ایک طویل روداد کے طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اس میں ناول نگار ایک راوی کے انداز میں واقعات کو بیانیہ انداز میں تحریر نہیں کرتا بلکہ متکلم کے صیغے کے ساتھ حمید کی جانب سے اس ناول کا تمام قصہ سنایا گیا ہے۔ اسی کہانی میں حمید فریدی کے سامنے بچہ بن جانے کے مزاج کا ذکر کرتا ہے۔ یعنی حمید کی حماقتوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ نفسیاتی طور پر فریدی سے اس قدر متاثر ہے کہ اس کی موجودگی میں حمید خود کو ذہنی طور پر بچہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے اس کی حرکات و سکنات میں بھی سنجیدگی کی بجائے شوخی، شرارت، ضد اور لڑکپن جھلکنے لگتا ہے۔ یہی حمید جب اکیلا ہو تو بسا اوقات زبردست کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس کی بہت سی صفات سامنے آتی ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ حمید بہت سے کاموں میں نہ صرف ماہر ہے بلکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بھی اچھی طرح نبھانا جانتا ہے۔

جاسوسی دنیا کا تہترواں ناول گارڈ کا اغوا ایک ایسی کہانی پر مشتمل ہے جو تنہا حمید کا کارنامہ ہے۔ فریدی کہانی کے آخری لمحات میں ظاہر ہوتا ہے اور پانسہ مکمل طور پر حمید کے حق میں پلٹ جاتا ہے۔ اس کہانی میں حمید کی قوتِ برداشت، ذاتی شرافت اور کچھ نیا کر دکھانے کی سوچ سامنے آتی ہے۔ جاسوسی دنیا کا چوہترواں ناول "شادی کا ہنگامہ" بھی حمید کا ارتقائی حوالہ ہے کیوں کہ اس کہانی میں کرنل فریدی بیلا مطرب نامی ایک لڑکی سے حمید کی شادی طے کر دیتا ہے۔ یہ شادی اگرچہ ہو نہیں پاتی تاہم اس ناول کے پیش رس کے مطابق حمید کی شادی نہ ہونے میں قارئین کی آرا کو حقیقی دخل تھا۔ قارئین نے مصنف کے اعلان کے جواب میں تنقیدی خطوط بھیج کر مطالبہ کیا تھا کہ حمید کی شادی نہ کروائی جائے کیوں کہ انھیں خطرہ تھا کہ شادی کے بعد اس کردار کی جاذبیت اور دل کشی کم ہو جائے گی۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ قارئین کے ہاں کرداروں کی متعین صفات ان کی مقبولیت میں کردار ادا کر سکتی ہیں۔

حمید کی ارتقائی تبدیلیوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں اس پر کچھ کر دکھانے کی دھن اچانک اس بری طرح سوار ہوتی ہے کہ اسے پھر کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ ایسی کیفیت میں وہ خود کو بے بس سا محسوس کرتا ہے۔ اس کیفیت کو حمید کی اصطلاح میں "ذہن پر چھپکلی سوار ہو جانا" کہا جاتا ہے۔ یہ چھپکلی جب بھی اس کے سر پر سوار ہوتی ہے، حمید اندھا دھند کوئی قدم اٹھا ہی لیتا ہے خواہ عقل کے نزدیک وہ کوئی حماقت ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر "وبائی ہیجان" نامی ناول میں حمید کے سر پر اچانک صنفِ نازک کا روپ دھار کر کچھ مشکوک افراد کی نگرانی کا بھوت سوار ہوتا ہے تو عواقب و نتائج کی پروا کیے بغیر حمید ایک

عورت کا میک اپ کر کے ہوٹل پہنچ جاتا ہے اور مجرموں کو "نسوانی" اداؤں سے قابو کر کے بے تحاشہ شراب پلا ڈالتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے حواس میں نہیں رہتے۔ حمید اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ وہ اسی نسوانی حلیے میں اپنے دوست قاسم کو بھی بے وقوف بنا کر اپنے ساتھ ویرانے میں لے جاتا ہے اور ڈنڈے سے اس کی پٹائی کرتا ہے۔ عین اسی وقت فریدی پہنچ جاتا ہے اور وہ حمید کے گال پر تھپڑ رسید کرتا ہے۔ یہاں فریدی کی جانب سے حمید پر پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھایا گیا تھا۔ حمید کو اس کا گہرا صدمہ ہوتا ہے۔ اس واقعے کے فوراً بعد وبائی مرض پھیلانے والے مجرم، حمید کو بھی وائرس کا شکار بنا ڈالتے ہیں۔ یوں ناول "وبائی ہیجان" میں حمید کئی ارتقائی حالتوں میں دکھائی دیتا ہے۔ مرض کا شکار ہونے کے بعد حمید کو محسوس ہوتا ہے کہ اچانک چھت اس پر گر جائے گی، بستر میں سانپ گھس آیا ہے، زلزلہ آچکا ہے اور سب کچھ الٹ پلٹ ہونے والا ہے۔ آخر کار وائرس کا علاج دریافت ہونے کے بعد حمید کی اس کیفیت سے جان چھوٹتی ہے جبکہ فریدی کی تیمارداری اور خلوص کی وجہ سے حمید تھپڑ والی بات کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ عورت کا کامیاب روپ دھارنے سے حمید کی فنکارانہ مہارتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ مہارتیں اس نے فریدی ہی سے سیکھیں ہیں کیوں کہ ابتدائی ناولوں میں حمید ان مہارتوں سے بہت کم واقف دکھائی دیتا ہے۔

سراغ رسانی کے لیے درکار مہارتوں میں ارتقا کے ساتھ ساتھ حمید کی لسانی اور ذہنی صلاحیتوں میں بھی بہتری ہوئی۔ بعض اوقات وہ طیش میں آئے بغیر ایسے کاٹ دار اور نوکیلے جواب دیتا ہے کہ قارئین کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر جاتی ہے:

"تم اس طرح مسکراتے کیوں ہو۔ کیا میں گدھا ہوں۔" ڈاکٹر دھاڑا۔

"گدھوں کو دیکھ کر میں ہمیشہ سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ آپ غلط سمجھے۔"(14)

لڑکیوں کے عشق سے نجات پانے کے بعد حمید کی شخصیت میں بتدریج بہتری آئی۔ اس کی حس مزاح کا معیار بھی بلند ہوا اور مزاحیہ افعال میں فنکارانہ نکھار بڑھ گیا۔ مثال کے طور پر ناول "لڑاکوں کی بستی" میں حمید طاقت کا سرمہ بیچنے والا ایک عطائی حکیم بن کر نمودار ہوتا ہے، اس نے نمونے کے طور پر دیوزاد دکھائی دینے والے قاسم کو ساتھ رکھا ہوا ہے۔ قاسم بھولا ضرور ہے لیکن وہ نہایت طاقت ور جسیم آدمی ہے۔ حمید کی پیشہ ورانہ بکواس میں علمیت کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں اور وہ اپنی لچھے دار گفتگو اور قاسم کی طاقت کے مظاہرے سے لوگوں کو متاثر کر کے "طاقت کا سرمہ" بیچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا مقصد سرمہ

بیچنا نہیں ہے بلکہ وہ کسی خاص مقصد کی خاطر یہ سب کچھ کرتا پھر رہا ہے۔ اس کی اداکاری یا فنکاری سراغ رسانی کے اس عمل کا حصہ ہے جس کی نگرانی فریدی کر رہا ہے۔

لڑکیوں کے عشق سے تائب ہونے کے باوجود وہ حسن پرست ہے اور جہاں اسے خوبصورتی دکھائی دیتی ہے وہ اپنی موجودگی وہاں ثابت کرنا چاہتا ہے خواہ وہ فریدی کی اسسٹنٹ ''ریکھا'' ہی کیوں نہ ہو اور خواہ اس کی پاداش میں اسے گدھا ہی کیوں نہ سمجھا جائے:

ریکھا نے ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ''گدھے ہو پرلے سرے کے، تمھاری اہمیت ہی کیا ہے۔''

دفعتاً حمید نے اس سے کہا: ''اب تم بھی کام کرنا سیکھو! کہہ دو کوئی ایسی بات کہ میں دوڑتا ہوا تمھارے گھر پہنچ جاؤں۔''

''بڑے خونخوار کتے پال رکھے ہیں میں نے۔''

''لیکن ابھی اتنے کمسن ہیں کہ ممی بھی نہیں کہہ سکتے۔'' حمید مایوسانہ لہجے میں بولا۔

''گدھے ہو۔'' ریکھا نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

''لیکن ہر گدھا خواہ انگریزی سے نابلد ہی کیوں نہ ہو ڈارلنگ ضرور کہہ سکتا ہے۔''

آخر ریکھا نے جھلا کر فریدی سے کہا: ''مجھے حیرت ہے کہ یہ حضرت آپ کے سامنے بھی بکواس کرتے رہتے ہیں۔''

''اس بیچارے کی زندگی کا انحصار ہی بکواس پر ہے۔'' فریدی مسکرایا۔(15)

فریدی کی بار بار فہمائش اور سمجھانے بجھانے پر حمید لڑکیوں سے کچھ فاصلہ اختیار کر لیتا ہے لیکن یہ تبدیلی بھی وقتی ہی ثابت ہوتی ہے کیوں کہ وہ لڑکیوں کے ساتھ بات چیت کرنے یا ان کے متعلق سوچنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

فلمی دنیا کے اسرار و رموز اور فلمی دنیا میں پیش آنے والے جرم و سزا سے وابستہ واقعات سے پردہ اٹھانے والے ناول ''ستاروں کی چیخیں'' کا آغاز حمید کی اسی ارتقائی تبدیلی کے ذکر سے ہوتا ہے۔ یعنی جس کے نتیجے میں حمید نے لڑکیوں سے دور رہنے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن کیا واقعی حمید لڑکیوں سے دور رہ سکا؟ ایسا نہیں ہوا کیوں کہ اس طرح حمید کے کردار کی دل کشی اور جاذبیت ہی ختم ہو جاتی۔

”تنہا تھا لیکن مایوس نہیں تھا۔ ہر چند اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب لڑکیوں کے پیچھے نہیں دوڑے گا لیکن اس میں کیا مضائقہ تھا کہ کوئی لڑکی خود ہی دوڑتی ہوئی اس کی طرف آتی۔“(16)

حمید لڑکیوں کے معاملے میں قدرے محتاط ضرور ہو چکا ہے اور اس کے کام کے انداز میں بھی بہتری آئی ہے لیکن وہ اپنی رومانوی جبلت پر قابو نہیں پا سکتا۔ اسی لیے ایک کہانی ”رلانے والی“ میں وہ فریدی کو جب ایک نہایت حسین عورت کے ساتھ رقص کرتے دیکھتا ہے تو جی ہی جی میں جل کر رہ جاتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ فریدی اس عورت کے فریبِ حسن کا شکار ہو چکا ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ ممکن ہے فریدی کسی خاص مقصد کی خاطر یہ سب کچھ کر رہا ہو۔ اسی ذہنی کشمکش کے دوران میں ایک مرتبہ فریدی حمید کو ملاقاتی کمرے سے نکل جانے کا کہتا ہے:

اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے بہت بلندی سے نیچے پھینک دیا ہو۔ تیزی سے وہ دروازے کی طرف مڑا تھا اور خواب گاہ میں آ کر کئی چیزیں توڑ ڈالی تھیں۔ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ کر سر کو کئی جھٹکے دیے تھے۔ پھر حلق پھاڑ کر چیخنے کو جی چاہا لیکن اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔(17)

حمید کی یہ کیفیت اس کی طبیعت میں موجود بچپنے کی نشان دہی کرتی ہے۔ وہ جس کام سے خود کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا فریدی کو اسی کام میں مبتلا دیکھ کر ضبط نہ کر سکا اور فریدی کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا۔ جبکہ شعوری طور پر اسے یہ احساس بھی تھا کہ فریدی کسی خاص مقصد کے تحت اس عورت کے قریب ہوا ہے جیسا کہ بعد میں اس کی تصدیق بھی ہو گئی یعنی وہ عورت ایک بڑی مجرمہ ثابت ہوئی۔

صنفِ نازک کے بارے میں حمید کی بات چیت اور خیالات کا ارتقا جاری و ساری رہتا ہے۔ عشقِ مجازی سے توبہ تائب ہونے کے بعد اس کی زندگی اس قسم کی بات چیت پر ہی منحصر رہ گئی ہے:

”کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔“ وہ اسے جھنجھوڑ کر بولی۔ حمید خاموشی سے خلا میں گھورے جا رہا تھا۔

”جواب دو۔“ اس نے پھر کالر کو جھٹکا دیا۔

”میں کیا عرض کر سکتا ہوں محترمہ۔“حمید آہستہ سے بولا۔”جب تک ایک لڑکی بھی روئے زمین پر موجود ہے میں صحیح الدماغ نہیں ہو سکتا۔“

”مجھ سے بکواس کی تو اچھا نہ ہو گا۔“

”کہیں جان نہیں چھوٹتی۔ تم تو جان کو لگی ہی ہوئی تھیں۔ اس ڈاکٹر ٹسڈل کے بچے کے یہاں بھی ایک عدد موجود ہے۔ واہ کیا نام ہے ربیکا۔۔۔ ربیکا۔۔۔۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی سلیم الطبع لڑکی گنڈیریاں چوس رہی ہو۔“(18)

حمید کی نفسیات پر جو رومانوی کیفیت مسلط رہتی ہے وہ اسے کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہیں کرنے دیتی۔ اس کے باوجود فریدی کی صحبت میں رہ کر وہ نکما بھی نہیں رہا بلکہ اس میں بہت سے کمالات موجود ہیں۔ وہ قومی جذبے سے بھی سرشار ہے لیکن اس کا اظہار کبھی کبھی ہوتا ہے۔ یہ کیفیت اس پر اسی وقت طاری ہوتی ہے جب وہ کسی غیر قوم کے فرد کے ہاتھوں اپنی قومی تذلیل کو محسوس کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر ٹسڈل کے معاملے میں بھی حمید کی قومی حمیت والی رگ پھڑک اٹھی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح ساری دنیا کی مختلف اقوام متحد ہو کر سفید فام اقوام کے چیتھڑے اڑا دیں لہذا وہ ٹسڈل والے معالے کو ذاتی مسئلہ سمجھنے لگا تھا اور نسلی اور قومی جذبات کے طوفان میں بہہ رہا تھا لیکن ہوا یہی کہ حمید کا سامنا ایک سفید رنگت والی عورت سے ہو گیا اور اس کے جذبات کا دھارا تھم گیا:

گاڑی سے اترتے اترتے قومی جذبات کو خفیف سا جھٹکا لگا۔ کیوں کہ سامنے ایک سفید فام عورت سے نظریں چار ہوئی تھیں۔ عورت حمید کو دلکش لگی تھی۔ اس نے سوچا ساری دنیا کی عورتیں ایک ہی قوم ہیں اور اس قومیت میں رنگ و نسل کو دخل نہیں۔(19)

عورتوں کے عشق سے جان چھڑانے کے بعد حمید کی طبیعت پر اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ اس کے لیے نفسیاتی طور پر سراغ رسانی کے چیلنج کو قبول کرنا اور معرکوں میں دل جمعی کے ساتھ حصہ لینا آسان ہو گیا۔ اس ساتھ ہی اس کی حسِ مزاح اور شاعری کی حس بھی نکھر گئی۔ گو کہ حمید باضابطہ طور پر شاعر نہیں لیکن اسے ایک ایسے فوجی کرنل کے سامنے شاعر بننا ہی پڑا جسے زعم تھا کہ وہ شاعر بھی ہے اور وہ بھی علامتی شاعر۔ یہ حمید کی ایک ارتقائی جہت ہے کہ وہ کرنل سے مرعوب ہوئے بغیر اس کے کلام پر نہ صرف نقد کرتا ہے بلکہ اسی

وقت کرنل کے مقابلے پر اس سے زیادہ مبہم علامتی شعر سنا کر اسے چیلنج بھی کر دیتا ہے۔ اسی محفل میں حمید کرنل کے سامنے اپنا ادبی نظریے بھی پیش کرتا ہے جو کہ علامتی شاعری پر تنقید ہے۔ یہ ارتقائی رویہ حمید کی ذہنی صلاحیتوں میں بہتری کی علامت ہے:

"ہے ناواہیات۔۔۔!" کرنل صاحب چہکے۔ "اس کے مقابلے میں میرا شعر ہے۔

اس کا شیوہ نہیں چٹاخ چھنن

چھیڑ بیٹھے تھے ہم پٹاخ چھنن

حمید نے ناک بھوں پر زور دے کر دوبارہ یہ شعر سنا اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کرنل صاحب بولے:

"ڈھول دھپے میں وہ بات کہاں جو چٹاخ چھنن میں ہے۔۔۔ یہ ہے علامتی شاعری، چٹاخ تھپڑ کی آواز اور چھنن چوڑیوں کی چھنکار۔۔۔!"

"ایہام الصوت کہتے ہیں اسے۔۔۔ یہ علامتی شاعری کہاں سے ہوئی۔" حمید نے جی کڑا کر کے کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔۔۔ تم کچھ نہیں جانتے۔"

اتنے میں کافی آگئی اور حمید نے کہا:

"علامتی شاعری کرنے والوں میں پیش دستی کی جرات ہی نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ شاعری بھی علامتی کرتے ہیں۔۔۔ غالب کا پیشۂ آبا سپہ گری تھا۔ وہ میری طرح آنریری کیپٹن نہیں تھے۔"(20)

حمید کی قسمت ہی ایسی ہے کہ خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے، اس کا پالا کسی نہ کسی صورت میں عورت ہی سے پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمید کے خیال میں عورت عذاب سے کم بھی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے وہ عورتوں سے محتاط بھی رہنے لگا ہے۔ زیرو لینڈ کے ایک سلسلے میں ایک عورت اس کے گلے ہی پڑ جاتی ہے جسے سنبھالنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ عورت ایک مکمل فتنہ ہے لیکن حمید کی تربیت میں فریدی کا کردار ہے اس لیے حمید اس عورت کی فتنہ گری سے خاصی حد تک بچا رہتا ہے۔ ریما نامی یہ عورت دراصل زیرو لینڈ کی علاقائی سربراہ ہوتی ہے جو کہ ایک غیر ملکی سیاح اور بدھ ازم کی طالب علم کے طور پر حمید سے ٹکراتی ہے۔ ایک بدھ بھکشو اسے حمید کے

سپرد کرتا ہے۔ بھکشوؤں کی ہلاکت کے بعد یہ عورت حمید کے سر پر ہی سوار رہتی ہے جبکہ فریدی خاموشی سے غائب ہو جاتا ہے۔ ریمانامی یہ عورت تنہائی سے فائدہ اٹھا کر حمید کو اپنی جانب مائل کرنے کی بہت سی کوششیں کرتی ہے لیکن حمید اس کے مکر و فریب کو بھانپ لیتا ہے اور اس کے جال سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔ اس موقع پر وہ فریدی کے بارے میں اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فریدی کے طریقۂ کار سے ہزار اختلاف کے باوجود حمید کے دل میں فریدی کی نہایت قدر و منزلت ہے جو کہ یقیناً فریدی کے بلند کردار کی وجہ سے ہے:

> اس ریمارک پر حمید کی کھوپڑی ناچ گئی۔ اس نے سوچا یہ کتیا جوگن کے روپ میں ملی تھی۔ اسے سکون کی تلاش تھی، نروان کی چاہ تھی اور اب کھال سے باہر ہوئی جا رہی ہے۔
>
> "تم جھینپ کیوں رہے ہو۔" وہ اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر ہنسی۔
>
> "شٹ اپ۔۔۔۔۔!"
>
> "سچ بڑے پیارے لگ رہے ہو۔"" یہ میں کرنل کی طرف سے کہہ رہی ہوں۔"
>
> "میں سمجھتا ہوں تم کیا چاہتی ہو۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔
>
> "کیا سمجھتے ہو۔"
>
> "اس قسم کی باتیں کر کے گویا میری انا کو للکار رہی ہو۔"
>
> "ہے ہی نہیں۔۔۔۔ للکار کر کیا کروں گی۔"
>
> "دنیا کے عظیم ترین آدمی کے ہاتھوں میری تربیت ہوئی ہے۔ اگر میرے مونچھ ہوتی تو اس مرحلے پر خود ہی نیچی کر لیتا۔۔۔ سنو اگر تم ہماری ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتی ہو تو اس ترغیب کے بغیر بھی حاصل کر سکتی ہو۔"(21)

مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارتقائی مرحلے سے گزرنے کے بعد حمید کی شخصیت میں ایک خاص ٹھہراؤ اور احساسِ ذمہ داری پیدا ہو چکی ہے۔ عورتوں کی جانب اس کا التفات بتدریج کم ہو رہا ہے۔ اب وہ اپنے فرائض کی جانب زیادہ سنجیدگی سے توجہ دیتا ہے۔

ایک ناول ''ریت کا دیوتا'' میں حمید کی اپنے گھر والوں سے قریباً پانچ برس کے وقفے کے بعد دوبارہ ملاقات دکھائی جاتی ہے۔ اتنی مدت بعد گھر واپس لوٹنے کے باوجود وہ زیادہ دن گھر میں نہیں گزار پاتا اور اسے ایک خاص وجہ سے دوبارہ فریدی کی جانب لوٹنا پڑتا ہے۔ گھر میں دل نہ لگنے کی کیفیت بتاتی ہے وہ اب پہلے سے بڑھ کر ذمہ دار ہو چکا ہے۔ اس کا سیاسی شعور بھی بہتر ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک دراصل ترقی پذیر ملکوں کے وسائل ہتھیا کر اپنی دولت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ حمید اب ان چیزوں میں دل چسپی لینے لگا ہے جو فریدی کی پسند ہیں۔ فریدی کے ساتھ رہتے ہوئے اسے سانپوں کے ساتھ کھیلنے کی مشق بھی ہو چکی ہے جیسا کہ ناول ''موروثی ہوس'' میں وہ آسانی سے سانپ کو پکڑ لیتا ہے کیوں کہ وہ فریدی کے ساتھ رہتے ہوئے اتنا تو سیکھ ہی چکا ہے کہ مشکل وقت میں سپیرا بن کر پیٹ پال سکتا ہے۔

ارتقائی سفر کے ان تمام مراحل سے گزرنے کے باوجود حمید کی بکواس کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ وہ رومانوی کیفیت پر بھی قابو پا چکا ہے لیکن باتوں کی حد تک وہ اب بھی وہی حمید ہے جسے عورت کے بغیر زندگی کا تصور سمجھ نہیں آتا جو بقول خود گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی خوب صورت عورتوں کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ وہ عورتوں کی حد تک اب بھی فلسفی ہے لیکن بقیہ معاملات میں آتش فشاں کا دھانہ بن چکا ہے:

''وہ اندر آئے اور پامیلا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی: ''اچھی خاصی جگہ ہے۔۔۔ لیکن

۔۔۔ہاں تم نے اپنا کیا نام بتایا تھا۔۔۔؟''

''عبد الخواتین۔۔۔!''

''بہت مشکل نام ہے۔ کوئی عرفیت بھی تو ہوگی۔''

''پیارے۔۔۔۔!'' حمید چٹخارہ لے کر بولا۔(22)

جاسوسی دنیا میں حمید کا کردار ایک ایسے نوجوان کا ہے جسے قسمت کی خوبی اور اپنی بعض اچھی صفات کی بدولت ایک بلند کردار، اعلیٰ صفات کی حامل اور نہایت قابل شخصیت کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع مل جاتا ہے۔ حمید اس شخصیت سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ اس کی سوچ و فکر، کردار اور عملی صلاحیتوں میں بہتری واقع ہوتی ہے۔ اس کی قومی اور وطنی جذبات بہتر ہو جاتے ہیں۔ جنسیت، عشقِ مجازی اور صنفِ نازک کے ہاتھوں بیوقوف بن جانے جیسی متعدد کمزوریوں پر وہ قابو پا لیتا ہے اور اس کی شخصیت میں بہت بہتری آجاتی ہے لیکن اس کی رومانوی جبلت کی اصلاح مکمل نہیں ہو پاتی۔ حمید آخر تک خود کو ''عبد الخواتین'' کہلا کر حظ اٹھانے کی کوشش کرتا رہتا ہے، خواہ اس کا مقصد محض باتوں سے جی بہلانے تک ہی محدود رہ گیا ہو۔

3۔ علی عمران کا ارتقائی مطالعہ

ابنِ صفی نے علی عمران کے کردار میں جو بنیادی صفات شامل کی تھیں وہ آخر تک برقرار رکھیں۔ یہ اس بات کی نشان دہی ہے کہ قارئین نے علی عمران کے کردار کو اس کی تہہ در تہہ پرتوں کے ساتھ نہایت پسند کیا۔ نفسیات کے اعتبار سے عمران خود ایک نفسیاتی کیس، تضادات کا مجموعہ اور سر پھرا نوجوان معلوم ہوتا ہے۔ حماقت آمیز سنجیدگی اور ذہانت آمیز حماقت کے امتزاج سے پیدا ہونے والے مضحک رویے اس کردار میں گہری دل چسپی کا سبب بن جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی فلسفیانہ گفتگو کی تہہ تک پہنچنا بھی آسان نہیں۔ کسی بھی کردار کے لیے اسے سمجھنا دشوار ہے۔ بظاہر خود ایک نفسیاتی معمہ ہونے کے باوجود یہ کردار فلسفے، منطق، ادب اور سائنسی اندازِ تفکر پر دسترس رکھتا ہے جو اس کے عبقری ہونے کی نشانی ہے۔ اس کے احمقانہ رویے عالمانہ شان و شوکت یا شخصی بڑائی کا تاثر پیدا ہونے نہیں دیتے۔ تفاخر اور ذاتی بڑائی اس کردار میں دور دور تک دکھائی نہیں دیتی۔ جدید سوسائٹی کے رکھ رکھاؤ سے وہ تنگ ہے۔ روایتی سنجیدگی اس سے دور بھاگتی ہے۔ یہ کردار جدیدیت پر مبنی تعقل پرستی، خاندانی جاہ و حشم، جاگیردارانہ وضع داری اور فرسودہ سماجی روایات سے باغی ہے۔ یہ ایک ایسا فرد ہے جو دوسروں کے مسائل تو حل کرتا ہے لیکن خود اپنے ہی طبیعت کا ستایا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ تضادات کا مجموعہ علی عمران بذلہ سنجی، شگفتگی، حوصلہ مندی، ذہانت اور نکتہ رسی، انکساری اور عزم و ہمت کا پیکر ہے جو قارئین کو نہایت پسند ہے۔ ابنِ صفی نے انہی صفات اور ذہنی رجحانات کی روشنی میں عمران کے کردار کو آگے بڑھایا، تاہم مصنف کی ذہنی وسعت قارئین کی جانب سے ملنے والے مشوروں اور عصری تقاضوں کی روشنی میں عمران کے کردار کی صفات میں بھی ارتقا وقوع پذیر ہوا اور بعض نئی صفات بھی اجاگر ہوئیں۔ اب ہم عمران کے مزاج، اس کے ذہنی رجحانات، اس کے مشن اور اس کی بنیادی صفات کی روشنی میں ابنِ صفی کے اس معروف ترین کردار کے ارتقا کا جائزہ لیتے ہیں۔

بطور مضحک کردار ارتقا

ابتدائی کہانیوں میں عمران کی حماقتوں کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔ لگتا ہے کہ وہ نئے پن کی تلاش اور بوریت سے چھٹکارا پانے کے لیے ان مغربی نوجوانوں کی طرح زندگی سے لاپروا ہو چکا ہے جو دقیق مغربی فلسفوں سے تنگ آ چکے تھے۔ اگلی کہانیوں میں جلد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی حماقتیں کسی مقصد اور غرض کے ساتھ ہی وابستہ ہوتی ہیں۔ کسی غرض اور مقصد کے لیے خود کو بیوقوف ظاہر کرنا چالاکی یا عیاری کہلاتا ہے

لیکن مہارت اور سنجیدگی کے ساتھ احمقانہ کام انجام دینا فن کاری کا متقاضی ہے۔ حماقتوں کے ارتکاب میں علی عمران بسا اوقات فنکاری کے درجے سے بڑھ کر سنجیدہ دکھائی دیتا ہے۔

ابنِ صفی کے بعض ناول عمران کی ایسی کہانیوں پر مشتمل ہیں جو کہ سیریز کے اعتبار سے بعد میں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں پیش کردہ عمران کا کارنامہ اس کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتا ہے، جب وہ سیکرٹ سروس کا سربراہ نہیں بنا تھا، ایسی ہی ایک کہانی میں عمران کی فنکاری دیکھیے:

> ان دنوں حماقتیں شباب پر تھیں۔۔۔۔ یعنی عمران نے بوڑھوں کی سی وضع قطع اختیار کرلی تھی۔۔۔ جو بھی دیکھتا بس دیکھتا رہ جاتا۔۔۔ دیکھنے والے فیصلہ نہ کرپاتے کہ اسے دیکھ کر قہقہے لگائیں یا خود بھی سنجیدہ ہو جائیں۔(23)

حماقت آمیز سنجیدگی کی ایک مثال اس مکالمے سے ظاہر ہوتی ہے جس میں عمران ایک سنکی شہزادے کے روپ میں فنکاری کا مظاہرہ کر رہا ہے:

> ”آپ براہ کرم سولات کے جوابات دیتے ہوئے محتاط رہیے۔۔!“ سب انسپکٹر خشک لہجے میں بولا۔
>
> ”ہم پیدائشی محتاط ہیں۔ سنا ہے بہت احتیاط سے پیدا کرائے گئے تھے۔“
>
> اس کی حماقت انگیز سنجیدگی میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا تھا۔(24)

عمران کی احمقانہ حرکتوں کو دیکھ کر کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ وہ کبھی سنجیدہ بھی ہو سکتا ہے، یہی خیال اس کے ساتھ کام کرنے والی ایک کردار جولیا کا بھی تھا۔ لیکن عمران کے باطن میں بسنے والی حقیقی سنجیدگی جب جولیا کے سامنے پہلی مرتبہ ظاہر ہوئی تو وہ حیران رہ گئی۔ عمران کی سنگلاخ طبیعت اس کے سامنے پہلی مرتبہ اجاگر ہوئی تھی۔ قارئین بھی عمران کو اس موڈ میں پہلی مرتبہ پڑھ رہے تھے۔ یہ عمران کی طبیعت کا ارتقا تھا یعنی ہر وقت ہنسنے، مسکرانے والا، بے فکر اور لاپروا عمران ملک دشمنوں کے لیے درندہ ثابت ہوا۔ درحقیقت عمران احمق نہیں کہ وہ موقع اور محل کے مطابق اپنے موڈ کو تبدیل نہ کر سکے:

> ”جولیا نے عمران کی طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی!۔۔۔ یہ اس احمق کا چہرہ تو نہیں تھا جسے جولیا بات بات پر الو بنانے کی کوشش کرتی تھی!
>
> احمق عمران اور اس عمران میں زمین و آسمان کا فرق تھا!“(25)

احمقانہ افعال علی عمران کی قوتِ ارادی کے تحت کی گئی خود اختیاری حرکت ہے۔ وہ جان بوجھ کر خود کو احمق ظاہر کرتا ہے۔ حماقت اس کی طبیعت کا حصہ بن چکی ہے۔ حماقتوں کا مسلسل مظاہرہ عقلیت پسندی کے خلاف علی عمران کا گویا احتجاج ہے، لیکن بعض مواقع پر حماقت کا یہ نقاب سرک جاتا ہے۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب علی عمران ملک و قوم کے کسی مفاد کو یقینی خطرے سے دوچار دیکھتا ہے اور موت وزندگی اس کے لیے برابر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لمحات میں علی عمران ایک مختلف شخصیت دکھائی دیتا ہے۔ گویا وہ کوئی درندہ ہے جو خطرے کو بھانپ کر یکلخت خبر دار ہو چکا ہے۔

جب کوئی کردار اسے پہلی مرتبہ ایسے سنجیدہ روپ میں دیکھتا ہے تو اسے یقین ہی نہیں آتا کہ یہ وہی علی عمران ہے جسے الو سمجھ کر چٹکیوں میں اڑایا جاتا ہے۔

صبیحہ نامی ایک کردار نے بیک وقت عمران کی ان دونوں صفات کا مشاہدہ کیا ہے جس سے ثابت ہوا علی عمران در حقیقت نہ تو احمق ہے اور نہ ہی وہ اس قدر سادہ ہے جیسا کہ دکھائی دیتا ہے۔

علی عمران ابتدائی کہانیوں میں حماقت آمیز ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی گفتگو میں جابجا تلمیحات، اشعار کے الٹ پلٹ حوالوں اور مضحکہ خیز ادبی تنقید سے مدد لیتا ہے لیکن بعد میں اس کے مزاج میں یہ تبدیلی دکھائی دیتی ہے کہ وہ ایک خاص فلسفیانہ رنگ کا مزاح اختیار کر لیتا ہے۔ اس مخصوص فلسفیانہ مزاح یا ظریفانہ جملوں میں تجاہلِ عارفانہ، خیالِ معکوس، قولِ محال، قولِ مضحک اور مغالطے پر مشتمل استدلال کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔ عمران کی مسلسل بولنے کی عادت برقرار رہتی ہے لیکن اس میں ایک لفظ سے دوسری جہتوں میں انتقالِ ذہنی کا رجحان کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اشعار کے الٹ پلٹ استعمال کی عادت بھی بدل جاتی ہے اور اس کی بہ نسبت کنفیوشس کے خود ساختہ یا خود اپنے ہی طبع زاد اقوال کو قولِ مضحک کے طور پر پیش کرنے لگتا ہے۔

کنفیوشس کے اقوال کے سلسلے میں علی عمران کا ایک مسلک یہ بھی ہے: "ویسے کنفیوشس کا قول ہے کہ اقوال میں بھی کچھ نہیں رکھا۔ افیون کی ایک چسکی دس اقوال کو بیک وقت جنم دے سکتی ہے۔" (26)

علی عمران کے مضحکہ خیز رویے کا آغاز اس کی پہلی کہانی خوفناک عمارت کے آغاز ہی سے ہوتا ہے۔ جب وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر لچک لچک کر کوٹ پر ٹائی باندھنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے اور اسی حالت میں ٹائی اس کے گلے کو پکڑ لیتی ہے۔ علی عمران کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے لیکن اس عالم میں بھی وہ نوکر سے فلسفے

کی باتیں کرنے سے باز نہیں آتا۔ یعنی اس مزاحیہ روپ میں علی عمران ایک جھکی نوجوان دکھائی دے رہا ہے جس کے دماغ پر فلسفہ سوار ہے۔ ملازم کے ساتھ اس قسم کی گفتگو کا کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا۔

ناول ”مہکتے محافظ“ میں علی عمران ”پلپلی صاحب“ کے مضحکہ خیز روپ میں ایک کتیا کی نگہداشت کرتا ہے اور اس کی مکالمے بھی اسی نوعیت کے ہوتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی بیمار بیوی کی عیادت کر رہا ہو۔ اس مضحک روپ میں علی عمران ایک سنکی معلوم ہوتا ہے جسے کسی دماغی مسئلے کی وجہ سے ایک کتیا پسند آگئی ہے اور وہ اس کی تیمار داری میں مصروف ہے لیکن یہ مضحک رویہ دراصل کسی مجرم کے طریقۂ واردات کو سمجھنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

ناول ”دل چسپ حادثہ“ میں عمران ایک اور مضحک روپ میں دکھائی دیتا ہے جب وہ ایک بدصورت، فربہ اور پچاس سالہ بوڑھی خاتون مسز چھٹا کیا کے ساتھ اظہارِ محبت کی وجہ سے ان کے ہاتھوں سر پر چوٹ کھا کر یادداشت کھو جانے کا مریض بن جاتا ہے اور اسی پاگل پن کی کیفیت میں اسے والد کی کوٹھی میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ علی عمران یہاں غائب دماغی اور پاگل پن کے نت نئے گل کھلاتا ہے لیکن اس کا مقصد درحقیقت اپنے والد کے خلاف ہونے والی سازش کا سدِباب کرنا ہے جس کے لیے وہ یہ مضحکہ خیز رویہ اختیار کرتا ہے۔

علی عمران کے مضحک رویے میں نفسیاتی حربے کے ساتھ سائنسی شعبدہ بازی بھی شامل ہو جاتی ہے۔ ناول شوگر بینک میں علی عمران ایک سائنسی شعبدے کو تعویز کی صورت میں اپنے بازو پر باندھ کر دشمن کو نفسیاتی طور پر دھوکا دیتا ہے۔ اس تعویذ نما سائنسی شعبدے سے وہ تھریسیا کی جان بچاتا ہے جو کہ ایک مجرم ہے لیکن خود ایک دوسرے مجرم کے جال میں پھنس چکی ہے۔ عمران اسے تسلی دیتا ہے:

دفعتاً عمران نے تھریسیا سے اردو میں کہا:

> ”تم بالکل پریشان نہ ہو۔۔۔ میرے بازو پر بابا ملنگ گورداسپوری کا تعویذ بندھا ہوا ہے، تعویذ کے موکل ایسی ڈنڈی بازی کریں گے کہ یہ لوگ چوکڑی بھول جائیں گے۔ ہم لوگوں نے روحانی سائنس میں بڑی ترقی کی ہے۔!!“(27)

علی عمران کا مضحک اور احمقانہ رویہ خود حفاظتی ڈھال کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ ناول ”تابوت میں چیخ“ میں دو نئے کردار ظفر الملک اور جیمسن سے اس کی ملاقات ٹرین میں ہوتی ہے۔ اس وقت عمران دشمن کی فرستادہ ایک لڑکی سے جان چھڑانے کے لیے ظفر الملک کے ساتھ لباس تبدیل کر لیتا ہے۔ اس موقع

پر وہ ہپی ازم کا پیروکار بن جاتا ہے۔ فلسفے کے بظاہر احمقانہ لیکن بباطن عیارانہ استعمال کی یہ کاوش مضحک رویوں میں ارتقا کی مثال ہے:

> نووارد بڑے والہانہ انداز میں اس سے بغل گیر ہو گیا اور آہستہ سے اس کے کان میں بولا:
>
> ”تم میرے لباس کو پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے ہو۔!“
>
> ”یہ حقیقت ہے۔۔۔!“
>
> ”ارے تو چلو لباس بدل لیں۔۔۔!“
>
> ظفر اسے حیرت سے گھورنے لگا۔ گاڑی دیر ہوئی حرکت میں آ کر رفتار پکڑ چکی تھی۔
>
> ”تم میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔!“ اجنبی چہک کر بولا۔ ”وی آر ہپیز میرا سب کچھ تمھارا ہے اور تمھارا سب کچھ میرا۔ ہم دنیا کو خوش حال دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم امن کے پیامبر ہیں۔۔۔ ہم جنگ سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمارا پیغام محبت ہے۔۔۔ آؤ میرے ساتھ۔!“
>
> وہ ظفر کا ہاتھ پکڑ کر غسل خانے کی طرف کھینچنے لگا۔(28)

غرض علی عمران کے مضحک رویے اور مزاحیہ مکالموں میں جزوی ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ وہ ابتدائی ناولوں میں اپنے ارد گرد موجود ”کرداروں“ یا سماجی رویوں پر مزاحیہ جملوں کی مدد سے تنقید کرتا ہے۔ بعد میں اس کے مزاحیہ مکالمے اور مزاحیہ حرکات شعوری طور پر صرف سراغ رسانی کے مقاصد سے وابستہ معلوم ہوتے ہیں۔ گو کہ بظاہر وہ صورتِ حال سے لاتعلق ہی کیوں نہ دکھائی دیں لیکن کہانی کے آگے بڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ علی عمران کا مضحک رویہ یا مضحک کلام دراصل کہانی میں پیش کردہ صورتِ حال سے عین مطابقت رکھتا ہے۔

عملی کردار (بطورِ سراغ رساں و جاسوس) کا ارتقا

تحقیق اور جستجو علی عمران کی روح میں داخل ہے۔ حقائق کو جاننے کی طلب اور نت نئی باتوں کو جاننے کی کھوج علی عمران کے مزاج کا حصہ ہے۔ وہ ہر راز کو جاننے کا خواہش مند ہے۔ یہ جستجو اسے جرائم کے پسِ پردہ حقائق کو طشت از بام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس کی سراغ رسانی کا پہلا بڑا کارنامہ ”لاشوں کا بازار“ ہے

جو کہ طالبِ علمی کے دور میں پیش آیا۔ یہ کہانی اگرچہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے بعد میں لکھی گئی ہے لیکن اس کا دور دراصل عمران کا وہ زمانہ ہے جب وہ آکسفرڈ یونی ورسٹی سے سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ان دنوں وہ اپنے والد کے ایک دوست کے گھر مقیم تھا۔ اس دور میں بھی اس کے چہرے پر معصومیت طاری رہتی تھی۔ وہ اپنی دل کش شخصیت کی وجہ سے مشرقی شہزادہ تصور کیا جاتا تھا۔ سراغ رسانی کے اس کارنامے میں عمران ایک ایسے گروہ کا کھوج لگاتا ہے جو ایک خطرناک مجرم کا روپ دھار کر لندن میں ہنگامے برپا کر رہا ہے لیکن اس گروہ کی پشت پر ایک بااثر خاتون اپنے بعض مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک چال چل رہی ہے۔ عمران کو شروع ہی سے واقعات کی نوعیت اور ان کے اسباب پر شک ہو جاتا ہے اور وہ واقعات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ آخر کار وہ گروہ کی اصلیت کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ اسی دوران میں اس کی ملاقات ایک بین الاقوامی مجرم "سنگ ہی" سے ہو جاتی ہے۔ عمران "سنگ ہی" سے سنگ آرٹ سیکھ لیتا ہے جس کے ذریعے وہ پستول کی گولی سے بچ سکتا ہے۔ سنگ آرٹ سیکھنا عمران کے کردار کا اہم ارتقا ہے کیوں کہ قانون کے ایک محافظ اور سراغ رساں کے طور پر اس کے کردار کے لیے سنگ آرٹ ایک اہم صلاحیت ہوتی ہے جو کہ بعد میں آنے والی مہمات میں اس کے بہت کام آتی ہے۔

علی عمران کی سراغ رسانی کا انداز عام ڈگر سے ہٹ کر ہے۔ وہ کسی درندے کی طرح مجرم کے پیچھے دوڑنے کی بجائے اسے اپنی تدبیر کے جال میں پھانسنے کا قائل ہے۔ وہ دشمن کو دوڑانے کی بجائے پاس بلانے کا عادی ہے۔ وہ شکاری ہونے کے باوجود خود کو شکار کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ وہ خود کو نہایت سادگی، احمقانہ بہادری یا حد درجے غفلت کا مظاہرہ کر کے دشمن یا مجرم کو خود پر حملے کی ترغیب دیتا ہے۔ علی عمران کا اصول یہ ہے کہ کام ہونا چاہیے خواہ اس کے لیے جو بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے۔ اسے آسان یہی لگتا ہے کہ خود کو چارے کے طور پر پیش کر دیا جائے۔ اس کا خیال ہے کہ بہت گہری منصوبہ بندی اس کے مزاج کو راس نہیں آتی الٹا تاخیر کی وجہ سے موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ بس موقع پر جو بن پڑے کر گزرو! لہٰذا فیصلہ کر لینے کے بعد وہ کر گزرتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ علی عمران منصوبہ نہیں بناتا۔ وہ زبردست چالیں چلتا ہے لیکن وہ تردد میں نہیں پڑتا۔ وہ تذبذب کا شکار بھی نہیں ہوتا۔ آنے والے حالات اور مشکلات کے لیے اس کا اصول یہ ہے کہ موقع پر جو بن پڑا کر لیا جائے گا۔ بعض کہانیوں میں اس نے دشمن کو گھیرنے، مجرم کو پکڑنے اور جرم کی تہہ تک پہنچ کر

اسے طشت از بام کرنے کے لیے پیچیدہ منصوبہ بندی بھی کی ہے اور حماقت و ذہانت اور دلیری و عیاری کے ساتھ خطرناک چالیں بھی چلی ہیں۔

ابتدائی کہانیوں میں علی عمران ایک رضا کار، ایک غیر سرکاری فرد یعنی عام شہری کے طور پر سماجی لیکن پیچیدہ جرائم کی کھوج میں انٹیلی جنس کے انسپکٹر فیاض کا ساتھ دیتا ہے اور اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی مدد سے جرم کی حقیقت اور مجرم کا کھوج نکال لاتا ہے۔ بطورِ سراغ رساں اس کے کردار میں بتدریج ارتقا واقع ہوتا ہے۔ عمران سیریز کی ایک کہانی میں اعلیٰ کارکردگی کے بدولت عمران کو اس کے والد کے محکمے میں انسپکٹر بکارِ خاص تعینات کر دیا جاتا ہے۔ اس عہدے پر رہتے ہوئے علی عمران "بھیانک آدمی" نامی کہانی میں پیش کردہ کارنامہ انجام دیتا ہے جبکہ اسی کہانی میں روشی کا کردار بھی اس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ جلد ہی علی عمران اپنے والد کے محکمے سے مستعفی ہو جاتا ہے کیوں کہ جرم کی تحقیق میں اس کے طریقۂ کار پر اس کے والد کو اعتراض ہے۔ اس کے بعد علی عمران نجی طور پر شادی شدہ مرد و خواتین کے بعض خفیہ معاملات کی چھان بین اور معاوضے پر کسی ایک فریق کی خاطر دوسرے فریق کی سراغ رسانی کا کام شروع کر دیتا ہے اور اسی چکر میں ایک اہم گھرانے کے پیچھے پڑے ایک بڑے بلیک میلر کو گرفتار کروا دیتا ہے۔ ناول "آدھا تیتر آدھا بٹیر" میں علی عمران وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری سر سلطان کو ایک بلیک میلر کے شکنجے سے نجات دلا کر انھیں اپنا ممنونِ احسان بنا لیتا ہے جس کے بعد وہ علی عمران کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسے وزارتِ خارجہ کے تحت قائم ہونے والی خفیہ سروس کا انچارج بنوا دیتے ہیں۔ یوں عمران کو سرکاری حیثیت مل جاتی ہے اور اس کے کردار میں بطورِ "ایکس ٹو" اہم ارتقا واقع ہوتا ہے۔ یوں علی عمران کی شخصیت میں پائی جانے والی متضاد صفات یعنی حماقت اور سنجیدگی اور انتہائی ذمہ داری کو اظہار کے مستقل مواقع میسر آ جاتے ہیں۔ بطور علی عمران وہ بدستور احمق، معصوم، چلبلا اور شوخ، مزاح پسند، یکسانیت سے بے زار اور شوقِ تجسس کی تکمیل میں نت سے نئی حماقتیں کرتا دکھائی دیتا ہے جبکہ بطورِ ایکس ٹو وہ نہایت سنجیدہ، سنگ دل، بے لچک، نہایت اصول پسند، قطعی غیر جذباتی، بیدار مغز، اور دور اندیش افسرِ اعلیٰ دکھائی دیتا ہے جو کہ ملک و قوم کی خاطر دن رات کام میں مصروف ہے۔ البتہ وہ کسی وجہ سے اپنے ماتحتوں کے سامنے نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایکس ٹو کے ماتحت صرف اس کی آواز ہی سنتے ہیں، وہ ان کے سامنے کبھی نہیں آتا۔ بعد ازاں بطورِ چیف ایکس ٹو اپنے ماتحتوں کے سامنے نمودار بھی ہوا تو وہ چہرے چھپائے ہوئے تھا۔ لہٰذا علی عمران بطورِ ایکس ٹو اپنے ماتحتوں کے لیے ایک معمہ ہی بنا رہا۔

علی عمران کے کردار میں سیکرٹ سروس کے چیف کے طور پر بھی ارتقا ہوا۔ ”شکرال کی مہم“ وہ کارنامہ تھا جس کے بعد علی عمران ملک کے خلاف ہونے والی بین الاقوامی سازشوں کا کھوج لگانے اور انھیں ناکام بنانے کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوا۔ بطور چیف عمران اپنے ماتحتوں کے سامنے نمایاں نہیں ہو سکتا تھا جبکہ طویل اور پر خطر سفر میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ احکامات دینے کا سلسلہ بھی جاری رکھنا تھا۔ لہٰذا علی عمران نے ایک ڈمی ایکس ٹو تیار کیا جس کا کوڈ نام بلیک زیرو تھا۔ ایکس ٹو کی ڈمی کے سلسلے میں یہ پہلا تجربہ تھا جو کامیاب رہا۔ اس کے ماتحتوں خاص طور پر جولیا کو یقین آ گیا کہ علی عمران ایکس ٹو نہیں ہے بلکہ ان کا پر اسرار باس کوئی اور شخصیت ہے۔ پہلا بلیک زیرو شکرال کی مہم میں ہی کام آ گیا۔ اس کے بعد عمران نے طاہر نام کا دوسرا بلیک زیرو تیار کیا جو کہ عمران کے اعتماد پر پورا اترا اور یوں ڈمی ایکس ٹو تخلیق کر کے علی عمران خود کو دنیا کی نظروں سے بطور سیکرٹ سروس چیف چھپانے اور دشمنوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

سیکرٹ سروس کا چیف بننے کے بعد علی عمران کے کردار میں بطور سراغ رساں نمایاں ارتقا یہ ہوا کہ اس کا دائرہ عمل قومی سلامتی کے خلاف ہونے والی بین الاقوامی سازشوں کو ناکام بنانے یا ملک کے تزویراتی مفادات کے خلاف ہونے والے جرائم کو روکنے اور قومی مقاصد کو سبوتاژ کرنے والی نظریاتی سازشوں کے خلاف متعین ہو گیا۔ اس کے بعد مقامی نوعیت کے جرائم یا کسی دوسرے ملک میں پیش آنے والی عام مہمات سے تعلق رکھنے والی کہانیوں کو یہ کہہ کر پیش کیا گیا کہ یہ عمران کے ابتدائی ارتقائی دور سے متعلق کارنامے ہیں جس کی مثال ناول ”تجوری کا راز“ ہے۔

مجرموں کے ساتھ مقابلے اور مجرموں کے نوعیت کے اعتبار سے بھی علی عمران کے رویے میں میں ارتقا واقع ہوا ہے۔ علی عمران کی پہلی مہم ”خوف ناک عمارت“ ہے۔ اس کہانی کا مرکزی مجرم کردار سر جہانگیر ہے۔ یہ اعلیٰ سماجی حیثیت کا فرد اور غیر ملک کا جاسوس اور قوم کا غدار تھا، یہ اہم نوعیت کے ضروری کاغذات بیرونِ ملک بھیجنے کی سازش کر رہا تھا۔ یہ کاغذات محکمۂ خارجہ کے خصوصی شعبے سے تعلق رکھتے تھے۔ علی عمران نے ایک رضاکار کی حیثیت سے انسپکٹر فیاض کے ساتھ کام کیا اور حیرت انگیز طور پر جرم کا سراغ لگا لیا۔ اس مہم میں فارن آفس کی سیکرٹ سروس کا ذکر آیا، بعد میں علی عمران اسی سروس کا سربراہ مقرر ہوا۔

”پراسرار چیخیں“ نامی کہانی میں علی عمران کو محکمۂ سراغ رسانی میں بھرتی کر لیا گیا۔ اس نے ایک ایسے کیس کو حل کیا جو کہ دس سال قبل داخلِ دفتر کر دیا گیا تھا۔ مرکزی ملزم نواب ہاشم اپنے بھتیجی کو بیٹی ثابت کر کے جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ علی عمران نے تفتیش کر کے ایک بہت پرانی تصویر کے ذریعے بھائی

کی موجودگی کو ثابت کر دیا۔ نواب ہاشم کو فراڈ اور قتل کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ بنیادی طور پر یہ ایک سماجی جرم سے متعلق کہانی تھی اور مجرم دولت کے لالچ میں مبتلا تھا۔

"بھیانک آدمی" نامی مہم کا مرکزی مجرم ایک خطرناک اسمگلر تھا۔ علی عمران نے اسے پھانسنے کے لیے خود کو چارہ بنا کر اس کے سامنے پیش کیا لیکن وہ الٹا خود ہی پھنس گیا۔ اسے جان بچانے کے لیے خودکشی کا ڈرامہ کرنا پڑا۔ اس ناول میں روشی نامی اینگلو برمیز طوائف نے علی عمران کا ساتھ دیا۔ عمران نے اسے صاف ستھری زندگی کا رستہ دکھا کر اپنا سیکرٹری بنا لیا۔

"پیاسا سمندر" میں زیرولینڈ کی طرف سے تھریسیا دوسرے سیارے کی مخلوق بن کر ڈاکٹر داور کی بیٹی کو بیوقوف بنانے اور ڈاکٹر داور کی ایجادات پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے آئی۔ اتفاق سے اس کے ایک کارکن سے زیرولینڈ کی ایجاد ڈاور کی تجربہ گاہ میں گر گئی جو ڈاکٹر عمران کے والد کو پہنچا دی۔ یہاں سے زیرولینڈ کے ایجنٹ عمران کے والد سے ٹکرائے اور ساتھ ہی عمران بھی میدان میں کود پڑا۔ عمران ڈاکٹر داور کی تجربہ گاہ میں پہنچا۔ اس کا مقابلہ تھریسیا سے ہوا جو اسے جُل دے کر فرار ہو گئی۔ تھریسیا کا مشن ادھورا رہ گیا۔ مقابلہ برابر کا رہا۔

"طاقت کا جال" نامی ناول میں بتایا گیا ہے کہ دو قطبی دنیا میں تیل کی اہمیت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ علی عمران نے ایک ایسے جرم کا سراغ لگایا جو آئل فیلڈ کے متعلق تھا۔ یہ تیل کی دولت کو چوری کرنے کا منصوبہ عجیب و غریب منصوبہ تھا جسے تیار کرنے والا شخص احمقوں کے ایک کلب کا صدر نشین تھا۔ احمقوں کا کلب درپردہ بلیک میلنگ کا ایک دھندا تھا۔ علی عمران نے حماقت کے جال میں تیار کیے گئے بلیک میلنگ اور محکمہ جاتی رازوں کے حصول کے اس منصوبے کے تاروپود بکھیر کر مجرموں کو گرفتار کر لیا۔ مظہر کلیم نے ان دونوں تصورات یعنی "احمقوں کی انجمن" اور "آئل فیلڈ" پر دو الگ الگ ناول یعنی پرنس ونچل اور ایکا بان تحریر کیے۔

ناول "شفق کے پجاری" میں علی عمران کا سامنا بالکل اتفاقیہ طور پر رفعت جاہ نامی ایک نواب سے ہوا جو اپنے ہی خلاف ایک ایک مصنوعی سازش رچا کر بھائی کو قتل کروا کے وراثت میں ملنی والی تمام جائیداد کو اپنے نام کر جانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ علی عمران حالات و واقعات کے منطقی ربط پر غور و فکر کے ذریعے اس درست نتیجہ تک پہنچ گیا کہ نواب ہی اصلی مجرم ہے۔

"سوالیہ نشان" نامی ناول کا مرکزی مجرم ایک بین الاقوامی مجرم تھا جو اپنی شناخت کو پوشیدہ رکھنے میں ماہر تھا۔ اس نے فون ٹریسنگ کے ذریعے ایکس ٹو کی ٹیم کو اغوا اور ایکس ٹو کو بے نقاب کرنے کی منصوبہ بندی

کی۔ وہ علی عمران کے ملک میں اس لیے آیا تھا کہ ایکس ٹو اور اس کی ٹیم کو راستے سے ہٹا کر ملک میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس میں دہشت گردی کروا سکے لیکن علی عمران نے اس کا ذکر سن کر جب حالات پر غور کیا تو وہ اس کا منصوبہ بھانپ گیا۔ اس نے ہلینا نامی لڑکی کو جو اس کی ایک خاص کارکن تھی اپنا ہمدرد بنا لیا۔ اس کام کے لیے اس نے احمق پرنس کی اداکاری کی۔ ہلینا کو اپنا ہمدرد بنا کر وہ دشمن کے ٹھکانے تک پہنچ گیا۔ مقابلے کے دوران میں مجرم ہلاک ہو گیا۔ ایکس ٹو کو بے نقاب کرنے، علی عمران کو قتل کرنے یا عالمی کانفرنس میں تباہی پھیلانے جیسے تصورات مظہر کلیم اور اشتیاق احمد دونوں کے ہاں ملتے ہیں۔ اس ناول میں علی عمران نے مغرب کے بعض ادبی نظریات مثلاً فطرت پرستی پر بھی تنقید کی ہے۔

"خطرناک لاشیں" ناول میں مرکزی مجرم ڈاکٹر گلبرٹ ایک حیاتیاتی سائنس دان ہے جو انسانی ذہن کی کایا پلٹ پر کام کر رہا تھا، اس کا نظریہ یہ تھا کہ انسان کو پر امن بنانے کے لیے اس کے ذہن کی ترقیٔ معکوس ضروری ہے۔ اس کے خیال میں اس کے نظریے کو عملی طور پر ثابت کرنے کے لیے ایشیائی انسانوں کی جانوں کو استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ علی عمران اس کے طریقہ واردات کو سمجھ گیا اور اس نے مجرم کا سراغ لگا لیا۔ عدالت میں ڈاکٹر گلبرٹ کا نظریہ سن کر علی عمران نے کہا کہ لوگ سڑک پر ناچنے والے کو دیوانہ کہتے ہیں لیکن لاشوں پر ناچنے والے کے سینے پر تمغے سجائے جاتے ہیں۔ علی عمران انسانوں کی اس دیوانگی سے تنگ نظر آتا ہے۔

ناولوں کے سلسلے "دلچسپ حادثہ، بے آواز سیارہ، ڈیڑھ متوالے" میں ایک بڑا مجرم "ہمبک دی گریٹ" سامنے آیا جو خود ایک نفسیاتی کردار بھی محسوس ہوتا ہے لیکن دراصل وہ نہایت شاطر انسان تھا۔ وہ حلیے کے اعتبار سے ایک قابل رحم کبڑا شخص تھا جس کی زندگی کئی پہلو رکھتی تھی۔ وہ شراب خانوں میں عام غنڈوں کے ہاتھوں تذلیل بھی برداشت کر لیتا تھا لیکن دوسری طرف وہ ایک شان دار زندگی بھی رکھتا تھا۔ اس کی نوابانہ زندگی کی وجہ اس کی بیگم تھی جو کہ نواب زادی تھی۔ نواب زادی کو اپنے کتے سے بہت پیار تھا۔ جب وہ کتا مر گیا تو نواب زادی ڈپریشن میں چلی گئی، ہمبک نے نواب زادی کے لیے ایک کتے کا کردار ادا کر کے اس کا دل جیت لیا تھا۔

ہمبک ایک پر اسرار مجرم تھا۔ اس کے جسم پر تشدد بے اثر رہتا تھا۔ وہ کسی بڑے طاقت کے ایجنٹ کے طور پر ایک غیر ملکی جاسوس کی رہائی، کچھ اہم کاغذات کے حصول اور ملک میں ناجائز اسلحے کے پھیلاؤ اور فسادات پھیلانے کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہمبک کئی زبانوں کا ماہر اور انسانی نفسیات سے کھیلنے کا عادی تھا۔ اس نے

نواب زادی کو بہکا کر اس کا شادی کر لی تھی اور نواب زادی کی دولت اور اثر رسوخ کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر تا رہا۔ عمران کو سازش اور جرم کے متعلق ابتدائی اطلاع اس کے غیر ملکی ذرائع سے ملی۔ اس نے یادداشت کھونے کا ایک بہانہ بنایا اور والد کی کوٹھی میں مقیم ہو گیا۔ پہلے اس نے غیر ملکی جاسوس کی رہائی کا منصوبہ ناکام بنایا پھر وہ ہمبک دی گریٹ کے پیچھے پڑ گیا۔ ہمبگ کے رازوں تک پہنچنے کے لیے اس نے طویل مشقت برداشت کی۔ ایک سنکی نواب کے ساتھ رہنا پڑا، ایک نہایت خطرناک ڈاکو خمیسو سے لڑائی کی اور آخر کار ہمبک کو اسلحے کے ذخیرے کے ساتھ رنگے ہاتھوں گرفتار کروانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہمبگ نے خودکشی کر لی اور نواب زادی اس کے غم میں اسپتال پہنچ گئی۔

''لوبولی، سہ رنگا شعلہ، آتشی باول'' میں بتایا گیا کہ پروفیسر اوٹو ویلانی ایک ایسے ملک کا ایجنٹ تھا جو عالمی سطح پر امداد دینے میں شہرت رکھتا ہے لیکن یہ ملک امداد دینے کے بعد امداد لینے والے ملک کو اپنی پالیسیوں کے مطابق اقدامات کرنے پر مجبور کرتا ہے یعنی مشروط امداد دیتا ہے۔ اوٹو ویلانی روحانیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنا جال پھیلانے کے لیے عمران کے ملک میں آیا تاکہ روحانیت کی آڑ میں حکومت کے اہم افسران کو اپنے جال میں پھنسا سکے۔ روحانیت کے جعلی لیکن پر اسرار چکر میں محکمہ خارجہ کا ایک ایسا افسر پھنس گیا جس کے پاس ایک نہایت ہی اہم اور خفیہ معاہدے کی دستاویز تھیں جو کہ اوٹو ویلدنی کا ملک حاصل کرنا چاہتا تھا۔ عمران نے مختلف طریقوں سے اوٹو ویلانی کے طریقے سے واقفیت حاصل کر لی اور اس کی سادہ لوح اسسٹنٹ رافیہ کو روحانیت کا ایک طالب علم بن کر چکر دیا اور اس پروفیسر کی جعلی روحانیت کا دھندا بے نقاب کیا۔ رافیہ نے عمران کو اہم معلومات فراہم کیں جس کی بنا پر عمران نے خفیہ دستاویز تک رسائی حاصل کر لی اور پروفیسر، عمران کے ہاتھوں مارا گیا۔

''شوگر بینک، تابوت کی چیخ، فضائی ہنگامہ'' کی کہانی کا مرکزی مجرم کرنل ہاپلنز نامی ایک کردار ہے۔ جو جنگ عظیم میں شریک رہا۔ بعد میں وہ زیرو لینڈ کی تنظیم میں شامل ہو گیا۔ وہ عمران کے ملک میں زیرو لینڈ تنظیم کا کوئی خفیہ کھیل کھیل رہا تھا۔ اس نے ایک پر اسرار کوڈ ایجاد کیا تھا جو اس کے ایک دوست کے ذریعے بہت پہلے ہی عمران کے علم میں تھا۔ زیرو لینڈ ایک خاص کوڈ تاروں کی ساز کی صورت میں پیغام رسانی کے لیے استعمال کرتی تھی۔ عمران نے اس کوڈ کو بھی حل کر لیا۔ زیرو لینڈ تنظیم کی عملی سربراہ تھریسیا ایوا گرین نامی لڑکی کی صورت میں عمران سے ٹکرائی اور عمران کو اغوا کر کے ساتھ لے گئی۔ اس نے کرنل ہاپلنز کے مقابلے میں عمران کی مدد چاہی۔ چونکہ اس وقت تھریسیا عمران کے ملک کے خلاف کام نہیں کر رہی تھی اس لیے

عمران نے اس کا ساتھ دیا اور ایک شعبدے کی مدد سے کرنل ہاپلنز کو بے بس کر کے گرفتار کر لیا۔ تھریسیا عمران اور اس کے ساتھیوں کو واپس چھوڑ کر کرنل کو ساتھ لے گئی۔

اس کہانی میں ظفر الملک اور جیمسن دو نئے کردار عمران کے ساتھی بنے۔ ظفر الملک ایکس ٹو کی ٹیم میں شامل نہیں ہوا لیکن عمران نے اسے اپنا شاگرد بنا لیا۔ ظفر الملک کی مدد سے عمران نے سردار گڑھ میں ہاپلنز کی ٹیم کا سراغ لگایا اور ان کے مقامی سرغنہ تک رسائی حاصل کر لی۔ عمران کا مقصد شوگر بینک نامی جگہ تک پہنچنا تھا۔ تھریسیا ایک مرتبہ پھر عمران کے مقابلے پر اتری اور اس کو تمام ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے شوگر بینک لے گئی اور جیل میں ڈال دیا۔ عمران نے ہاپلنز کو جو وہاں قید تھا اپنے ساتھ شامل کر کے ایک خصوصی حربہ حاصل کیا اور شوگر بینک نامی علاقے کو تباہ کر دیا۔ یوں تھریسیا کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔

"پاگلوں کی انجمن" عمران کا مقابلہ خدا کے منکرین اور نیچر لسٹ لوگوں کی تنظیم سے ہوتا ہے جو ایک ملکی طاقت کے اشارے پر عمران کے ملک میں الحاد پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ تنظیم مختلف سرگرمیوں میں ملوث ہے اور اس نے کئی طرح کے دھندے اختیار کر رکھے ہیں۔ علی عمران فلاحی اور رفاحی کاموں کی آڑ میں الحاد پھیلانے والوں کے مرکز میں داخل ہو جاتا ہے۔ بی الیون نامی تنظیم عمران کے پیچھے پڑ جاتی ہے اور علی عمران انھیں مسلسل دھوکے میں رکھتا ہے۔ ایک موقع پر وہ پادری کے روپ میں بی الیون تنظیم کے خاص ایجنٹ نور الدینوف سے کہتا ہے کہ جو خدا پر یقین نہیں رکھتے انھیں اس پر بھی شک رہنا چاہیے کہ ان کا اصل باپ کون ہے؟ یوں بھی نیچریت کا تقاضا ہے کہ اپنی پیدائش کو بھی نیچر کا عمل سمجھا جائے اور نیچر میں سب کی شراکت ہوتی ہے۔

"دست قضا" اور "ایش ٹرے ہاؤس" نامی ناولوں میں بین الاقوامی ٹھگوں اور لٹیروں کی ایک عالمی تنظیم کی ذیلی تنظیم نے عمران کے ملک میں جدید لاسلکی ایجاد سے بعض قتل کیے جو تنظیم کے داخلی مسائل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ گویا ڈرون کا استعمال تھا۔ عمران تنظیم کے پیچھے پڑ گیا۔ اس نے سرداور کی مدد سے دست قضا (ڈرون) کا توڑ کیا اور تنظیم کی باغی ایک لڑکی کی مدد سے ذیلی تنظیم کے ہیڈ کوارٹر ایش ٹرے ہاؤس پہنچ گیا جو کہ کسی دوسرے ملک کی سمندری حدود میں ایک چھوٹے جزیرے پر واقع تھا۔ اس جزیرے پر منشیات اور فحش فلموں اور رسائل کی تیاری کا کام ہوتا تھا۔ عمران تنظیم کے سربراہ کو چکمہ دے کر نکال لایا اور گرفتار کر کے اپنے ملک لے آیا۔

کنگ چانگ کے سلسلے کے پانچ ناولوں (کنگ چانگ، دھوئیں کا حصار، سمندر میں شگاف، زلزلے کا سفر، بلیک اینڈ وائٹ) میں کہانی بحر الکاہل میں افریقہ کے قریب موجود نیم خود مختار جزیروں کے ماحول کو بیان کرتی ہے۔ ان میں سے ایک جزیرے "موراکو" پر ایک خطرناک ایٹمی میزائل کو تیار کیا جارہا تھا جو کہ زمین کے ایک محدود سے حصے میں زلزلہ برپا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ جزیرے کے بادشاہ کی کمزوری کو بھانپ کر جاپانی خفیہ تنظیم کے ایجنٹ جزیرے کے سیاہ و سفید پر قابض تھے۔ انھوں نے ایک جنگل میں مصنوعی دھند پیدا کر کے تجربہ گاہ کو دنیا کی نگاہوں سے چھپالیا تھا۔ جاپانی تنظیم نے ایک قریبی جزیرے تاہیٹی سے عمران کے ملک کے پانچ اور فرانس کا ایک اہم سائنس دان اغوا کر لیے۔ اس پر عمران نے ان جزائر میں مہم انجام دینے کا فیصلہ کیا۔

موراکو جزیرے کے بادشاہ کا بھانجا "ہربنڈا" طویل عرصے سے لاپتہ تھا جو کہ ایک دوسرے جزیرے کے بادشاہ کا بیٹا تھا۔ فرانس کی سیکرٹ سروس سے مشاورت کے بعد عمران کے جوزف کو پرنس ہربنڈا کی صورت میں سامنے لا کر جزائر میں کھیلے جانے والے پراسرار کھیل میں شریک ہو گیا۔ پرنس ہربنڈا کی بیوی نے جوزف کو اپنا شوہر تسلیم کر لیا۔ پرنس کے ساتھ ہی ظفر الملک اور جیمسن اس کے محافظوں کی صورت میں تاہیٹی پہنچ گئے۔ راستے میں ان جزائر کے درمیان سمندروں میں رہنے والے سفاک مجرم ڈیڈلی فراگ کے ساتھ ان کا ٹکراؤ ہوا جس کے بعد عمران بھیس بدل کر ڈیڈلی فراگ کے ساتھ نتھی ہو گیا۔ ہربنڈا کو فرانس کی ایجنٹ لوئیسا کی خصوصی کشتی پر بنکارتا جزیرے لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے موراکو کا سفر کیا گیا۔ اس دوران عمران، ڈیڈلی فراگ کو بیوقوف بنا کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا رہا۔ فراگ، کنگ چانگ کے نام سے اپنا گروہ چلاتا تھا۔ موراکو میں جاپانی ایجنٹ کو قتل اور منصوبے کو تباہ کرنے کے بعد عمران ایک انجینئر کی تلاش میں ایک نہایت پر امن جزیرے پر پہنچا جہاں پرنس ہربنڈا بادشاہ کی صورت میں اسے مل گیا۔ ڈیڈلی فراگ، لوئیسا اور ملکہ کا چچازاد بھائی اپنا اپنا کھیل کھیل رہے تھے۔ عمران نے ان سب کو چکمہ دے کر انجینئر کو فراگ کے ہاتھوں قتل کروادیا جبکہ خود فراگ کو اس کی سابقہ لیکن اغوا کردہ محبوبہ نے قتل کر دیا۔ اس طرح دنیا کو ایک خطرناک ہتھیار سے بچا کر عمران نے ایک بڑے مجرم پر بھی قابو پالیا اور ایک پر امن جزیرے کی حکومت کو بھی غداروں سے محفوظ رکھا اور اپنے سائنس دانوں کو بھی زندہ نکال لیا۔

"آپریشن ڈبل کراس، خیر اندیش، پوائنٹ نمبر 12 اور ایڈلاوا" چاروں ناولوں پر پھیلی کہانی کا مرکزی مجرم ایک پراسرار کردار ایڈلاوا ہے جو ایکس ٹو کی طرح کسی معمے سے کم نہیں ہے۔ یہ شخص امریکا کے

قدیم قبائل کی نسل سے تھا، امریکا کے اصل باشندوں پر اسپین اور انگریز یعنی سفید فام نسل کے مظالم اس کے تاریخی تصور میں پیوست تھے اور اس کی زندگی کا مقصد اسپین سے انتقام لینا تھا۔ انتقام کی اس مہم کے لیے ایڈلاوا نے اسلحے اور یورینیم کی اسمگلنگ کا نہایت ہی پیچیدہ نظام اختیار کر رکھا تھا تاکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدن کو جوہری اسلحے کی تیاری کے لیے استعمال کیا جائے اور آخر کار اسپین کو تباہ کر دیا جائے۔ اس کے ایک ایجنٹ نے فرانسیسی سیکرٹ سروس کی لوئیسا کی ایما پر ایکس ٹو کے ڈیل ایجنٹ کے طور پر کام کیا تھا اور ایکس ٹو کو دھوکا دیا تھا۔ عمران نے سب سے پہلے اٹلی میں اس ایجنٹ کو تلاش کیا اور موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ اس کے بعد وہ "خیر اندیشوں" کی انجمن کے پیچھے پڑ گیا جو کہ دراصل ایڈلاوا کی تنظیم تھی۔ اس نے ایڈلاوا کے خاص آدمی کیپٹن الفروزے اور ایڈلاوا کی تنظیم کے ساتھ اس کا طویل ٹکراؤ ہوا۔ ایڈلاوا کی ایک خصوصی سیکرٹری لیریانا، الفروزے کے ظلم سے بچتے ہوئے عمران کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔ عمران نے ایڈلاوا کی تنظیم سے چھپ کر اس تک رسائی کی کوشش کرتا رہا۔ اور میریانا اور جیمسن اور جوزف کو بھی بچاتا رہا۔ اس نے جولیا اور صفدر کو یورینیم کے خریدار اسمگلر بنا کر خیر اندیشوں کے ہیڈ کوارٹر بھجوا دیا۔ یہاں اسلحے کی ایک لانچ کی تباہی کے بعد ایڈلاوا نے الفروزے کو تعینات کر دیا تھا۔ جولیا کی وجہ سے الفروزے ایڈلاوا کا مخالف ہو گیا لیکن وہ خود ایڈلاوا پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا کیوں کہ ایڈلاوا حلیہ اور آواز بدلنے میں مہارت رکھتا تھا اور سائنسی ایجادات کا بکثرت استعمال کرتا تھا۔ عملی عمران الفروزے کے ذریعے ایڈلاوا کے قریب پہنچ گیا۔ اس دوران میریانا عمران کی جان بچانے کے ارادے سے ایڈلاوا کے پاس لوٹ آئی۔ اس کی شکایت سن کر ایڈلاوا نے الفروزے کو ذبح کر دیا۔ اسی دوران علی عمران ایڈلاوا تک پہنچ گیا اور اسے مار ڈالا۔ میریانا نے مرنے سے پہلے علی عمران سے ملنے والے خلوص کا اعتراف کیا۔ وہ الفروزے کے ہاتھوں زخمی ہو گئی تھی۔ مہم کے اختتام پر علی عمران مریانا کے ساتھ ساتھ ایڈلاوا کے لیے بھی دکھی نظر آیا۔ کیوں کہ وہ خود بھی ایک مظلوم قوم کا فرد تھا جس پر سفید فام نسل نے بے پناہ ظلم کیے تھے۔

"ریشوں کی یلغار، خطرناک ڈھلان، جنگل میں منگل، تین سنکی" چار ناولوں میں پھیلی ہوئی اس طویل کہانی کے مرکزی مجرم تین افراد ہیں جو ناول "ایش ٹرے ہاؤس" کی خفیہ تنظیم کے آٹھ بڑوں میں سے آخری تین رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر برناڈ اور ایک پروفیسر نے کئی سائنسی تجربات کے بعد ایسی دوا ایجاد کی تھی جو انسانی بالوں کو بڑھا کر انسان کو بن مانس بنا دیتی تھی۔ ڈاکٹر برناڈ یہودی تھا اور وہ عمران کے ملک کے ناخواندہ قبائل کے لوگوں کو اکا دکا کر کے اغوا کر رہا تھا اور انھیں جانور بنا کر فروخت کیا جاتا تھا۔ پڑوسی ملک سے واپسی پر عمران

شکرال کے قریب سے گزرا اور ایک اتفاق کی وجہ سے اسے شکرال کے قریب ایک گاؤں میں ٹھہرنا پڑ گیا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ سرداروں کا سردار شہباز لاپتا ہے۔ اور شکرال کے چند لڑاکے جو شہباز کے ساتھ تھے حجرہ نشین ہو گئے ہیں اور کسی سے ملاقات نہیں کر رہے۔ عمران، شہباز کو ہی کے گاؤں جہاں اسے عجیب و غریب حالات کا سامنا ہوا۔ وادی زلمیر میں آنے والوں کو جانور بنا کر اغوا کیا جا رہا تھا اور پھر اس عمارت سے ہیلی کاپٹر میں کسی قریبی اڈے اور وہاں سے بحری جہاز میں ایش ٹری ہاؤس والے جزیرے میں منتقل کر دیا جاتا تھا جہاں ان کی بولیاں لگتی تھیں۔ لوگوں کو اس گندے کھیل میں شریک رکھنے کے لیے ڈاکٹر برنارڈ اور پروفیسر بظاہر فلسفی بن گئے تھے اور انھوں نے اپنے فلسفے کے ذریعے ایک ریٹائرڈ لیکن نہایت دولت مند جنرل کو بھی قائل کر لیا تھا یعنی کہ انسان ارتقاء کی وجہ سے ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لیے انسان کی فلاح اسی میں ہے کہ اسے دوبارہ جانور بنا دیا جائے تا کہ وہ مقابلہ بازی کا رجحان چھوڑ دے اور دوبارہ قدیم زندگی کی طرف لوٹ جائے۔

عمران نے اس گروہ کے چند افراد کو جن کے ساتھ برا سلوک کیا گیا تھا اپنے ساتھ ملا لیا۔ وہ جانور کی کھال کا لباس پہن کر ان میں شامل ہوا تھا۔ طویل جدوجہد کے بعد عمران نے جانور بنائے جانے والے افراد کو دوبارہ انسان میں تبدیل کروایا اور انھیں وطن واپس لے آیا۔ جنرل کو چھوڑ دیا گیا لیکن ڈاکٹر برنارڈ اور پروفیسر کو شکرالیوں نے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔

دو جلدوں پر مشتمل ناول "آدھا تیتر آدھا بٹیر" کی کہانی کا مجرم میجر ایمری تھا جو کہ مختلف ملکوں کی خارجہ پالیسی کو تبدیل کرانے میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ بلیک میلنگ اور دیگر ہتھکنڈوں سے کام لے کر مختلف ملکوں کے اہم افراد کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔ ایمری ایک نادیدہ حکومت کا کارندہ تھا جو کہ مختلف ممالک کی پالیسیوں پر اثرانداز ہو کر عالمی سیاست میں حسب منشا تبدیلیاں لاتی تھی۔ ایمری ڈاؤوڈن تیتر کو اپنی علامت کے طور پر استعمال کرتا تھا اور اس کا کوڈ ٹاپ کراس تھا۔ وہ عمران کے ملک میں ایک سفارت خانے کے خصوصی اتاشی کے ذریعے ایک خفیہ عمارت میں مقیم تھا۔ اس نے علی عمران کی بہن کے منگیتر کو بلیک میل کر کے ایک خاص ملک کے صدرِ مملکت کے دل کے آپریشن کو ناکام بنانے کی منصوبہ بندی کی تھی تا کہ اس صدر کے ناکام آپریشن کے بعد ایک دوسرے شخص کو صدر بنوا لیا جائے جو کہ ڈاؤوڈن کی باطنی حکومت کے خیال میں زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔ عمران کی بہن کے منگیتر ڈاکٹر شاہد کو اغوا کر لیا گیا اور پھر ڈاکٹر شاہد کی بہن ڈاکٹر ماہ لقا بھی اغوا ہو گئی تو عمران اس معاملے میں شامل ہو گیا۔ اسے یہ بات معلوم ہو گئی کہ

ڈاکٹر شاہد کے اغوا کے پیچھے جس شخص کا کردار ہے وہ خود کہاں روپوش ہے لیکن اس نے واقعات کو اس وقت تک آگے بڑھنے دیا جب تک اسے یہ انداز نہیں ہو گیا کہ آخر ڈاکٹر شاہد سے کیا کام لیا جانے والا ہے۔ منصوبے کا علم ہوتے ہی اس نے ڈاؤوڈن پر ہاتھ ڈال دیا۔ چونکہ ڈاؤوڈن غیر قانونی طور پر عمران کے ملک میں داخل ہوا تھا اور اس کے خلاف کسی بڑے جرم میں ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہ تھا لہذا عمران نے اسے ایک ایسی لانچ میں بٹھا کر ملک سے نکلنے کا موقع فراہم کیا جس میں بم فِٹ تھا۔ سمندر میں کچھ آگے جانے کے بعد لانچ بم دھماکے سے تباہ ہو گئی اور میجر ایمری ڈاؤوڈن اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا۔ اس کہانی کے اختتام پر عمران کے ملازم سلیمان کی گل رخ کے ساتھ شادی بھی ہو گئی۔

"علامہ دہشت ناک" ناول میں دراصل علامہ دہشت ناک "علامہ دہشت" کے نام سے سوشیالوجی کا پروفیسر تھا اور شاعر تھا بھی لیکن اس سب کے ساتھ ساتھ وہ "شہ زور" نام سے ایک خطرناک گروہ کا خوفناک مجرم بھی تھا۔ علامہ دہشت ناک دو شخصیتوں کا حامل ایک ایسا مجرم تھا جسے جذبہ انتقام نے جدید علم و فضل کے باوجود ایک خطرناک قاتل بنا دیا تھا۔ علامہ کی حیثیت سے وہ یونیورسٹی کا استاد بن کر اپنے طلبہ و طالبات ذہانت کا فلسفہ سمجھاتا تھا اور غیر ذہین لوگوں کو کیڑے مکوڑے قرار دے کر ان کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کو منطقی کہتا تھا جبکہ مجرم کی حیثیت سے وہ مختلف جرائم کا سرپرست تھا۔ وہ اس خاندان کا خاموشی سے خاتمہ کرنا چاہتا تھا جس نے برسوں پہلے اس کے تمام گھر والوں کو قتل کر دیا تھا جس میں صرف وہی ایک آخری فرد بچا تھا۔ کہانی کے آغاز میں علامہ دہشت ناک اپنے خاص کے ایک گروہ کو بتاتا ہے کہ گاؤں کا وہ معصوم بچہ جو اپنے گھر والوں کے ساتھ مارے جانے اور جلائے جانے سے بچ گیا تھا اپنے دشمنوں کی حویلی کو اپنی ذہانت کے بل بوتے پر ویران کر چکا ہے لیکن وہ لوگ جنھوں نے حویلی والوں کو بچے کے گھر والوں کے قاتل ہونے کے باوجود قانونی تحفظ فراہم کیا تھا وہ زندہ ہیں لہذا بدلہ لینے والے بچے کو بھی زندہ رہنا چاہیے۔ علامہ دہشت ناک کا نظریہ یہ تھا کہ آدمی کے محرکات میں جذبہ انتقام سب سے بڑا محرک ہے۔ مذہب کو غیر ذہین لوگوں کے لیے چند رسوم ورواج کی پابندی کا نام دے کر ان کی ضرورت سمجھتا تھا لیکن وہ خود مذہب کا باغی تھا۔ اس کے ذہن میں مذہب کی الگ تشریح تھی جسے وہ عام شاگردوں کے سامنے بیان نہیں کرتا تھا بس خاص شاگردوں کے سامنے وہ مذہب کو بریانی کی دیگ سے تعبیر کر دیا کرتا تھا۔ فلسفہء انتقام پر اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا عنوان تھا "انفرادی سے اجتماعی انتقام تک" اور "ایسی ڈکٹیٹر شپ کا تصور جس پر جمہوریت کا دھوکا ہو" علامہ کا اہم لیکچر تھا۔ سوشیالوجی اور دیگر علوم کے باوجود علامہ دہشت اپنے جذبہ انتقام کی تہذیب نہ کر سکا اور اس نے

جرم کا خطرناک راستہ چن لیا۔ اس نے اپنے وفادار شاگرد کے ذریعے حلقے میں شامل ایک طالبہ کو زہر سے قتل کروا دیا۔ یہ طالبہ عمران کی بہن ثریا کے سسرال سے تعلق رکھتی تھی۔ عمران کے علاوہ فیاض بھی اس کیس کی تفتیش کر رہا تھا۔ عمران نے علامہ دہشت کی ایک طالبہ شیلا کو اپنے چکر میں ڈال لیا جس نے پیٹر کی نشان دہی کی۔ پیٹر کے علاوہ علامہ کے چند مزید شاگرد عمران کی گرفت میں آ گئے جن سے شہ زور نامی ایک ہپی کا علم ہوا۔ عمران کو تفتیش کے ذریعے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ علامہ کے کئی شاگرد تعلیم کے بعد شہ زور کے گروہ میں شامل ہو چکے ہیں۔

علامہ دہشت کی کہانی سن کر عمران نے اس خاندان کے آخری فرد کو بچانے کی کوشش کی جو کہ نشانہ بننے والا تھا۔ کئی شاگردوں کو کھونے اور اہم کارندوں کے غائب ہو جانے کے بعد علامہ دہشت شہ زور کے روپ میں خود عمران سے ٹکرایا لیکن عمران نے اس پر قابو پا لیا۔ انتقام کی تکمیل نہ ہونے کے صدمے کی وجہ سے علامہ دہشت کا دماغ الٹ گیا اور وہ صدمے سے پاگل ہو گیا۔ ایڈلاوا کی طرح علامہ دہشت کے انجام پر بھی علی عمران نہایت غمگین ہوا۔

"زیرو لینڈ" سلسلے کے چار ناولوں میں زیرو لینڈ سے متعلق ایک طویل کہانی ہے۔ اس کہانی میں عمران کو زیرو لینڈ کی پر اسرار عورت تھریسیا نے اپنے ایک خاص مقصد کی خاطر استعمال کیا۔ وہ اپنے تنظیم کے ایک اہم رکن سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی جو کہ اس کے لیے مسائل پیدا کر رہا تھا لیکن وہ اسے براہ راست سزا نہیں دے سکتی تھی۔ اس لیے وہ عمران کو استعمال کرنے پر غور کر رہی تھی کہ عمران کے ملک میں "باؤل دے سوف" اپنے بچے کو دودھ پلاتی گدھی کی ایک پینٹنگ کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ پینٹنگ ہٹلر کی کلیکشن میں موجود تھی اور پھر غائب ہو گئی تھی۔ مشرقی اور مغربی جرمنی کے ایجنٹ اس پینٹنگ کے متعلق کھوج میں مصروف تھے۔ اچانک عمران کے ملک میں ایک فرانسیسی نژاد شخص شمران کا علم ہوا جس کی تحویل میں پینٹنگ کا شبہ تھا۔ دونوں ملکوں کے ایجنٹ شمران تک رسائی کی کوشش کرنے لگے۔ شمران دراصل ہٹلر کا مفرور ایجنٹ تھا۔ وہ سردار گڑھ میں روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ یہ پینٹنگ اسے ایک نازی جنرل کے سپرد کرنی تھی جو کہ برازیل یا کسی لاطینی امریکا کے کسی حصے میں تھا اور ایک خفیہ تنظیم بنا کر کام کر رہا تھا۔ شمران کو جب کینسر ہوا تو اسے علم ہو گیا کہ وہ اب زندہ نہیں رہے گا تو اس نے عمران کو راز دان بنا لیا اور اسے بتایا کہ اس کی وصیت سے اسے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔ عمران نے اس پینٹنگ کی تصاویر حاصل کر لی تھیں اور اسے شبہ ہو گیا تھا یہ کسی جگہ کا نقشہ ہے لیکن وہ اس نقشے کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اسی دوران یہ پینٹنگ آئی ایس آئی والوں کی تحویل سے کسی

سیکرٹ ایجنٹ نے حاصل کرلی۔ عمران اس ایجنٹ تک پہنچ گیا لیکن وہ پینٹنگ اور اس کے نیگیٹیو وغیرہ زیرو لینڈ کے ایجنٹ لے اڑے۔ عمران کو پراسرار طریقے سے ٹریپ کر کے سمندر میں ایک خصوصی آبدوز کے ذریعے زیرو لینڈ کے ٹھکانے منتقل کر دیا گیا۔ زیرو لینڈ کے ٹھکانے پر عمران کے علاوہ روس، امریکا، فرانس اور برطانیہ کے چار اہم عہدے دار بھی جمع کیے گئے۔ انھیں جمع کرنے کا مقصد عالمی طاقتوں کو اپنی قوت دکھانا اور ان سے سالانہ بجٹ میں بھتہ وصول کرنا تھا۔ زیرو لینڈ نے ایک ایسا چھوٹا سا مصنوعی سورج بنالیا تھا جو کہ برف باری کر سکتا تھا۔ تھریسیا ان لوگوں سے ایک سیاہ فام عورت لینڈ ملینا کی صورت میں ملی تھی۔ وہ انھیں باور کرواتی رہی کہ ان کے جسموں کو ٹرانسمٹ کر کے مریخ تک پہنچا دیا گیا ہے۔ (یہ تصور مظہر کلیم نے پاور لینڈ کے سلسلے کی کہانیوں میں بھی پیش کیا ہے۔) تھریسیا نے انھیں سمجھایا کہ وہ زیرو لینڈ کے لیے کام کریں کیوں کہ دنیا کے موجودہ مسائل جنگوں اور بدامنی کا واحد حل ایک عالمی نظام ہے جو کہ زیرو لینڈ قائم کرنا چاہتی ہے۔ زیرو لینڈ ایک باطنی حکومت کی مانند دنیا کے معاملات پر اپنی گرفت مستحکم کرتی جا رہی ہے۔ عمران نے اس فلسفے کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا انسان کی زندگی جب جبر کے ذریعے کسی خاص ڈھب پر ڈالی جائے تو یہ غیر فطری زندگی وہ زیادہ دیر تک اسے برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا ایک عالمی نظام کا تصور ناقابل عمل ہے۔

تھریسیا نے عمران کے ذریعے تنظیم میں موجود اپنے مخالفین کو قتل کروا دیا۔ عمران نے تھریسیا کی قید سے فرار ہونے کی کوشش کی اور ایک پہاڑی پر چڑھ کر اس نے اندازہ لگالیا کہ وہ پہاڑیوں سے گھرے ایسے خطے میں ہیں جس کی جغرافیائی بناوٹ بچے کو دودھ پلاتی گدھی کی تصویر سے مشابہ ہے۔ گویا ہٹلر اسی جگہ کو اپنی خفیہ تنظیم کے اڈے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن زیرو لینڈ والے اس پر قابض ہو گئے۔ عمران اس پوری مہم میں تھریسیا کے لیے استعمال ہوا۔ وہ زیرو لینڈ کو اتنا ہی نقصان پہنچا سکا کہ اس نے ٹھنڈے سورج کو تباہ کر دیا۔ اس کے باوجود تھریسیا نے عمران کو زندہ واپس بھیج دیا کیوں کہ تھریسیا کا خیال تھا کہ ایک نہ ایک دن عمران حب الوطنی کو ترک کر کے اس کے عالمی حکومت والے نظریے سے متفق ہو جائے گا۔

ناول "ڈاکٹر دعاگو" کا مرکزی مجرم بھی ڈاکٹر دعاگو ہے۔ اس کہانی میں ایکشن کم ہے لیکن عمران کا ذہنی ارتقاء خاصا واضح ہوتا ہے۔ یہ کہانی ایک ایسے مجرم کو بیان کرتی ہے جو کہ ہپناٹزم کا ماہر ہے اور روحانیت اور نفسیاتی مسائل کے علاج کا دھندا پھیلا کر لوگوں کو ہپناٹزم کر کے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا ایک فرد معاونت کر رہا تھا۔ ڈاکٹر دعاگو ایک بڑی طاقت کا ایجنٹ تھا اور وہ وزارتِ خارجہ سے خاص راز حاصل کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ علی عمران اتفاق سے اس کے کلینک

پر ایسے وقت جا پہنچا جب ڈاکٹر دعا گو نے ایک ایسے سرکاری افسر کو ہپناٹزم کر کے خود کشی پر مجبور کر دیا تھا جس پر سی آئی ڈی والوں کو شبہ تھا اور وہ اس کی نگرانی کر رہے تھے، اس خود کشی کے واقعے کے بعد ڈاکٹر دعا گو نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ اپنی اولاد اور بیوی کے ہاتھوں تنگ تھا۔ علی عمران کو اسی وقت ڈاکٹر پر شک ہو گیا کیوں کہ وہ افسر لاولد تھا۔ ڈاکٹر دعا گو اور اسے گروہ کے جرائم کو بے نقاب کرنے کے لیے علی عمران نے طویل جدوجہد کی اور آخر کار اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا، اس کے بعض ساتھی اس کے خلاف وعدہ معاف گواہ بن گئے اور اس کی کوٹھی سے بھی حساس دستاویز برآمد کر لی گئیں۔

"جونک کی واپسی، زہریلی تصویر اور بیباکوں کی تلاش" ناولوں کا مرکزی مجرم سنگ ہی ہے۔ وہ طویل روپوشی کے بعد زیرولینڈ کا نمائندہ بن کر عمران کے ملک میں آیا تھا۔ اس کا مقصد زیرولینڈ کی ایک مقامی تنظیم انجمن بیباکان کی مقامی لیڈر شپ کا خاموشی سے خاتمہ اور اس کی جگہ نئی قیادت کو لانا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایک خاص ملک کے سفارت خانے کے اہم آفیسر کو ملک سے فرار کروانا چاہتا تھا۔ وہ افسر عیاش تھا اور اس نے سفیر کی بیوی پر ڈورے ڈال رکھے تھے۔ سفیر نے سنگ ہی کی موجودگی میں اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ سنگ ہی نے اس کی لاش ایک چینی کی گاڑی میں ڈال دی۔ اتفاق سے جولیا اس معاملے میں ملوث ہو گئی اور یوں معاملہ عمران تک جا پہنچا۔ سنگ ہی کی ٹیم نے عمران کو بہت چکر دیے لیکن عمران آخر کار اس مجرم تک پہنچ گیا جس کو سنگ ہی بچانا چاہتا تھا۔ انجمن بیباکان کے مقامی سربراہ پروفیسر راشد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ تنظیم کسی غلط مقصد کے لیے استعمال ہو رہی ہے، وہ عمران کو مطلع کرنے کے لیے اس کے فلیٹ پر پہنچا لیکن دروازے پر ہی قتل کر دیا گیا۔ عمران پروفیسر راشد کے قتل کے معمے کو سلجھانے نکل کھڑا ہوا اور آخر کار اس کا ٹکراؤ سنگ ہی سے ہو گیا۔ سنگ ہی نے ابتدائی مقابلے میں عمران کو شکست دے دی لیکن قتل نہیں کیا کیوں کہ وہ عمران کو اپنے ساتھ لے جا کر زیرولینڈ کا باشندہ بنانا چاہتا تھا۔ عمران نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک لڑکی ساجدہ کی مدد سے انجمن بیباکاں کے خصوصی راز تک پہنچ گیا جس سے اسے پوری تنظیم کا علم ہو گیا۔ سنگ ہی کو عمران نے گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بچ نکلا۔ بیباکوں کی تلاش میں عمران ایک سرحدی شہر جا پہنچا، وہاں اس کا ٹکراؤ ایک گھریلو لیکن نہایت شوخ لڑکی صبیحہ سے ہو گیا جس کے گھر میں ملازمت اختیار کر کے اس نے نہ صرف صبیحہ کو بعض مشکلات سے بچایا بلکہ بیباکوں کی تنظیم کو بھی گرفتار کروا دیا۔ سنگ ہی آخر میں پھر بھاگ گیا۔

بطور مفکر ارتقا

ابتدائی ناولوں میں عمران کی تنقید کا رخ ادب اور سماجی رویوں کی جانب تھا، عقلیت پسندی پر اس کی تنقید ابتدائی کہانیوں میں بھی دیکھی جاتی ہے لیکن جب وہ سماج میں موجود مسائل اور جرائم کا تجزیہ کرتا ہے تو اس کی فکر میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ایک سراغ رساں کی حیثیت سے عمل اور جدوجہد پر یقین رکھتا ہے اور عالمی سازشوں اور ملک کے خلاف ہونے والی منصوبہ بندیوں اور جرائم کا کھوج لگا کر انھیں ناکام بناتا ہے لیکن ایک مفکر کی طرح فلسفیانہ انداز میں جرائم، سازشوں اور عالمی سطح پر ہونے والی کشمکش کے اسباب پر غور و فکر بھی کرتا ہے جو کہ اس کی ارتقائی فکر کا نتیجہ ہے۔

دنیا میں پائے جانے والے مختلف فلسفوں کے مقابلے میں علی عمران نے بھی اپنا نظریہ پیش کیا۔ اس کا فلسفہ حماقت ہے۔ اس کا خیال ہے کہ انسان جب تک خود کو عقل مند خیال کرتا رہتا ہے اس وقت تک وہ احمق ہی ہوتا ہے، لیکن جب انسان خود کو احمق خیال کرنے لگے تو وہ اپنے درست مقام کو پالیتا ہے:

> ویسے اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ آدمیت کی معراج صرف حماقت ہے۔۔۔ میں یہ بھی تسلیم کر سکتا ہوں کہ آدمی کو ابھی اپنا عرفان نہیں ہوا، جس دن بھی ہوا وہ احمق ہو جائے گا، یہی اس کی معراج کہلائے گی۔(29)

تعقل پسندی اور تجربیت کے جواب میں نظریۂ حماقت پیش کرنے کے بعد علی عمران کی فکر میں ارتقا ہوا۔ وہ نظریات کے کھیل میں بیرونی طاقتوں پر بھی نگاہ رکھنے لگا جن کے نمائندے معاشرے میں مختلف اقسام کے نظریات پھیلا رہے ہیں اور سماج میں فساد پھیلانے کے درپے ہیں تاکہ ملک کے داخلی معاملات میں بیرونی طاقتوں کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل سکے۔ وہ مخصوص صورتِ حال کا تجزیہ یوں کرتا ہے:

> "تم دیکھ ہی رہی ہو کہ آج کی دنیا دو مختلف کیمپوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک کیمپ کے جاسوس دوسرے کیمپ میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس کی جڑیں کھوکھلی کر سکیں۔"(30)

فکری ارتقا کے بعد علی عمران نے ایسے گروہوں کے خلاف مہم جوئی کی جو کہ نظریات کی بنیاد پر انسانیت کے خلاف جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ابتدائی کہانیوں میں زندگی اور اس سے جڑے مسائل کے متعلق عمران کا رویہ ایک طنزیہ قہقہے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایسا قلندر معلوم ہوتا ہے جو سماج اور اس کے مسائل کو اپنی بے ڈھب طبیعت کی وجہ سے غیر اہم سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ سماج کو درپیش مسائل اور

خطرات سے لاعلم نہیں ہے۔ جرائم کے پسِ پردہ کارفرما ذہنیت کس طرح کام کرتی ہے؟ مجرمانہ سوچ کی بنیادیں کیا ہوتی ہیں اور ان پر مرتب ہونے والے اعمال انسانی سماج کو کس طرح تباہ کرتے ہیں؟ ان سوالات پر غور و خوض نے علی عمران کی سوچ اور فکر میں بتدریج وسعت پیدا کی ہے۔ ایک موقع پر جب ایک طبی سائنس دان انسانوں کی ذہنی کایا پلٹ اور ان کی جبلت کو تبدیل کرنے کی کوششوں میں قانون کے دائرے سے باہر نکلتا ہے اور آخر کار گرفتار ہو جاتا ہے تو علی عمران عصرِ حاضر کے انسان کا نفسیاتی تجزیہ فلسفیانہ انداز اور ادبی رنگ میں کچھ یوں پیش کرتا ہے:

> ایسی دیوانگیوں کو بسا اوقات قانون کی حمایت بھی حاصل ہو جاتی ہے! خطرناک ایجادات کے سلسلے میں نہ جانے کتنی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور یہ قانون ہی کے سائے میں ہوتا ہے۔ پچھلی جنگِ عظیم کو مختلف ممالک کے قوانین ہی کی حمایت حاصل تھی ۔۔۔ اگر میں اس سڑک پر ناچنا شروع کر دوں تو تم مجھے دیوانہ کہو گے لیکن لاشوں پر ناچنے والے سورما کہلاتے ہیں انھیں اعزاز ملتے ہیں۔(31)

علی عمران دیکھ رہا ہے کہ دنیا میں دو بڑے کیمپ بن چکے ہیں اور ہر ایک کیمپ اپنا نظریہ دنیا پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ ملک کی مقامی سیاست پر اس عالمی کشمکش کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ملک میں سیاسی بیداری بھی اس کشمکش سے خالی نہیں ہے۔ سوچ و بچار اور فکری ارتقا کے نتیجے میں علی عمران سوشل ازم کو لادینیت، الحاد اور گمراہی کا منبع تصور کرتا ہے۔ وہ ایک عالمی طاقت کی جانب سے اپنے ملک میں سرخ انقلاب برپا کرنے کی کوششوں کے خلاف جدوجہد کرتا ہے۔ اس کی سوچ و فکر کا واضح ارتقا یہ ہے کہ علی عمران باقاعدہ شاعر نہ ہونے کے باجود اپنی فکر کو اشعار میں ڈھال کر پیش کرتا ہے۔ ملک میں سرخ انقلاب کے لیے فضا ہموار کرنے والوں کے مقابلے کے لیے اشعار کا استعمال ایک منفرد حکمتِ عملی ہے۔

وہ اپنی طنزیہ نظم "استاد محبوب نرالے عالم" کے ذریعے سازشی عناصر تک پہنچاتا ہے اور انھیں خبردار کرتا ہے کہ علی عمران ان کے مقاصد کو پورا نہیں ہونے دے گا۔ وہ اپنے ملک کے نظریاتی تشخص کا بہر صورت دفاع کرے گا۔ گویا سوچ و فکر کی سطح پر علی عمران خود کو صرف سماجی اور قانونی جرائم کی بیخ کنی تک محدود نہیں سمجھتا بلکہ اس کا طرزِ عمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ خود کو ملک و قوم کا ہر اعتبار سے محافظ سمجھتا ہے:

ایک دن جلالِ جبہ و دستار دیکھنا ارباب مکر و فن کو سرِ دار دیکھنا
قرآں میں ڈھونڈتے ہیں مساواتِ احمریں یارو نیا یہ فتنۂ اغیار دیکھنا

وردِ زباں ہیں خیر سے آیاتِ پاک بھی ہے اہر من بہ خرقہ وپندار دیکھنا
کل تک جو بت کدے کی اڑاتا تھا دھجیاں اس کے گلے میں حلقۂ زنار دیکھنا
لائی گئی ہے لال پری سبزہ زار میں ہوتے ہیں کتنے لوگ گنہ گار دیکھنا
فرصت ملے جو لال حویلی کے درس سے ایک بوریہ نشیں کے بھی افکار دیکھنا(32)

اسی ناول کے پیش ترس میں ابنِ صفی نے اپنے سیاسی نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ معاشرے پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”انفرادی طور پر اپنی حالت سدھارتے جاؤ، پھر دیکھو کتنی جلدی ایک ایسا معاشرہ بن جاتا ہے جس پر اللہ کی حاکمیت ہو۔“(33)

نظریات کی بنیاد پر انسانوں کے خلاف جرائم اور سازشوں کا ذکر مختلف کہانیوں میں وضاحت سے ملتا ہے۔ عمران سیریز کی بیسویں کہانی میں علی عمران مقامی طور پر پیش آنے والے بظاہر کچھ دل چسپ واقعات کے پسِ پشت عالمی طاقتوں کی باہمی آویزش اور اس کے نتیجے میں ملک کو پہنچنے والے نقصان کا ادراک کرتا ہے۔ لیکن کہانی کے اختتامی مراحل میں مختلف ممالک کے درمیان مفادات، وسائل اور طاقت کی جنگ اور ایک ملک کو دوسرے سے درپیش خطرات کا تجزیہ اس انداز میں کرتا ہے کہ گویا وہ محض ایک سراغ رساں نہیں بلکہ عالمی سیاسی امور سے بھی آگاہی رکھتا ہے۔ عالمی سیاسی معاملات پر عمران کی یہ دقتِ نظر پہلی مرتبہ سامنے آتی ہے۔ اس کے بعد اس کی فکری وسعت نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔

عمران کے ابتدائی دور کے مکالموں میں مذہب کا حوالہ بہت کم دیکھا جاتا ہے۔ گو کہ اس کے کردار میں اخلاقی گراوٹ پہلے بھی نہیں تھی اور وہ فحاشی اور عریانی سے دور ہی رہتا تھا لیکن اس کی گفتگو سے محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ ایک مذہب پسند انسان ہے یا جدیدیت نے اس کے عقیدے اور نظریے کا بالکل ہی صفایا کر دیا ہے۔ تاہم بعد ازاں یہ اس کی گفتگو میں مذہب پسندی اور دین کے ساتھ تعلق کے حوالے کہیں کہیں دکھائی دے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہی نکالا جا سکتا ہے کہ مختلف فلسفہ ہائے زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد علی عمران کے دل و دماغ نے آخر کار مذہب ہی حق میں فیصلہ کیا تھا:

”مجھے بھجوا دیجیے اس کے ساتھ۔۔۔ تہیتی جنت ہے یور مجسٹی!“

”کیوں کفر بکتا ہے جہاں لوگ دن، رات نشے میں رہتے ہوں وہ جنت کیسے ہو سکتی ہے!“

”مم۔۔۔۔ میں نے مذہبی نقطۂ نظر سے نہیں کہا تھا۔!“

"میں محاورۃً بھی ایسی بات سننا پسند نہیں کرتا۔!"(34)

یہ حوالہ دراصل ثابت کرتا ہے کہ عمران نظریاتی اعتبار سے کسی بھی نئے فلسفے کا قائل نہیں۔ وہ اپنے مذہب ہی کا قائل ہے۔ اس کی جدوجہد کا مقصد انسانوں کو ہلاکت سے بچانا ضرور ہے لیکن وہ مذہب کی ضرورت کا ادراک بھی رکھتا ہے۔ نشے میں دن رات ڈوبے رہنا اور زندگی کی ذمہ داریوں سے خود کو بری الذمہ سمجھنا دراصل ہپپی ازم کی تحریک کا نتیجہ تھا جو کہ فلسفۂ وجودیت کے قائلین کی اختراع تھی لیکن یورپ کے نوجوانوں میں تیزی سے پھیل گئی تھی۔ اگرچہ یہ لوگ عالمی جنگوں اور انسانوں کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کے ردعمل میں ایک نئی سوچ کے حامل تھے لیکن بنیادی طور پر انھوں نے انسان کی نجات اس بات میں تصور کی تھی کہ وہ جب کسی مقصد کے بغیر محض اتفاق کے نتیجے میں اس دنیا میں آگیا ہے تو اسے اپنی زندگی کو زیادہ بامقصد اور سنجیدہ بنانے اور خاص طور پر وسائل پر تسلط کے لیے آپس میں لڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اس نظریے کی وجہ سے جو بے مقصدیت پیدا ہوئی اس نے بے شمار نوجوانوں کی زندگیوں کو بے مصرف کر ڈالا۔ عمران کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ایک وجودی کردار ہے۔ یعنی جو زندگی کے متعلق سنجیدہ نہیں، لیکن درج بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی کہانیوں کے مقابلے میں عمران کا کردار زیادہ ذمہ دار فرد کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور وہ مذہب پر بھی یقین رکھتا ہے اسی لیے وہ نشے میں ڈوبے رہنے کی خواہش کو غلط سمجھتا ہے اور مذہب ایسے نظریے اور سوچ پر تنقید کرتا ہے جو کہ انسان کو بے مقصدیت کی جانب مائل کرتی ہو۔

علی عمران انسان کے اس "ذہنی عمل" یا "نفسیاتی مسئلے" کو جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ طاقت و اختیار کے بعد مزید طاقت کے حصول کی خاطر انسان "دیوانہ" کیوں بن جاتا ہے؟ علی عمران کو اس "دیوانگی" کی جھلکیاں سماجی یا عالمی سطح کے جرائم میں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ یوں علی عمران جرم اور انسان کے درمیان نت نئے تعلق کو دریافت کرتا ہے۔ اسے حکومتوں اور ملکوں کا نظام چلانے والوں کی سفاکیت کا ادراک بھی ہو جاتا ہے اور یہ بھی سمجھ جاتا ہے کہ مغرب کی انسانیت نوازی دراصل سفید فاموں کی بالادستی اور قوم پرستی اور مفاد پرستی کا دوسرا نام ہے۔ مغرب میں رائج ہونے والے کلچر میں انسان سے بڑھ کر جانور کو وقعت حاصل ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ طاقت کے حصول کی کشمکش اور دنیا کے وسائل پر تسلط اور ترقی کی دوڑ نے انسان کو ایک سفاک درندہ بنا دیا ہے۔

طاقت کی سیاست اور نظریات کی جنگ کے درمیان عمران کا نظریہ آدمیت کا نظریہ ہے۔ وہ انسانیت کی فلاح کی خاطر جینا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک آدمی کو قومیت، لسانیت یا رنگ و نسل یا کسی خاص تہذیب سے

بالاتر ہونے کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ مختلف رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے مجرموں کے ساتھ طویل عرصے تک مقابلہ کرنے اور جرم کی مختلف انواع و اقسام کو دیکھنے کے بعد علی عمران اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ آدمی کی پہلی شناخت اس کا انسان ہونا ہے، اس کے بعد وہ کسی دوسرے پیمانے پر تولا جاسکتا ہے لیکن یہی آدمی اب محض درندہ بن کر رہ گیا ہے اور ہر قیمت پر دوسروں کو کچل کر خود آگے بڑھنا چاہتا ہے تاکہ کوئی دوسرا اس سے آگے بڑھ کر اسے دبوچ نہ لے۔ اس لیے عمران اپنے مشن کا اعلان کرتا ہے کہ اس کا مقصد عام آدمی کو تحفظ فراہم کرنا ہے تاکہ طاقت ور اپنی قوت کے زعم میں کمزور کو تباہ و برباد نہ کرسکے، اگر طاقت ور کو کھلی چھوٹ مل گئی تو یہ زمین جہنم بن جائے گی۔

> "میں خود کو دنیا کے ہر امن پسند ملک کا نمائندہ سمجھتا ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ہر ایسی چیز کو تباہ کردوں جس سے بنی نوع آدم کو خطرہ ہو۔ ہیروشیما کی بربادی کے باعث امریکی عوام نہیں بنے تھے۔ وہ تو بڑے زندہ دل لوگ ہیں۔ زندگی سے پیار کرنے والے۔ مجرم صرف حکمران ٹولے ہوتے ہیں۔"
>
> "مجھے سیاست نہ پڑھاؤ۔" وہ آپے سے باہر ہوتی ہوئی چیخی۔
>
> "کیا تم اسے پسند کروگی کہ ایک ویسا ہی راکٹ فرانس کے ساحل میں دھنس کر زمین کے طبقات کو توڑتا ہوا ٹھیک پیرس کے نیچے جا پھٹے اور پیرس کی عشرت گاہیں زمین میں دھنستی چلی جائیں۔"(35)

عمران جدید طرزِ زندگی کا حصہ ہونے کے باوجود اس کے بہت سے لوازمات سے بے زار ہے۔ جدت پسندوں نے شراب کو فیشن سمجھ لیا ہے لیکن علی عمران شراب کا ایک قطرہ چکھنے کا بھی روادار نہیں۔ یعنی علی عمران اباحت پسند نہیں ہے۔ وہ بطورِ ایکس ٹو اپنے ماتحتوں کو بھی شراب اور بدکاری میں پڑنے سے خبردار کرتا ہے اور عام زندگی میں بھی ان فضولیات سے دور رہتا ہے۔ شراب سے متعلق اپنا نظریہ وہ یوں بیان کرتا ہے:

> "تم آخر شراب کیوں نہیں پیتے۔۔۔؟" مرسیانا نے عمران سے پوچھا۔
>
> "میرا بس چلے تو دنیا میں کسی کو بھی نہ پینے دوں۔!"
>
> "آخر کیوں۔۔۔؟"

”خدانے انگور اس لیے پیدا کیے ہیں کہ ہم انھیں کھا کر جان بنائیں لیکن ہم ان سے بلڈ پریشر اور السر کشید کرنے لگتے ہیں۔ ہے نا اول درجے کی بے وقوفی۔!“(36)

عمران نے جدید طرزِ زندگی کو ضرور اختیار کر لیا ہے لیکن اس کی روح انسانوں کے درمیان جدت یا قدامت کی بنیاد پر کوئی تفریق روا نہیں رکھتی۔ عمران کو آدمی سے پیار ہے کیوں کہ سب آدمی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں تاہم جدید نظریات نے انسانوں کے درمیان جس نفرت کو پیدا کیا ہے عمران اس رویے کو درندگی سے تعبیر کرتا ہے:

”عمران آدمیت کے جامے میں رہو!“

”اس کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ آدمیت کا جامہ زندگی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ چاہے اس میں اخلاقیات کی کتنی ہی کشیدہ کاری کیوں نہ کر لی جائے!“

”اچھا اب بکواس بند کرو۔ مجھے نیند بھی پوری کرنی ہے!“

”نیند اور درندگی کے سوا آدمی کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔!“(37)

جدید فلسفے اور نظریات میں تشکیک کو ایک اہم قدر کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن تشکیک پر مشتمل نظریات نے انسانوں کو خوف اور اضطراب کا شکار بنا دیا ہے۔ علی عمران کی تمام مہمات اس بات کی شاہد ہیں کہ خوف، بے اطمینانی اور اضطراب سے وہ حقیقی معنوں میں دور رہتا ہے۔ اس کی وجہ اس کا نظریۂ یقین اور امید ہے۔ علی عمران مایوسی کے اندھیروں میں امید کے چراغ جلانے کا قائل ہے۔ ابتدائی کہانیوں سے لے کر آخری کہانی تک اس کے رویے میں اعتماد، یقین اور امید کی جھلکیاں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ البتہ ابتدائی کہانیوں میں اس کا اعتماد اور یقین ایک حماقت انگیز رنگ میں سامنے آیا کرتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ اپنی حماقتوں سے دوسروں کو محظوظ کر کے دراصل خوف کی فضا کو ختم کرنا یا اپنے ہمراہیوں کی فکر کو کم کرنا چاہتا ہے یا حماقت کے اس مظاہرے سے وہ کوئی اپنا مقصد نکلوانے کے موڈ میں ہے لیکن بعد میں اس کے رویے میں سنجیدگی بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ بعض حساس اور خطرناک مواقع پر اپنے ساتھیوں کے سامنے امید اور یقین کے نظریے کو بیان کرتا اور اس کے ساتھ ہی تشکیک کی سوچ اور اضطراب کے رویے کی تردید کرتا ہے۔ عمران کا یہ نظریہ دراصل قرآنِ کریم کے اس فرمان سے ماخوذ دکھائی دیتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو امید دلاتا ہے اور شیطان کا کام انسان کو مایوس کرنا ہے۔ علی عمران کسی بھی موقع پر مایوس نہیں

ہوتا۔ وہ پر ہول لمحات میں روایتی شگفتہ لہجے کے ساتھ اپنے نظریہ امید کو سادگی اور وضاحت کے ساتھ ایسے مناسب الفاظ میں بیان کرتا ہے جس سے عام انسانی عقل کو تشفی ملتی ہے:

"بس ہمیشہ سامنے نظر رکھا کرو۔۔۔ کیا ہوگا۔۔۔ یہ کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ بھی ہوگا اس سے بچ نکلوں گا یا نہ بچ سکوں گا۔ ان دو کے سوا کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اس لیے تشویش یا اضطراب میں پڑنے سے فائدہ؟"

"آپ کا بھی جواب نہیں ہے۔"

"آدمیوں کے اس جنگل میں ایسا ہی رویہ رکھنے والے بہتر زندگی گزار سکتے ہیں۔ ورنہ پھر وہ زندگی نہیں ہوتی بلکہ خدشات کا ایک ڈھیر ہوتی ہے۔"(38)

مذکورہ بالا اقتباس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ علی عمران کی گفتگو میں سنجیدگی، متانت، اپنائیت، خلوص اور امید کی واضح جھلکیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ ایسی سادہ مگر فلسفیانہ گفتگو کی مثالیں ابتدائی کہانیوں میں ناپید ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی عمران کے رویے میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اس دور میں اس کے مکالموں میں سنجیدگی کا وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ وہ مختلف نظریات پر تجزیاتی تنقید کے ساتھ ساتھ اپنے نظریات اور فلسفۂ زندگی کو بیان کرتا ہے اور بسا اوقات اس کا فلسفہ اور نظریہ واضح طور پر قرآن کریم کی کسی آیت سے مستنبط دکھائی دیتا ہے۔

علی عمران سیاسی نظریے کے طور پر خدا کی حاکمیت کا قائل ہے۔ وہ نہ تو سرمایہ داریت کی حمایت کرتا ہے اور نہ سوشل ازم کی۔ ابتدائی دور کی بہ نسبت آخری دور کی کہانیوں میں علی عمران کی سوچ و فکر پر اسلام پسندی کی چھاپ واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

غرض یہ کہ ابتدائی کہانیوں کا علی عمران سوپر فیاض کی مدد کرتا اور مقامی سطح کے پیچیدہ جرائم کی تحقیق و تفتیش کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد اس کی فکر اور دائرۂ عمل میں وسعت آجاتی ہے۔ عملی طور پر وہ مقامی سطح کے جرائم سے لے کر ملکی سطح پر ہونے والی سازشوں کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ مختلف نظریات کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان جنگیں کروانے اور ملکوں کو نقصان پہنچانے والے گروہوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ جدید ٹیکنالوجی کے بل پر انسانوں کے خلاف ہونے والی عالمی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ افکار و نظریات اور فلسفہ ہائے زندگی پر غور و فکر عمران کو بتدریج ایک مفکر بنا دیتے ہیں، لیکن وہ باتوں کی حد تک ہی مفکر نہیں ہے بلکہ عملی میدان میں بھی بہت آگے

ہے۔ علی عمران کو باضابطہ طور پر فلسفی نہیں کہا جا سکتا۔ اس نے کوئی جدید نظریہ حیات پیش نہیں کیا، تاہم اس کی گفتگو میں جابجا عالمی سیاسی اور معاشی نظام، جدیدیت، تعقل پسندی، تجربیت، اباحت پسندی، لا مقصدیت، انسان کی بڑھتی ہوئی ہوس اور طاقت و اختیار کی لالچ، سرمایہ داریت اور سوشلزم پر لطیف اور گہری تنقید اور کاٹ دار طنز پایا جاتا ہے۔ اس رویے کی وجہ یہ ہے کہ علی عمران مختلف عالمی طاقتوں کے معاشی اور سیاسی نظریات میں کار فرما گروہی اور نسلی مفادات اور طاقت کے حصول کی حد سے متجاوز حرص و لالچ کو اچھی طرح بھانپ چکا ہے۔ مقامی سطح پر ہونے والے جرائم میں کار فرما بیرونی عناصر کو اس نے بارہا بے نقاب کیا ہے۔ وہ معمولی دکھائی دینے والی سازشوں میں عالمی طاقتوں کے پوشیدہ کردار اور کمزور ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کا بارہا تجربہ کر چکا ہے۔ اس لیے وہ طاقت کے فلسفے اور انسانوں کے مابین طبقاتی تقسیم پیدا کرنے والے نظریات اور ان کے انسانیت کش استعمال کے خلاف عملی جدوجہد کرتا دکھائی دیتا ہے۔ علی عمران صرف گفتار کا نہیں بلکہ کردار کا بھی غازی ہے اور وہ اعلیٰ نظریے، اعلیٰ نصب العین اور اعلیٰ درجے کی جدوجہد کی عملی مثال ہے۔

ب۔ اشتیاق احمد کے جاسوسی ناولوں کے مرکزی کرداروں کا ارتقائی مطالعہ:

اشتیاق احمد بنیادی طور پر بچوں کے ناول نگار ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے جاسوسی ادب تخلیق کیا۔ اس لیے ان کے پہلے ناول میں مرکزی کردار بھی تین بچے یعنی محمود، فارق اور فرزانہ تھے۔ یہ تینوں کردار بہن، بھائی ہیں۔ پہلے ناول میں ان کے والد انسپکٹر جمشید کو فوت شدہ دکھایا جاتا ہے جن کے بچے ایک کارنامہ انجام دے کر اپنے مرحوم والد کا نام روشن کرتے اور حکومت کی جانب سے انعام پاتے ہیں۔ تاہم بعد ازاں ان بچوں کے والد یعنی انسپکٹر جمشید کو زندہ ظاہر کر کے ناولوں کے مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے تینوں بچے ہی دراصل اشتیاق احمد کے حقیقی مرکزی کردار ہیں۔ ان کے علاوہ شوکی جو کہ اپنی صفات کے اعتبار سے خود اشتیاق احمد ہی کا ہمزاد ہے۔ حقیقی معنوں میں اشتیاق احمد کا مرکزی کردار ہے جبکہ انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھ پیش کیے جانے والے آفتاب، آصف اور فرحت صفات، طرزِ گفتگو، مکالموں اور سرگرمیوں کے اعتبار سے انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھ پیش کیے جانے والے تینوں کرداروں یعنی محمود، فاروق اور فرزانہ کا چربہ معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم چوں کہ انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھ تینوں بچوں کے نام سے ایک مستقل سیریز لکھی گئی ہے لہٰذا انھیں اشتیاق احمد کے مرکزی کرداروں میں شامل کیا گیا ہے۔

اشتیاق احمد نے بچوں کا جاسوسی ادب تخلیق کیا ہے۔ لیکن ان کے موضوعات میں جرم و سزا کے ایسے پہلو بھی ہیں جو کہ بڑوں کی دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔ موضوعات کے تنوع کی وجہ سے اشتیاق احمد کا لکھا ہوا جاسوسی ادب موضوعاتی تحقیق کا متقاضی ہے۔ جبکہ ان کے کرداروں کی صفات اور ان کا ارتقائی جائزہ بھی اہم ہے جسے اس مقالے میں موضوع بنایا گیا ہے۔ ان کے کرداروں میں سے بعض کی صفات میں مماثلت بھی پائی جاتی ہے اور قدرے تنوع بھی موجود ہے۔

1۔ انسپکٹر جمشید اور محمود، فاروق، فرزانہ کا ارتقائی مطالعہ

انسپکٹر جمشید اور ان کے تینوں بچوں یعنی محمود، فاروق، فرزانہ کا کرداری جائزہ لیا جائے تو سب سے اہم پہلو ان کی سراغ رسانی ہے کیوں کہ یہ چاروں کردار سراغ رساں کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ سراغ رسانی میں ان کرداروں کے پیشِ نظر ایک ہی اصول رہتا تھا کہ معاملے سے متعلق کسی بھی شخص کو شک سے بری نہ سمجھا جائے۔ ابتدا میں یہ کردار قدیم طریقوں کے مطابق جائے وقوعہ کا جائزہ، ہر موجود شے کا تجزیہ، قیافہ

شناسی، مشکوک لوگوں کے تعاقب، ان کے گھروں کی تلاشی اور روابط کی چھان بین اور لوگوں کے ساتھ گفتگو میں لب و لہجے کے اتار چڑھاؤ کو پرکھنے اور چھٹی حس سے کام لیا کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا انداز بدل جاتا ہے۔ وسائل کے استعمال میں جدت آ جاتی ہے اور تحقیق کے نئے طریقے اور سوچ کے نئے زاویے ان کی کہانی کا حصہ بنتے ہیں۔

انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ابتدائی کہانیوں میں مقامی نوعیت کے جرائم اور سماجی وارداتوں کی سراغ رسانی تک محدود ہیں۔ البتہ "کمرہ نمبر 420" نامی ناول میں انسپکٹر جمشید ایک ایسے مجرم کو گرفتار کرتا ہے جو ایک ہوٹل کے تہہ خانے میں ملک کے خلاف بڑی سازش کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ بعد ازاں "خونی جزیرہ" نامی ناول میں انسپکٹر جمشید بین الاقوامی مجرم "جیرال" سے ٹکراتا ہے۔ انسپکٹر جمشید کے بچوں کو جیرال اغوا کر لیتا ہے لیکن انسپکٹر جمشید اپنی بہادری اور سراغ رسانی کی صلاحیتوں کی بدولت اپنے بچوں کو چھڑوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس معرکے کے بعد انسپکٹر جمشید کی شہرت بڑھتی چلی گئی اور اس کے دائرہ اختیار میں بھی وسعت آتی گئی۔ اس کی حب الوطنی، پیشہ ورانہ مہارت، فرض شناسی اور خلوص وہ صفات تھیں جن کی بدولت صدرِ مملکت بھی انسپکٹر جمشید کو اپنا معتمد خاص سمجھتے ہیں۔ یوں انسپکٹر جمشید کو صدر مملکت کی جانب سے ایک خصوصی اجازت نامہ مل جاتا ہے جس کی بدولت اسے وسیع اختیار تفویض ہو جاتے ہیں اور محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی خصوصی اجازت نامے مل جاتے ہیں۔ صدرِ مملکت سے قرابت کی بدولت انسپکٹر جمشید ریاست کے حساس اور دفاعی معاملات کا حصہ بن جاتے ہیں۔ صدرِ مملکت نے انسپکٹر جمشید کی خدمات کی بدولت متعدد بار ملک کو بغاوت، اغوا اور قتل جیسی سازوں سے بچایا۔ اس کی مثالیں ہمیں فتنے کی چوری، جمشید کا وار اور آخری تیر میں واضح طور پر ملتی ہیں۔ ملک کی بعض حساس دستاویزات حفاظت کے پیش نظر اس کے پاس رکھوائی جاتی ہیں۔ "فائل 113" اور "جمشید کا وار" اسی سلسلے کے ناول ہیں۔ انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھیوں کی دفاعی نوعیت کی خدمات و مہمات کا دائرہ ملک سے بیرون ملک تک وسیع ہو جاتا ہے۔ ملک میں اہم دفاعی مہمات کی بڑی مثال "سنہری چٹان" میں ملتی ہے جس میں اڑن طشتریوں کے جھوٹ کو بے نقاب کیا جاتا ہے۔ جبکہ "جھیل کی موت" اور "ژابنائے مہم" ان کی معروف غیر ملکی دفاعی مہمات ہیں۔ وہ اپنے ارتقائی دور میں مختلف انداز سے سراغ رسانی کی ذمہ داریاں پوری کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض مہمات میں انسپکٹر جمشید ہومیو پیتھک کے فن میں مہارت کا اظہار کرتا ہے اور اسی مہارت کی بدولت وہ جرم کی گہرائی تک پہنچ کر مجرم کو بے نقاب کر دیتا ہے۔

اختیارات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو انسپکٹر جمشید بیک وقت دو عہدوں پر فائز ہے۔ ایک تو ظاہری عہدہ ہے جو انسپکٹر کا ہے اور دوسرا اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک خفیہ ایجنسی کا سربراہ بھی ہے۔ اس ایجنسی کے ارکان بھی خفیہ ہیں۔ انسپکٹر جمشید کی اس خفیہ فورس کے طریقہ کار اور ارکان سے اس کے بیٹے بھی واقف نہیں ہیں۔ وہ جب سماجی جرائم کی سراغ رسانی و بیخ کنی سے ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو ملکی و قومی معاملات کی تفتیش میں اسے کامیابیاں ملتی ہیں۔ ان کا جیرال، سلاٹر، کالی آنکھ، رے راٹا، لی کاف، سی مون جیسے بین الاقوامی مجرموں سے بھی پالا پڑتا ہے تو اس کی شہرت ملک گیر سے بڑھ کر بین الاقوامی ہو جاتی ہے۔ جہاں ملک کو بین الاقوامی سازشوں سے بچانا مقصود ہوا تو بین الاقوامی مجرموں سے پالا پڑتے ہی اس کی قوت مشاہدہ، تخیل کی اڑان، سراغ رسانی کے جدید ذرائع کا استعمال، بین الاقوامی صورت حال پر نظر رکھنا جیسے عناصر ارتقا پذیر رہتے ہیں۔ گویا بین الاقوامی مجرموں کی منظم کاروائیوں کے مقابلے میں اس کی سراغ رسانی میں بھی ایک تنظیم دکھائی دیتی ہے۔

اس ارتقائی سفر میں مالی حالت کا ارتقا بھی ہوتا ہے۔ وہ غربت سے تمول کے جانب بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ البتہ اس کی آمدنی کے ذرائع جائز ہیں۔ یہ نکتہ اس کے ناولوں کے ارتقائی سفر میں بطور خاص مد نظر رہتا ہے۔

پاکستانی قوم پرستی اور اسلام پسندی کے نظریے پر یقین رکھنے کے باوجود انسپکٹر جمشید کی سوچ و فکر اور نظریے میں ارتقا ہوا ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں انسپکٹر جمشید ایک روشن خیال مسلمان دکھائی دیتا ہے جس کے پیشِ نظر صرف وطن کا تحفظ اور قوم کی خدمت ہے۔ وہ محکمے کی طرف سے خطرناک اور پیچیدہ جرائم کی تفتیش پر مامور ہے۔ انفرادی طور پر بھی وہ معاشرے کے کمزور اور مظلوم افراد کی مدد کے لیے کمربستہ رہتا ہے۔ انسپکٹر جمشید سیاست پر گفتگو نہیں کرتا لیکن ملک کے ایک صدر کے ساتھ اس کے قریبی مراسم سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسپکٹر آمرانہ طرزِ حکومت کو جمہوریت سے بہتر خیال کرتا ہے کیوں کہ جس صدر کے ساتھ اس کے قریبی مراسم ہیں، وہ فوج کا سربراہ بھی ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے انسپکٹر جمشید کو دفاعی اور تزویراتی معاملات میں اہم کردار سونپا گیا۔

ملک کے ایک شہر "وادی مرجان" کی سیر کے دوران میں اس کا واسطہ اچانک ایک ایسے مذہبی گروہ سے پڑ جاتا ہے جس نے ریاست کے اندر ریاست قائم کر رکھی ہے۔ انسپکٹر جمشید اپنی حیرت انگیز کارکردگی سے بظاہر اس گروہ کا قلع قمع کر دیتا ہے لیکن یہ گروہ اس کے تصور سے بڑھ کر باوسائل، خطرناک اور سازشی

ثابت ہوتا ہے۔ اسی سلسلے کے دوسرے ناول "جاپانی فتنہ" میں انسپکٹر شعوری قوت کے ساتھ اس گروہ سے ٹکراجاتا ہے اور اسے خاصا نقصان پہنچاتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب انسپکٹر جمشید دینی عقائد و نظریات کی کتب کے مطالعے کی جانب توجہ دیتا ہے۔ دینی کتب کے مطالعے سے انسپکٹر جمشید کی سوچ و فکر میں قدامت پرستی کی ضرورت اور اہمیت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں بڑی تبدیلی اس کے گھرانے میں پردے کا احساس ہے۔ نظریاتی طور پر دینی سوچ میں پختگی کے باوجود انسپکٹر جمشید ایک روشن خیال مسلمان ہی ہے کیوں کہ اس کے گھر میں بہت سے کام ماڈرن ازم کے مطابق انجام دیے جاتے ہیں۔

"جاپانی مذہب" کے خلاف کام کرنے کے علاوہ انسپکٹر جمشید نے اپنے مسلکی عقائد کے عین مطابق بعض مہمات انجام دی ہیں۔ اس سلسلے میں "غار کا کنواں" نامی مہم ایک بہترین مثال ہے۔ اس ناول میں انسپکٹر جمشید مخالف نظریات کے حامل ریاست کے ایک سربراہ سے باقاعدہ مناظرہ کر کے اسے شکست دیتا ہے۔ اس کہانی میں اس بات کی وضاحت نہیں ملتی کہ ریاست اپنے اہلکار کو ایک مسلکی مسئلے کے لیے کسی مہم کی اجازت کیسے دے سکتی ہے؟

پاکستان کے سیاسی نظام میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے زیرِ اثر اشتیاق احمد کے کرداروں کے رویے میں اتار چڑھاؤ ہوا۔ اشتیاق احمد ہر ناول کے دیباچے میں "دو باتیں" کے عنوان کے تحت قارئین کے ساتھ بات چیت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے متعدد ناولوں کی دو باتوں میں ملک کے سیاسی، سماجی، مذہبی اور دفاعی معاملات پر گفتگو کی ہے۔ حالات کے زیرِ اثر انسپکٹر جمشید کے ریاست پرست نظریے میں تبدیلی بھی ہوئی۔ ایک موقع پر ریاست کے نئے صدر انسپکٹر کے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں اور اسے ضمیر کے خلاف کام کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ انسپکٹر اس حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور ریاست کی ملازمت سے مستعفی ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ سب کچھ ایک عبوری دورانیے کے لیے پیش آتا ہے۔ جلد ہی ریاست کو انسپکٹر کی خدمات کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور ریاست کے حالات بھی بدل جاتے ہیں جس کے بعد انسپکٹر دوبارہ ریاست کی ملازمت پر بحال ہو جاتا ہے۔ اس عبوری دورانیے میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین و مذہب انسپکٹر جمشید کے نزدیک ریاست سے بڑھ کر اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ یوں اس کردار کے ارتقائی رویے کا اظہار ہوتا ہے۔

وطن کی محبت انسپکٹر جمشید میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں وہ وطن پرستی میں کسی بھی حد تک جانے سے گریز نہیں کرتا۔ وہ قانون کے سچے محافظ کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ رویہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ملکی قوانین کا خود بھی پابند رہے اور دوسرے کو بھی اس بات کی ترغیب دے کہ وہ

ملک کی قوانین کی پاسداری کریں۔ گو انسپکٹر جمشید کے ہاں کلی طور پر اسی جذبے کی کار فرمائی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن بعض کہانیوں میں جب وہ ماورائے آئین اقدامات اٹھاتا ہے تو دعوے کے برعکس عمل میں تفاوت کا اظہار ملتا ہے۔ ایک ناول "جمشید کا وار" سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں کی برین واشنگ ہو گئی ہے اور ملک دشمن عناصر نے انھیں اپنے چنگل میں پھنسا کر انھیں اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ملک کے لیے ایک خطرہ بن جاتے ہیں۔ اسی کیفیت میں وہ اہم عمارتوں، کارخانوں اور بعض تجارتی مراکز کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔ انھیں ملک دشمن قرار دیا جاتا ہے۔ اس صورت حال کو قابو میں کرنے کے لیے انسپکٹر کامران مرزا کو یہ ذمہ داری سونپی جاتی ہے کہ وہ اس پر تحقیق کریں۔ بعد ازاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسپکٹر جمشید نے دشمن کی چال کو ناکام بنانے کے لیے دانستہ ایسے کیا۔ انسپکٹر جمشید کا خیال تھا کہ اس کیفیت کے دوران اس نے جن شہریوں، کاروباری مراکز اور املاک کو تباہ کیا تھا وہ سب جاپانی فتنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا انسپکٹر کا یہ فیصلہ کہ وہ خود ہی بعض افراد یا گروہوں کو سزا دینے کا حق رکھتا ہے ماورائے آئین ہے۔

"ژابنائے مہم" میں بھی وہ اپنے دوست کو بچانے کے لیے ایک عالمی طاقت کے سربراہ کو ذاتی حیثیت میں اغوا کر لیتا ہے۔ بیان کردہ غیر منطقی پہلو کے ساتھ ساتھ یہاں عالمی قوانین کی خلاف ورزی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ یہ رویہ وطن پرستی سے ہوتا ہوا مذہب پرستی کے اظہار کا اور بڑا ذریعہ ہے۔ بعض دیگر مہمات میں بھی خفیہ منصوبہ بندی کے دوران بین الاقوامی و عالمی قوانین اور ملکوں کے درمیان سفارتی معاملات کی خلاف ورزی بھی ملتی ہے۔

یہ کردار اپنی جان پر کھیل کر ملک و قوم کی خاطر مہمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں لیکن کچھ مثالیں مذہبی نوعیت کی ملتی ہیں۔ ارتقائی کیفیت یکساں نہیں ہے۔ رویوں میں اچانک ترقی اور اچانک رجعت یا معکوس کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کے کردار میں ارتقاء کی بجائے تبدیلی کا عنصر زیادہ ہے جو کہ کرداری نگاری کے لحاظ سے سقم ہے۔

ابتدائی کہانیوں میں یہ کردار مثالیت پسندی کا نمونہ نہیں تھا لیکن بعد میں یہ کردار بھی مثالی درجہ اختیار کر گیا۔ سماجی جرائم کے انسداد سے لے کر ملکی اور عالمی سطح کے معاملات میں شریک ہونے لگا۔ بعد ازاں وہ وطن پرست سے مذہب پرست بن گیا اور وطن اور ریاست سے اس کا تعلق دین و مذہب کے اصول و نظریات کے تابع ہو گیا۔ اس خاص تناظر میں وہ ریاست اور حکومت کی ان پالیسیوں سے اتفاق نہیں کرتا جو

کہ لبرل ازم، آزاد خیالی اور نظریاتی اعتبار سے دین و مذہب کے مطابق نہیں۔ وہ صرف ریاست کے جغرافیائی وجود اور معاشرے کی حفاظت کے فریضے تک محدود نہیں رہا بلکہ ایسی سرگرمیوں پر بھی گہری نگاہ رکھنے لگا جو سماجی ،سیاسی یا ریاستی سطح دین و مذہب کے خلاف تصور کی جاسکتی ہیں۔ دین و مذہب کے معاملے میں اس کی حساسیت کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں سرکاری نوکری کی بھی پروا نہیں کرتا۔ وہ ہر حال میں مذہبی بنیادوں کے خلاف تصور کی جانے والی زیرِ زمین سرگرمیوں کو ناکام بناتا ہے، کیوں کہ اس کا نظریہ یہ ہے کہ دین و مذہب سے جدا ہو کر ریاست اور معاشرہ اپنی بنیادی اقدار سے ہٹ جائیں گے۔

ناول "جنگل میں کارنامہ" میں انسپکٹر جمشید ارتقائی مراحل طے کرتا نچلی سطح کے جرائم سے ملک کے خلاف ہونے والی سازشوں کے خلاف بروئے کار ہوتا ہے۔ اس سے قبل وہ چوری کی واردات اور اغوا کے کیس حل کرتا دکھائی دیتا تھا۔ اس ناول میں وہ ایک ایسے پروفیسر کا تعاقب کرتا ہے جو ملک میں بغاوت کے جرم کے سبب گرفتار ہوا لیکن جیل سے فرار ہو کر روپوش ہو چکا تھا، کافی عرصے بعد وہ ایک بار پھر بغاوت کا منصوبہ بناتا ہے اور انسپکٹر جمشید کے شہر کے نزدیک واقع جنگل میں خفیہ ٹھکانہ بناتا ہے لیکن ایک اتفاق کی وجہ سے انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا ہے۔

> "۔۔۔ آٹھ سال پہلے میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش پکڑی گئی۔ پروفیسر اختر رحمان کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ پچیس دوسرے اہم آدمی بھی گرفتار کر لیے گئے۔ بھاری تعداد میں اسلحہ بھی برآمد کیا گیا۔"
>
> انسپکٹر جمشید نے اداس انداز میں مسکرا کر کہا۔
>
> "اور پھر گرفتاری کے دوسرے ہی دن پروفیسر اختر رحمان فرار ہو گیا۔ اس کے پچیس ساتھیوں کو عمر قید کی سزا سنائی گئی مگر پروفیسر کا کہیں پتا نہ چلا۔ اب پھر وہی حکومت کا تختہ الٹنے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔"(39)

"جنگل میں کارنامہ" جیسی کامیابیوں کی وجہ سے انسپکٹر جمشید کی مقبولیت اور شہرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے دائرہ کار میں سماجی جرائم، اہم شخصیات، ملکی سطح کے معاملات بلکہ بین الاقوامی سطح کی مہمات بھی شامل ہو جاتی ہیں اور مملکت کے اعلیٰ ترین عہدے داروں سے اہم ملکی و غیر ملکی معاملات پر گفتگو کے قابل سمجھا جانے لگتا ہے۔

چھوٹے درجے کے مجرموں سے مقابلے کے بعد ارتقائی طور پر ناول ”خونی جزیرہ“ میں پہلی مرتبہ اس کا سامنا ایک بڑے مجرم جیرال ہوتا ہے۔ جیرال انتہائی شاطر بین الاقوامی مجرم ہے۔ بڑے بڑے ممالک سے وہ معاوضہ لے کر فری لانسر جاسوسی کا کام کرتا ہے۔ اس ناول میں اسے انسپکٹر جمشید کو ختم کرنے کا ٹاسک دیا جاتا ہے۔

ایک بین الاقوامی مجرم کو وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہے تھے اور وہ بھی اس قدر نزدیک سے۔ چند لمحوں تک انسپکٹر جمشید اور جیرال ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے۔ دنوں طرف سے کسی نے پلک تک نہ جھپکی۔ آخر جیرال ہی بولا: ”ہیلو انسپکٹر، مجھے تم سے ملنے کی بہت آرزو تھی۔“

”تو کیا۔ تم نے یہ سب مجھ سے ملاقات کرنے کی خاطر کیا ہے۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”یہ تو نہیں کہا جاسکتا۔ ایک حکومت نے میری خدمات حاصل کیں اور میں تیار ہو گیا۔ منصوبہ تم سے متعلق تھا، اس لیے بہت خوش ہوا کہ چلو اس بہانے سے تم سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔“(40)

انسپکٹر جمشید ملکی سطح پر مقامی و بین الاقوامی مجرموں کا تعاقب کرتا ارتقائی مراحل طے کرتا ہے۔ اس مرحلے میں اس کی رسائی اعلیٰ قیادت بشمول صدر اور وزیر اعظم تک ہوتی ہے۔ اعلیٰ قیادت انسپکٹر جمشید پر اعتماد کرتی ہے اور ان معاملات میں اس کی خدمات حاصل کرتی ہے جن پر ملکی سلامتی کا دارومدار ہوتا ہے۔ ناول ”ہنگامے کی موت“ میں دوست ملک کے صدر ایک دورہ کرتے ہیں۔ اس دوران انھیں اغوا کر لیا جاتا ہے۔ اعلیٰ قیادت انسپکٹر جمشید کو طلب کر کے تحقیقات کا حکم دیتی ہے انسپکٹر جمشید اور اس کے بچے مجرموں کو گرفتار کر کے مغوی صدر کو چھڑوا لیتے ہیں۔ واپسی جاتے ہوئے مہمان صدر تینوں بچوں کو تحفے میں سونے کے پستول دیتے ہیں جن کی گولی سے مضروب بے ہوش ہو سکتا ہے۔

ریسٹ ہاؤس کے ہال میں سب لوگ جمع تھے۔ آئی جی صاحب، ڈی آئی جی صاحب، ملٹری اور پولیس کے دوسرے آفیسر تو موجود ہی تھے۔ اس وقت ملک کے

صدر، وزیر اعظم اور نائب صدر تک وہاں آ گئے تھے۔ کیونکہ معاملہ اتنا معمولی نہیں
تھا۔ بہت بڑا تھا۔ اتنا بڑا کہ ملک کی سلامتی کا دارومدار اسی پر تھا۔۔۔

"بہت خوب۔ جمشید کیا تم پورے ہوش و حواس سے یہ بات کہہ رہے ہو کہ مہمان صدر
مل گئے ہیں۔" نائب صدر نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔" (41)

انسپکٹر جمشید کو صلاحیتوں اور سراغ رسانی کی بدولت اعلیٰ قیادت کا اعتماد اور وسیع اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ افسران بالا کے بجائے براہ راست صدر اور وزیر اعظم تک پہنچ رکھتا ہے اور ان سے احکامات لیتا ہے۔ ناول "لوہے کا آدمی" میں انسپکٹر جمشید ارتقائی مراحل طے کرتا اپنے وسیع اختیارات کے ساتھ میدانِ عمل میں نظر آتا ہے۔

مجرم سائنسدان صدر اور وزیر اعظم کو اغوا کرتا ہے۔ مجرم کی پشت پناہی دشمن ملک کرتا ہے اور موقع سے فائدہ اٹھاتے اپنی فوجیں بھیجنے کے لیے پر تولتا ہے۔ حالات پر قابو پانے کے لیے آئی جی اور نائب وزیر اعظم انسپکٹر جمشید کو باگ ڈور سونپ دیتے ہیں۔

"میری تو عقل حیران ہے۔ میں باگ ڈور تمھیں سونپتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ مجھے مکمل اختیار دے رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! جو تمہارے جی میں آئے کر سکتے ہو۔" آئی جی بولے۔

"میری طرف سے بھی اجازت۔ اور مجھے اس بات پر بھی بہت افسوس ہے کہ
سائنسدان کے خلاف کاروائی کرتے وقت تمہارے مشورے کو قبول نہیں کیا گیا۔"

نائب وزیر اعظم بولے۔ (42)

انسپکٹر جمشید ملک و قوم کی خاطر فرائض انجام دیتا ارتقائی مرحلے میں ان مجرموں کا تعاقب کرتا ہے جن کا ہدف مسلمانوں کو انتقام کا نشانہ بنانا ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں انسپکٹر جمشید کا کردار محض ایک وطن پرست آفیسر کا نہیں ہوتا ہے بلکہ "مذہبی وطن پرست" کی حیثیت سے ملک کے اکثریتی طبقہ یعنی مسلمانوں کا محافظ بن کر فرائض ادا کرتا ہے۔

ناول ”خونی سائنس دان“ میں انسپکٹر جمشید کی مذہبی وطن پرستی سامنے آتی ہے، اس کا سامنا ایک ایسے ہندو سائنس دان سے ہوتا ہے جو ایک ہندو راجہ کا پڑپوتا ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے ملک کی مسلم آبادی کو موت کے گھاٹ اتارنے کا منصوبہ بناتا ہے۔

”ہاں پروفیسر! تم اس راجہ کے پڑپوتے ہو۔ دراصل یہ سارا منصوبہ تم نے مسلمانوں کو پکڑ کر اس مکان میں قید رکھنے اور انھیں موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے بنایا تھا۔ نہ کہ دولت حاصل کرنے کے لیے۔ دولت تو تم اس لیے حاصل کرتے تھے کہ تمہاری ساتھی خوش رہیں اور ہر طرح تمہارا ساتھ دیں۔ تمہارا پردادا ہندو تھا، تمہارا باپ بھی ہندو تھا اور تم بھی ہندو ہو اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ تم نے اپنے جو ساتھی چنے ہیں، وہ سب بھی ہندو ہیں۔“

”ہاں میں ہندو ہوں۔ یہ سب بھی ہندو ہیں اور بس اب تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہ گیا۔ اس لیے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

”بہت اچھا! جو مرضی میرے اللہ کی۔“ انسپکٹر جمشید نے آسمان کی طرف دیکھنا چاہا لیکن وہاں تو چھت تھی۔“(43)

انسپکٹر جمشید کی وطن پرستی اور مذہب پرستی اور اصول پسندی اس کردار میں ابھر کر سامنے آتی ہے۔ گو اس میں ذاتی رجحان اور لگاؤ کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جو نفع نقصان کا سوچے بغیر اصولوں پر کاربند ہے۔ یہ بغیر کسی لالچ یا خوف کے اصولوں پر قائم رہتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک بے لچک کردار ہے۔ یہ مذہبی ہوتے ہوئے بھی روایتی مذہب پسندوں سے الگ دکھائی دیتا ہے۔ اولاد پر بے جا سختی، کڑی پابندیوں اور ہر وقت روک ٹوک کا قائل دکھائی نہیں دیتا۔ بہت ہی کم مواقع پر یہ اپنے بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ بچوں کے حوالے سے ستائش، ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی کا عمومی رویہ برقرار رہتا ہے۔

اہم مہمات میں انسپکٹر جمشید ارتقائی سفر طے کرتے ہوئے عالمی سطح پر ہونے والی سازشوں کے خلاف میدانِ عمل میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کا مقابلہ ان مسلم دشمن طاقتوں سے ہوتا ہے جو مسلمانوں اور اسلامی ممالک کے خلاف گہری سازشیں کرتی ہیں۔

ناول ”موت کی سرنگ“ میں پڑوسی دشمن ملک اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سرحدی علاقے میں سرنگ کھود کر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ اس کوشش کا مقصد مسلم آبادی کے اس متنازع خطے پر تسلط حاصل کرنا ہوتا ہے جو دونوں ملکوں کے سرحدی حصے میں واقع ہے۔ ایک لمبے عرصے سے دونوں ممالک میں ”فتح پور“ نامی علاقے پر آپس میں جھگڑا چل رہا ہوتا ہے۔ یوں دشمن، دارالحکومت پر تسلط حاصل کر کے اعلیٰ قیادت اور ثالثی ممالک کو بلیک میل کر کے ”فتح پور“ پر جبراً اپنا حق تسلیم کروانا چاہتا تھا۔ صاف واضح ہے کہ یہاں ”کشمیر“ کا ذکر ہے۔

انسپکٹر جمشید دشمن ملک کی سازش ناکام کر کے اپنے وطن کے مسلمانوں کا دفاع کرتا ہے۔ ساتھ ہی مسلم دشمن قوت کے فتح پور پر تسلط کا خواب خاک میں ملا کر مسلمانوں کا ہمدرد ثابت ہوتا ہے۔

> پروگرام یہ تھا کہ سرنگ دشمن ملک تک جا پہنچے اور پھر وہ جو ہم پر حملہ کرنے کے لیے ترستا ہے، اس سرنگ کے ذریعے راتوں رات ان پہاڑیوں پر چھا جائے۔
>
> خان گڑھ پر تو فوراً ہی ان کا قبضہ ہو جاتا اور پھر یہ اور آگے بڑھتے ہوئے دارالحکومت تک پہنچ جائے۔۔۔ جب بڑی طاقتیں دخل دیتیں تو دشمن ملک کہتا کہ ہم فتح کیا ہوا یہ علاقہ خالی کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن تیس سال سے فتح پور کا جو جھگڑا چل رہا ہے اسے ختم کیا جائے اور فتح پور پر ہمارا حق تسلیم کیا جائے۔(44)

ضرورت پڑنے پر دوست ممالک کے شانہ بشانہ دشمن قوتوں کے منصوبے بھی ناکام بناتا ہے۔

ناول ”سلاٹر کی واپسی“ میں دشمن، شمالی پہاڑی سلسلے میں خفیہ فوجی اڈے قائم کرتا ہے۔ دوست ملک کے صدر اپنے جاسوس بھیج کر اس خطرے سے آگاہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی جاسوسوں کو اڈے تلاش کرنے میں مدد کا حکم دیتے ہیں۔

ملک کے صدر صاحب انسپکٹر جمشید کو تفصیلات بتاتے ہیں اور انسپکٹر جمشید کو اپنی ٹیم کے ہمراہ مہمان جاسوسوں کے ساتھ مل کر سراغ رسانی کرنے اور دشمن کی سازش ناکام بنانے کا کہتے ہیں۔

> ”ان سے ملو، یہ ہمارے دوست ملک کے ماہرین ہیں۔ کل کے جہاز سے تشریف لائے ہیں۔ ان کے ٹھہرنے کا انتظام ہوٹل ڈیلکس میں کیا گیا ہے ان کی آمد کی اطلاع دوست ملک کے صدر نے چند ماہ سے پہلے دی تھی۔۔۔ اگر جنگ چھڑ جائے تو اس اڈے سے ہماری تمام اہم تنصیبات با آسانی نشانہ بنائی جاسکتی ہیں۔

یہی نہیں، ایک اور اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اگروہ خفیہ اڈا ہمارے دوست ملکوں کو نشانہ بنانا شروع کر دے تو خیال یہی کیا جائے گا، ہم ان کی تنصیبات کو نشانہ بنا رہے ہیں اور اس طرح ہم بے یارومدگار رہ جائیں گے۔"

"بہت خطرناک، بہت سنگین۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔(45)

ارتقائی سفر میں بتدریج اس کردار کا ریاست پرست بیانیہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ خالص مذہبی نوعیت کی مہم میں اس کا مقابلہ ایسے دشمنوں سے ہوتا ہے جن کا ہدف انسپکٹر جمشید کا ملک یا خاص طبقہ نہیں بلکہ عالم اسلام کو نشانہ بنانا ہوتا ہے۔ "وادی مرجان" نامی ناول میں انسپکٹر جمشید ایک نئے مذہب کو پھیلانے والوں کا تعاقب کرتا ہے۔ ان کا مقصد عالم اسلام کے مسلمانوں کو اسلام سے پھیر کر نئے مذہب کا حصہ بنانا اور رکاوٹ بننے والوں کا خاتمہ کرنا ہوتا ہے۔

انسپکٹر جمشید اس مہم میں اسلام کا دفاع کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور مسلمانوں کے عقائد سے چھیڑ چھاڑ کرنے والوں کی بیخ کنی کرتا ہے۔

"یہ نیا مذہب دراصل ہمارے مذہب اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے۔ لوگوں کو ان کے ایمان سے ہٹانے کی ایک چال ہے۔ اور اس مذہب کے ماننے والوں کو وادی مرجان الاٹ کر دی گئی ہے۔ ایک دن ہمارے لیے مسئلہ بن جائیں۔۔۔ نہ صرف ہمارے لیے، بلکہ عالم اسلام کے لیے۔"(46)

وہ اپنے تئیں بھی مذہب کے غداروں کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے کوشاں ہو جاتا ہے۔ اسلامی عقائد کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے والے مجرم اس کی نظر میں ریاست کے غداروں سے بڑے مجرم ہیں۔ انسپکٹر جمشید کے مطابق مذہب کے غداروں کو انجام تک پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ مختلف مہمات میں وہ ملک و مذہب کے غداروں کو سزا دیتا ہے۔

ناول "جاپانی فتنہ" میں وہ ایسے مذہب کے غداروں کو بے نقاب کرنے کے بعد گرفتار کرتا ہے۔ شدید بیرونی دباؤ کے نتیجے میں ان غداروں کو رہا کر دیا جاتا ہے۔ انسپکٹر جمشید اپنے نظریے پر قائم رہتے آئین و قانون کو پس پشت ڈال کر انھیں خفیہ طریقے سے مار ڈالتا ہے۔ انسپکٹر جمشید اس موقع پر "نیا قانون" پر عمل کرتے انھیں خفیہ طریقے سے ختم کرتا ہے۔

انسپکٹر جمشید مسکرا دیئے اور چہکتی آواز میں بولے:

”صرف اور صرف یہ کہ جب قانون خود اپنے تقاضے پورے نہ کر پائے تو ایک نیا قانون جنم لیتا ہے۔“(47)

ناول ”جمشید پر کیس“ میں جابر مرزا نامی مجرم اپنے ہی قتل کے جھوٹے مقدمہ میں انسپکٹر جمشید کو پھانسنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ وہ اس کے گھر آکر دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور اس کا پین اڑا کر لے جاتا ہے۔ ایک اجنبی کو قتل کرواکے اپنے چہرے کے مطابق میک اپ کرواتا ہے اور وہ پین مقتول کی لاش کے پاس گرا دیتا ہے۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کے حجام سے اس کے بال حاصل کر کے جائے وقوعہ پر پھینک دیتا ہے۔
انسپکٹر جمشید یہ ساری کاروائی کیمرے میں دیکھ کر خطرہ بھانپ لیتا ہے۔ وہ اسے دوستی کے لیے اسلام قبول کرنے کی شرط رکھتا ہے لیکن وہ انکار کر کے بات گھمانے لگتا ہے۔ انسپکٹر جمشید موقع پا کر قانون اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور اسے قتل کر کے لاش کو سمندر میں پھینک دیتا ہے۔

”اچانک میں نے سوچا۔ اس نے مجھے اپنے قتل کے مقدمے میں پھانسنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ ہے بھی مرتد، کیوں نہ اسے ختم ہی کر دیا جائے۔ بس میں نے کار کی رفتار تیز کر دی اور اس سے آگے نکل کر کار کا راستہ روک لیا۔ وہ جھلا آکر جب کار سے اترا تو میں نے دبوچ لیا۔ اس کی کار ایک طرف کر دی اور اس کی لاش کو سمندر میں پھینک دیا۔ ایک پتھر بھی جسم سے باندھ دیا، تاکہ اوپر نہ ابھر سکے اور مچھلیوں کی خوراک بن جائے۔ یہ ہے میری کہانی۔“(48)

ایک مہم کے دوران میں اس کردار کا ارتقائی سفر اسے ایک ایسے غار کی طرف لے جاتا ہے جہاں سینکڑوں برس قبل محفوظ کردہ ایک مقدس کتاب موجود ہے جس میں آخری نبی اور آخری دین کے بارے میں پیش گوئی موجود ہے۔ انسپکٹر جمشید اور اس کی ٹیم کا مقصد اس کتاب کو غار سے نکال کر دنیا کے سامنے لانا ہے تاکہ لوگ دینِ حق کے بارے میں جان سکیں۔ ”غار کا سمندر“ ناول میں پیش کی گئی یہ مہم دو ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اس ناول کو اردو کے جاسوسی ادب کا سب سے ضخیم ناول کہا جاتا ہے۔ انسپکٹر جمشید کی سراغ رسانی کی صلاحیتوں اور جان ہتھیلی پہ رکھ کر ملک سے جرائم کے خاتمے کا جذبہ دیکھتے ہوئے صدر مملکت اسے

خصوصی اجازت نامہ مہیا کرتے ہیں۔ اس اجازت نامے کی رو سے وہ ہر قسم کے معاملات میں مداخلت اور تفتیش کا حق رکھتا ہے۔

اس اجازت نامے کے بعد اس کے اختیارات کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ انسپکٹر جمشید کے بچوں کو بھی خصوصی اجازت نامے حاصل ہیں۔

ناول "فائل کا انتقام" میں انسپکٹر جمشید اہم فائل کی گمشدگی کے سلسلے میں تفتیش کرنے کے لیے ایک میجر کو اپنے دفتر لے جانا چاہتا ہے۔ وہاں موجود کرنل انسپکٹر جمشید کے اقدام کو خلاف قانون کہہ کر اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیوں کہ ملکی قانون کی رو سے کوئی فوجی بڑا جرم کرے اس صورت میں بھی سویلین محکموں کے پاس فوجیوں سے تفتیش کرنے یا گرفتار کر کے مقدمہ چلانے کا اختیار نہیں۔ ان کی تفتیش کے لیے الگ فوجی نظام ہوتا ہے۔

انسپکٹر جمشید دوٹوک الفاظ میں اپنے ارادے کا اظہار کرتا ہے اور صدر مملکت کا خصوصی اجازت نامہ اسے تھما دیتا ہے۔

> "آپ نے اپنی بات کہہ لی کہ ان کے ساتھ جو ہوگا۔۔۔فوج کے دفتر میں ہوگا۔۔۔اب میری بات سنیں ۔۔میں انھیں ابھی اور اسی وقت اپنے دفتر لے جارہا ہوں۔"
>
> "یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔ آپ فوج کے ایک آفیسر کو کس طرح لے جاسکتے ہیں۔"
>
> کرنل خالد نے حیران ہو کر کہا:
>
> "مجھے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔"
>
> "میں سمجھا نہیں۔" کرنل خالد نے حیران ہو کر کہا۔
>
> "یہ دیکھیئے۔ اب اگر اس کے بعد بھی کسی نے رکاوٹ ڈالی تو معاملہ خراب ہو جائے گا۔"
>
> یہ کہ انہوں نے صدر مملکت کا خصوصی اجازت نامہ نکال کر ان کے سامنے کر دیا۔ اس کی رو سے وہ کسی بھی معاملے میں ٹانگ اڑا سکتے تھے۔
>
> "ٹھیک ہے۔ اس حکم نامے کی رو سے آپ میجر سرفراز کو لے جاسکتے ہیں۔"(49)

ناول "سورج کا خوف" میں انسپکٹر جمشید ایسے مجرم کا تعاقب کرتا ہے جو جرم کے لیے علم طب کا سہارا لیتا ہے۔ انسپکٹر جمشید سراغ رسانی اور طب کی وسیع معلومات کے ذریعے جرم کی نوعیت کا پتا لگاتا ہے اور طریقہ

واردات کی طبی و عقلی توجیہ پیش کرتا ہے۔ ایک موقع پر مجرم اسے دھمکی دیتا ہے کہ اگر اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بیکٹریا سے بھرا جار گرا دے گا اور یہاں موجود سارے افراد کے جسم میں بیکٹریا داخل ہو جائے گا۔ انسپکٹر جمشید اپنی طب سے متعلق معلومات کا ثبوت دیتا ہے۔ وہاں موجود دیگر افراد کو تسلی دیتا ہے کہ یہ بیکٹریا ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ یہ خراش کے ذریعے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ آخر میں اس بیماری کی دوا سے متعلق وضاحت کرتا ہے کہ تیزاب سے بیکٹریا مر جاتے ہیں۔ اور تیزاب کی ہومیوپیتھک دوا بنانے کے بعد وہ پینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

"یہ صاحب جار کو توڑ دیں تب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ بیکٹریا یہاں پھیل ضرور جائیں گے لیکن جسم میں صرف خراش کے ذریعے داخل ہو سکتے ہیں۔"

"کیوں۔ سانس کے ذریعے کیوں نہیں۔"

"سانس کے ذریعے جو بیکٹریا جسم میں داخل ہوں گے۔ وہ سیدھے پھیپھڑوں میں جائیں گے اور پھیپھڑوں میں جا کر فوراً مر جائیں گے۔ صرف خراش کے ذریعے یہ خون میں شامل ہوں گے۔ تیزاب سے بیکٹریا مرتے ہیں۔ لیکن ہم انسان کو تیزاب نہیں پلا سکتے۔ لہٰذا اس تیزاب کی ہومیوپیتھک طاقتیں بنائی گئیں۔ اس شکل میں تیزاب کو پیا جا سکتا ہے۔"(50)

ناول "باطل قیامت" میں انسپکٹر جمشید مذہبی مہم کے دوران مذہب کے ان غداروں کا تعاقب کرتا ہے جو اسلامی عقائد اور معروف پیشن گوئیوں کو بنیاد بنا کر عالم اسلام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ انسپکٹر جمشید اسلام سے متعلق گہرے مطالعے کی مدد سے دشمنوں کی سازش بے نقاب کرتا ہے۔ سی مون نامی مجرم سائنس تکنیک و تجربات کے ذریعے نقلی مسیح موعود بن کر معروف پیش گوئیوں کے مطابق خلا سے پرواز کرتا ہوا زمین جانب اترتا ہے۔ اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرنے بعد وہ لوگوں کو اپنی جانب راغب کرتا ہے۔

وہ چیز نیچے گرنے کے ساتھ ساتھ بڑی ہوتی جا رہی تھی اور پھر تو ان کی آنکھیں گویا پھٹ پڑیں۔ نیچے اترنے والی کوئی چیز نہیں۔ ایک انسان تھا۔ انسان جو اس طرح ہوا میں تیرتا ہوا اتر رہا تھا۔ جیسے کوئی ہوائی جہاز رن وے پر اترتا ہے۔(51)

لوگ آسمان سے اترنے والے اس شخص یعنی سی مون نامی مجرم کو مسیح موعود تسلیم کر لیتے ہیں لیکن انسپکٹر جمشید جان لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک ڈرامہ ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ اندازہ وہ اسلامی عقائد کے گہرے مطالعے اور احادیث سے واقفیت کی بنا پر لگاتا ہے: ''اگر عالم لوگ احادیث کی روشنی میں حالات اور واقعات کو جائزہ لینے کی کوشش کرتے تو جان لیتے کہ کئی باتیں احادیث کے مطابق نہیں ہوئیں۔ لہٰذا وہ شک کر سکتے تھے۔'' (52)

انسپکٹر جمشید اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سی مون کے منصوبے کی خامیاں اور غلطیاں پکڑ کر اس کی آمد کے سائنسی امکانات پر غور کرتا ہے اور بالکل اسی کے انداز میں خلا میں تیرتا ہوا زمین پر اترتا ہے۔ وہ سی مون کو چیلنج دیتا ہے کہ وہ اس کا پول کھولنے آیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: ''اب تو باقی لوگ بھی اوپر دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔ ادھر مینار پر اترنے کے بعد انسپکٹر جمشید نے پہلے اپنے اللہ سے معافی مانگی۔ کیوں کہ انھیں بھی اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نقل کرنا تھی۔'' (53)

انسپکٹر جمشید مذہبی مہمات میں سراغ رسانی کے ساتھ ساتھ مذہبی معلومات کو بروئے کار لاتا ہے اور اسلام دشمن طاقتوں کی بیخ کنی کرتا ہے۔ ناول ''غار کا کنواں'' میں ارتقائی طور پر وہ مذہب پرستی سے ایک قدم آگے بڑھتا اپنے مسلک کو ہدف بنانے والے عناصر سے ٹکراتا ہے۔ اس ارتقائی مرحلے میں مذہب کے ساتھ ساتھ مسلک کے بارے میں بھی اس کی وسیع معلومات سامنے آتی ہیں۔ اس موقع پر وہ ایک مبلغ کی حیثیت سے اپنے عقائد کی تبلیغ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر وہ باطل عقائد رکھنے والوں سے علمی مباحث کرنے سے بھی نہیں جھجکتا۔

اس ناول میں انسپکٹر جمشید ایک ایسی ریاست کا رخ کرتا ہے جہاں کا حاکم ریاست کے افراد کو مزار پرستی کی ترغیب دیتا ہے۔ مقصد کی تکمیل کے لیے وہ چند احادیث کو جمع کر کے ریاست میں عام کرتا ہے اور مزار پرستی کی ممانعت والی احادیث کو اس میں شامل نہیں کرتا۔

انسپکٹر جمشید ریاستی سطح پر پورے مجمع کے سامنے علمی بحث کرتا ہے اور تمام ریاستی افراد کے سامنے اسلام کی حقیقت واضح کرتا ہے اور حاکم کو بے نقاب کرتا ہے۔ ساتھ ہی احادیث کی اصل کتاب ان کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

> اور پھر ہزار لوگ ان کی طرف دوڑ پڑے۔ احادیث کی کتب کے گرد اس قدر جمگھٹا لگ گیا کہ اس قسم کا منظر شاید ہی کبھی دیکھنے میں آیا ہو۔

دو گھنٹے کے بعد میدان میں ہزاروں آوازیں گونج رہی تھیں!

"ہم توبہ کرتے ہیں۔ اس غلط کام سے۔ اس غلط عقیدے سے۔ اور اقرار کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی مختار نہیں۔ کوئی بگڑی بنانے والا نہیں۔ ان کاموں میں اللہ کا کوئی مددگار نہیں۔ ہم بھٹک گئے تھے۔ بلکہ بھٹکا دیے گئے تھے۔"

"تب پھر اپنے حاکم کو پکڑو۔ وہی سب سے بڑا مجرم ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔(54)

انسپکٹر جمشید اور محمود، فاروق، فرازنہ نے تمام شعبوں میں ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔ ان کے مخصوص مزاج اور صفات میں تنوع دیکھا جاسکتا ہے۔ وطنیت پرستی اور مذہب پرستی کے علاوہ دیگر صفات میں تغیر و تبدل بھی نظر آتا ہے جو کہ کردار نگاری کی کمزوری ہے۔ حب الوطنی، مذہب سے محبت و عقیدت کے علاوہ ان کرداروں میں بہت سے بلند اوصاف پائے جاتے ہیں۔ یہ عام سا خاندانی پسِ منظر رکھتے ہیں۔ ملک و قوم کی خاطر کارہانمایاں انجام دینے کی وجہ سے صدرِ مملکت کی جانب سے انھیں خصوصی اجازت نامہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ کردار ملک کے کسی بھی حصے میں کسی بھی جرم کی تفتیش، کسی خاص معاملے میں ملوث کسی بھی فرد سے پوچھ تاچھ اور سراغ رسانی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

انسپکٹر جمشید کے کردار کے ارتقائی سفر میں طب کی جانب رجحان بھی اہمیت رکھتا ہے۔ سراغ رسانی کے فرائض کی انجام دہی کے دوران اس کردار کا واسطہ بعض ایسے مجرموں سے پڑتا ہے جو کہ طب کے میدان میں انسانیت کے خلاف جرائم میں ملوث تھے، ان مہمات میں "سورج کا خوف" اور "جنوں کا طوفان" نمایاں ہیں۔ دونوں مہمات میں مجرموں نے ہومیوپیتھی اصولوں کی روشنی میں تحقیق کرکے دولت کے حصول کے لیے جرم کے انوکھے راستے دریافت کیے ہیں، ایسے جرائم سے واسطہ پڑنے کے بعد انسپکٹر جمشید بھی ہومیو طریقۂ علاج کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اس طریقۂ علاج میں گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد اس فن کو بھی سراغ رسانی کی ضروریات کے لیے استعمال کرنے لگتا ہے۔

ان کرداروں نے زندگی کے ہر شعبے میں جرم کے خلاف کام کیا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی توجہ مذہبی بنیادوں پر ہونے والی ایسی سرگرمیوں کی طرف مبذول ہوگئی جو کہ ملک و قوم کے لیے خطرناک تھیں، خواہ ریاست کو ان سرگرمیوں سے کسی خطرے کا احساس لاحق تھا یا نہیں۔ محمود، فاروق، فرزانہ کا

ارتقائی سفر اپنے والد انسپکٹر جمشید کے ساتھ ہوا ہے۔ ان کرداروں کے ارتقائی سفر کا جائزہ ان سب کرداروں کی مشترکہ مہمات پر مشتمل ناولوں سے لیا گیا ہے۔

3۔انسپکٹر کامران مرزا اور آصف، آفتاب اور فرحت کا ارتقائی جائزہ

انسپکٹر کامران مرزا ابتدائی کہانیوں میں مقامی اور علاقائی سطح پر سماج دشمن عناصر کے خلاف کام کرتا ہے لیکن بعد کے ناولوں میں وہ بین الاقوامی سطح کے مجرموں کے خلاف ایکشن میں نظر آتا ہے۔ وہ ان خطرناک مجرموں کا تعاقب کرتا ہے جو ملک اور مسلمانوں کے خلاف منصوبے بناتے ہیں۔ ارتقاکے اس مرحلے میں انسپکٹر کامران ایک ایسے وطن پرست فرض شناس کے روپ میں دکھائی دیتا ہے جو عالم اسلام سے بھی ہمدردی رکھتا ہے۔انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ آصف، آفتاب اور فرحت بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ چاروں کردار دراصل انسپکٹر جمشید، محمود،فاروق اور فرزانہ ہی کا چربہ ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ آصف اور فرحت انسپکٹر کامران مرزا کی حقیقی اولاد نہیں بلکہ ان کے دوستوں کے بچے ہیں۔

"سرخ تیر کی وادی میں" نامی ناول میں انسپکٹر کامران مرزا ان خطرناک مجرموں کے خلاف میدان عمل میں نظر آتا ہے جو اس کے ملک کے ساتھ ساتھ دیگر اسلامی ممالک کو ختم کرنے کی سازش کرتے ہیں۔

> "تم اسلامی ملکوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ایک دن مقررہ وقت پر اڈے سے تمہارے لوگ گیس پستولوں سے مسلح ہو کر ان ملکوں پر ہلا بول دیں گے۔ان پستولوں کے آگے کس کی کیا چلے گی۔جو بھی سامنے آنے کی کوشش کرے گا، ڈھیر ہو جائے گا۔جو شیلے مسلمان دھڑا دھڑ موت کے منہ میں جا گریں گے اور اس طرح تمام اسلامی ممالک ایک ہی وقت میں تمہارے قبضے میں آجائیں گے۔"(55)

ناول "خون کا سمندر" میں پہلی مرتبہ انسپکٹر کامران مرزا کی ٹیم انسپکٹر جمشید کی ٹیم کے ساتھ مشترکہ مہم میں حصہ لیتی ہے۔ ارتقائی طور پر ملک دشمن طاقتوں اور اسلام مخالف قوتوں کے خلاف کامران مرزا کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ساتھ ہی مشرقی حصے کی فورس، مقتدر حلقے ار دیگر ادارے میدان عمل میں ان کا ساتھ دیتے نظر آتے ہیں۔ اس ناول میں انسپکٹر کامران مرزا نمبروں والے تالے کھولنے کی صلاحیت کا بھی مظاہرہ کرتا ہے۔

”یہاں تم سے پھر غلطی ہوئی جیرال۔ میں نمبروں والے تالے کھولنے کا بہت بڑا ماہر ہوں۔ لیکن تمھیں یہ بات معلوم نہیں تھی اور نہ تم نے یہ سوچنے کی زحمت کی۔ تم نے سوچا تھا، نمبروں والے تالے کو کوئی نہیں کھول سکتا اور جو نمبر ہمیں دکھا کر تالے کھولے گئے، وہ غلط نمبر تھے۔ تالے تو پہلے ہی کھول دیئے گئے تھے۔ میں ایک رات پہلے انھیں کھول کر نمبر نوٹ کر چکا تھا۔ آج تو انھیں کھولنے اور پیغام دینے میں صرف پانچ منٹ لگتے تھے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے بتایا۔

اور اسی وقت انھوں نے دیکھا۔ جیرال کا چہرہ پہلی مرتبہ سیاہ پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا غم اور غصہ نظر آیا۔ پھر وہ بڑبڑایا۔

”تو۔۔۔۔ تو۔۔۔۔ میرا منصوبہ ختم ہو گیا۔ اسلامی ملک میرے داؤ سے بچ گئے۔“

”ہاں، جیرال! اس لیے تو میں کہا تھا، تم ہار گئے۔“(56)

ارتقائی طور پر انسپکٹر کامران مرزا کا ریاست پرست بیانیہ تبدیل ہونے کے بعد مذہب پرست بیانیے کے ساتھ ابھرتا ہے۔ اس مرحلے میں اسلام کے ایک محافظ کے طور پر نظر آتا ہے جو اسلامی ریاستوں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔

ناول ”جنت میں قتل“ میں انسپکٹر کامران مرزا اور تینوں بچے ملک سے باہر ایک اسلامی ریاست میں پنپنے والے جرم کے خاتمے کے لیے جاتے ہیں۔ وہاں کا امیر ایک قتل کی تفتیش کے سلسلے میں اور جرائم کی روک تھام کے لیے انسپکٹر کامران مرزا کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ انسپکٹر کامران مرزا اصلی مجرم کو قاتل ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام دشمن عناصر کو بے نقاب کرتا ہے اور ان کا منصوبہ ناکام بنا دیتا ہے۔

”اس ریاست جیسی اسلامی ریاست پوری دنیا میں اس وقت کوئی نہیں۔ اگر اس کی دیکھا دیکھی اور ریاستیں بننے لگیں تو پھر تو اسلام کا پوری دنیا میں دور دورہ ہو جائے گا، لہٰذا ہمارے ذہین لوگوں نے اس ریاست کے نظامِ اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لیے تجاویز سوچیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سب سے پہلے یہاں سے جرائم کا بیج بویا جائے۔“

”اور اس غرض کے لیے انھوں نے تم لوگوں کو یہاں بھیجا۔ تم یہاں کی ریاست کے باشندوں کے بھیس میں یہاں آکر رہنے لگے۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔(57)

انسپکٹر کامران مرزا کا ارتقائی سفر انسپکٹر جمشید کے ساتھ ساتھ طے ہوا۔ چوں کہ یہ کردار دراصل انسپکٹر جمشید کا چربہ ہے اس لیے جو تبدیلیاں انسپکٹر جمشید کے کردار میں رونما ہوئیں وہی یہاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ انسپکٹر کامران مرزا سیریز کے ابتدائی ناولوں میں آصف اور آفتاب ہی دو نوعمر کردار ایک ساتھ تھے۔ ان کرداروں کے ساتھ فرحت کا اضافہ یشوما سیریز میں ہوا۔ اس وقت فرحت پہلی مرتبہ اپنے والد منور علی خان کے ساتھ ان کے گھر آئی۔ اس کے بعد وہ چند ناولوں کو چھوڑ کر تقریباً ہر مہم میں ان کے ساتھ رہی۔

یشوما سیریز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ تینوں بچے دسویں جماعت کا امتحان دے رہے تھے:
یشوما اور سرخ تیر میں لکھتے ہیں: ''اور اسکول کا کیا بنے گا؟ تینوں دسویں جماعت کا امتحان دے رہے ہیں؟''(58)

دسویں جماعت کے بچوں کا ایک ساتھ رہنا اور کھیلنا کودنا معاشرے میں عام نہیں ہے۔ جس وقت اشتیاق احمد یہ ناول لکھ رہے تھے، اس وقت دسویں کلاس میں پڑھنے والے بچوں کا جو کہ نوجوان ہی شمار ہوتے ہیں، صرف دولت مند طبقے میں ہی ایک ساتھ رہنا بلکہ ایک ہی کمرے میں سو جانا قابلِ قبول تھا۔ یوں بھی ''یشوما اور سرخ تیر'' میں انسپکٹر کامران مرزا کے گھر کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے اس سے کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ کسی مذہبی گھرانے کا نقشہ ہے۔ مذہب پسندی ان تینوں بچوں میں بتدریج آئی جو کہ انسپکٹر جمشید کی ٹیم کے ساتھ مہمات میں شریک ہونے کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ مذکورہ بالا حوالے کے علاوہ انسپکٹر کامران مرزا نے سیریز میں تینوں بچوں کی اسکول کی تعلیم کا ذکر ان کی کلاسوں کے علاوہ وضاحت سے نہیں ملتا۔

آصف، آفتاب اور فرحت کا ارتقائی سفر ان بڑی مہمات میں طے ہوا ہے جو کہ انسپکٹر جمشید کی ٹیم کے ساتھ مل کر انجام دی گئیں۔ ناول ''خون کا سمندر'' میں یہ تینوں کردار پہلی مرتبہ انسپکٹر جمشید کی ٹیم سے ملتے ہیں۔ انھیں پروفیسر داؤد نے محمود، فاروق، فرزانہ کی مانند ہی کھلونا ہتھیار تیار کر کے دیے۔ بعد ازاں انھیں بھی پروفیسر داؤد کی مانند ایک سائنس دان پروفیسر غوری میسر آ گئے لیکن وہ ایک بڑی مہم میں شہید ہو گئے۔ ''جنت میں قتل'' ان تینوں کرداروں کے ارتقا کا اہم مرحلہ ہے جس میں وہ ایسی اسلامی ریاست میں جرم کی تفتیش کے لیے جاتے ہیں جہاں مکمل اسلامی نظام اور خواتین کے لیے پردہ کرنا ضروری ہے۔ فرحت کو اس ریاست میں پردہ کرنا پڑتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل نوعمر لڑکی نہیں ہے۔ اس کے باوجود فرحت مختلف مہمات میں مرد کرداروں سے فرزانہ کی مانند کی لڑتی ہوئی دکھائی گئی ہے جبکہ دوسری جانب ان کرداروں کو مذہبی بھی ظاہر کیا گیا ہے جو کہ ایک تضاد ہے۔

ان تینوں کرداروں کے ارتقا میں بھی وطن پرستی اور بعد ازاں دین و مذہب کے ساتھ ان کا تعلق اہم مراحل ہیں۔

5۔ شوکی برادران اور رفعت کا ارتقائی مطالعہ

ناول "دنیا کے قیدی" میں پہلی مرتبہ شوکی برادرز انسپکٹر جمشید اور اس کی ٹیم کے ساتھ مشترکہ مہم جوئی کرتے ہیں۔ اس قبل شوکی برادرز کی کہانی شوکی اپنی ہی زبانی سناتا تھا لیکن اب ان کی کہانی بھی راوی کی زبانی ہوتی ہے یعنی مصنف اشتیاق احمد خود سناتے ہیں۔ ناول کی دو باتوں میں اشتیاق احمد وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ادھر شوکی برادرز کو شامل کرنا بھی تقریباً ناممکن تھا۔ اس میں کئی عجیب و غریب پریشانیاں سامنے آکر ڈٹ گئی تھیں اور کسی طرح ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔
>
> ایک تو یہ مصیبت کہ شوکی اپنی کہانی خود بیان کرتا چلا آیا تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ لڑائی بھڑائی کے کاموں سے بالکل نہ آشنا ہیں۔ اب ان کا گٹھ جور ہوتا تو کیسے۔۔۔ مرتا کیا نہ کرتا، شوکی برادرز کے حصے کی کہانی شوکی کی زبانی کے بجائے اپنی زبانی لکھنا شروع کی اور اس طرح ناول شروع ہو سکا۔(59)
>
> "تم لوگ مجھے روک بھی نہیں سکتے۔" یہ کہہ کر وہ اندر داخل ہو گیا۔
>
> انھوں نے دیکھا، وہ لمبے سیاہ بوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے انتہائی پھوہڑپن سے خالی کرسی گھسیٹی اور اس پر بیٹھ گیا۔
>
> چند سیکنڈ تک انہیں گھورتا رہا، پھر بولا: "میرے دوست نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"
>
> "کیا کہا تھا آپ کے دوست نے۔" شوکی حیران ہو کر بولا۔
>
> "یہ کہ تم لوگ بہت تیز طرار اور ذہین ہو اور میرا کام ضرور کر سکو گے۔"(60)

ناول "نیا کارنامہ" میں شوکی برادران اپنی سراغ رسانی کے ارتقا کا سفر طے کرتے نظر آتے ہیں۔ اس ناول میں وہ اپنے گھر کی بیٹھک کو پرائیوٹ جاسوسی کا دفتر بناتے ہیں اور بطور پرائیوٹ جاسوس اپنا پہلا کیس حل کرتے ہیں۔

ایک شخص کی تلاش سے شروع ہونے والا کیس اس کے قتل تک جا پہنچتا ہے۔ شوکی برادران اپنی سراغ رسانی کے جوہر دکھاتے نہ صرف معاملے کی تہہ تک پہنچتے ہیں بلکہ اصل مجرم کو کمرہ عدالت میں جج کے سامنے بے نقاب کر دیتے ہیں ان کے اس کارنامے پر جج صاحب اور آئی جی صاحب بھی اش اش کر اٹھتے ہیں ۔تاہم وہ ان کی پرائیوٹ جاسوسی کی قانونی حیثیت نہ ہونے پر اعتراض کرتے ہیں۔ شوکی برادران جواب دیتے ہیں:

"ہم ملک یا قانون کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتے۔بس لوگوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ تم لوگوں کا ایک ایسا کارنامہ ہے، جس کی مثال نہیں مل سکتی۔۔۔میں تم لوگوں کے بارے میں سوچوں گا۔" انہوں نے کہا

"جی، تو آپ بھی سوچیں گے۔" اخلاق احمد نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا مطلب۔"

"جی وہ کل جج صاحب بھی یہی کہہ رہتے تھے کہ میں تم لوگوں کے بارے میں کچھ سوچوں گا۔"

اور آئی جی صاحب ہنس پڑے۔(61)

شوکی برادران نچلی سطح کے جرائم کے خلاف بطور پرائیوٹ جاسوس خدمات فراہم کرتے ہیں اور بدلے میں معاوضہ طلب کرتے ہیں۔

ناول "چائے کا بھکاری" میں شوکی برادران کا ارتقاء ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ وہ کوئی کیس بغیر معاوضہ طلب کیے حل کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس مدد مانگنے کے لیے آنے والا شخص انتہائی غریب ہوتا ہے۔ وہ محض انسانی ہمدردی کی خاطر اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

سراغ رسانی کے کے دوران انھیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سامنا ایسے مجرم سے ہے جس کے تعلقات صدر مملکت اور بیرون ممالک سے ہیں اور وہ ملک کے خلاف سازشیں کرنے اور جاسوسی کرنے میں ملوث ہے۔

ارتقائی طور پر شوکی برادران ملک دشمن عناصر سے ٹکراتے ہیں اور ان کی سازشوں سے پردہ اٹھا کر عدالت سے انھیں سزا دلواتے ہیں۔

> "بھئی، ابھی تک تو ہم نے کوئی ایسا کیس لیا نہیں۔ ہر کیس سے ہمیں آمدنی ضرور ہوتی ہے۔ اگر ایک کیس ہم ہمدردی کے جذبے سے مجبور ہو کر حل کر دیں گے تو کیا فرق پڑ جائے گا۔" اشفاق نے کہا۔(62)

> "یہ کہ بڑا خان اس ملک کا جاسوس ہے۔ وہ ہمارے ملک کی جاسوسی کر کے رپورٹ اس ملک کو دیتا رہتا ہے۔ اور آئے دن ہمارے ملک میں جو سیاسی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ وہ انھیں کی وجہ سے آتی ہیں۔ تمام سابقہ حالات پر نظر ڈالیں تو یہ بات صاف طور پر نظر آئے گی۔"(63)

شوکی برادران سراغ رسانی اور مجرموں کا تعاقب کرتے ہوئے ارتقاء کا سفر جاری رکھتے ہیں۔ اخباروں میں ان کے کارناموں کے تذکرے ہوتے ہیں اور انہیں اہمیت دی جاتی ہے۔ انسپکٹر کاشان اور راٹھور انکل کیس حل کرنے میں ان کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ کئی مواقع پر آئی جی صاحب بھی ان کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں۔

ناول "پانچ پیسے کا کیس" میں شوکی برادران ایک ایسی تصویر کی چوری اور اس سے جڑے قتل کا سراغ لگاتے ہیں جو عوامی نمائش کے لیے پیش کی جاتی ہے۔

شوکی برادران اس ناول میں اپنے ذرائع کی مدد معلومات حاصل کرتے ہیں قتل سے متعلق معلومات اور شواہد کے بارے میں جاننے کے لیے وہ انسپکٹر کاشان کی مدد لیتے ہیں۔ انسپکٹر کاشان اس کے بعد ان کا دوست بن جاتا ہے اور مختلف مواقع پر ان کے کام آتا ہے۔ ایک موقع پر قتل کے شبہ میں شوکی برادران کو حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔ وہ وکیل انکل (راٹھور) کو مدد کے لیے فون کرتے ہیں۔ وہ آکر ان کی ضمانت کرواتا ہے۔

> "فکر نہ کرو۔ ابھی تمہیں باہر نکلواتا ہوں اور اس جلالی نور پر تو اب حبس بے جا کا مقدمہ ہی کرنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئے۔ پھر اندر سے زور زور سے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ آخر حوالات کا دروازہ کھول دیا گیا۔(64)

"ہمیں یہ معلوم نہیں کہ جائے واردات سے کیا کچھ ملا۔ یہی معلوم کرنے ادھر آئے تھے۔ اب انکل کاشان سے ملنے کا ارادہ ہے ، شاید وہ اس سلسلے میں کچھ مدد کر سکیں۔"(65)

شوکی برادران ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے دائرہ عمل کو وسیع کرتے نظر آتے ہیں۔ان کی شہرت پورے ملک میں پھیلنے لگتی ہے۔

ناول"دنیا کے قیدی"میں شوکی برادران انسپکٹر جمشید کی ٹیم کے ساتھ مل کر مشترکہ مہم جوئی کا آغاز کرتے ہیں۔شوکی برادران کی صلاحیتوں کو دیکھ کر انسپکٹر جمشید بھی ان کی تعریف کرتا ہے۔

"شوکی۔تم یہاں کیوں آئے بھاگ جاؤ۔یہاں بہت خطرہ ہے۔"

"یہ۔یہ۔یہ آپ کو یہ دینے آیا ہوں۔"شوکی نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"کیا دینے آئے ہو؟"انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"جی۔یہ اینٹ،پتھر کی بنی اینٹ۔یہ۔یہ میں نے جہاز کے پہیوں کے ساتھ لگی دیکھی تھی۔بس یہی اٹھانے اس طرف چلا گیا۔"

"وہ مارا۔شوکی۔تمہارا جواب نہیں۔"انسپکٹر جمشید خوشی سے بھرپور لہجے میں چلائے۔

"مم۔میں نے۔میں نے تو کچھ بھی نہیں۔مم۔مارا جناب انکل۔"وہ بوکھلا کر بولا۔

"جناب انکل۔"انسپکٹر جمشید بے خیالی میں بولے۔ان کی نظر میں دراصل لی کاف پر جمی تھیں۔نظریں اس طرف رکھتے ہوئے انھوں نے اینٹ شوکی کے ہاتھ سے لی اور بولے:

"پیچھے ہٹ جاؤ شوکی۔دیوار سے جا لگو۔تم اپنا کام کر چکے۔"(66)

ناول کے آخری حصے میں انسپکٹر جمشید،شوکی کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے:

"اس فتح میں شوکی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔"انسپکٹر جمشید بولے

"لل۔لیکن انکل۔میرا ہاتھ تو اتنا ہی ہے جتنا پہلے تھا۔"

اس نے بوکھلا کر کہا اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔(67)

ناول ''سمندر کی آگ'' میں شوکی برادران پہلی مرتبہ جیرال کا سامنا کرتے ہیں۔ اس مشن میں وہ جیرال کے خلاف انسپکٹر جمشید اور اس کی ٹیم کے ہمراہ جیرال جیسے بین الاقوامی اور خطرناک مجرم سے ٹکراتے ہیں۔ جیرال کے ساتھ اس مشن میں جی موف، سی مون اور زولان سمیت تین خطرناک مجرم شامل ہوتے ہیں۔

شوکی برادران کا سامنا بیک وقت چار بڑے مجرموں سے ہوتا ہے۔ وہ ان کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ انھیں الجھا کر رکھنے میں کامیاب ہوئے اور انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو موقع فراہم کیا کہ وہ جوابی وار کر سکیں۔

> چاروں نے مل کر ایک قہقہہ لگایا، لیکن پھر ان کا قہقہہ درمیان میں اٹک گیا۔ ان کے سامنے چار انسان اور کھڑے تھے۔
>
> ''ہائیں! تو کیا تم بھی ہمارا راستہ روکو گے۔'' جی موف کے منہ سے نکلا۔
>
> ''اس میں شک نہیں کہ ہم لوگ آپ کا مقابلہ کرنے کے لائق نہیں۔ لیکن آپ کو چند سیکنڈ اور لیٹ تو کرا ہی سکتے ہیں۔'' شوکی اداس انداز میں مسکرایا۔
>
> ''چند سیکنڈ کا فائدہ پہنچا کر تم لوگ انسپکٹر جمشید کو نہیں بچا سکو گے۔''
>
> ''یہ اللہ کو معلوم ہے، ہمیں نہیں۔ ہمارا کام تو صرف کوشش کرنا ہے۔'' اشفاق مسکرایا۔
>
> ''چلو بھی۔۔۔ انھیں بھی اٹھا اٹھا کر دور پھینک دو۔'' جیرال نے منہ بنایا۔(68)

اشتیاق احمد کے کرداروں کے ارتقائی جائزے کے لیے ان کی طویل جاسوسی کہانیوں میں سے منتخب شدہ چند کہانیاں کچھ یوں ہیں:

''جیرال کا منصوبہ'' اشتیاق احمد کے ناولوں کے سلسلے کا پہلا خاص نمبر تھا، جیرال انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے ملک میں ہونے والی اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ اجلاس کو دہشت گردی کا نشانہ بنانے آیا، اس نے دونوں پارٹیوں کو ایک جنگل میں یکجا کر کے ایک وادی میں قید رکھنے کی منصوبہ بندی کی اور کالی آنکھ کو وادی کا نگران بنا دیا۔ جیرال کا خیال تھا کہ وہ منصوبے کی کامیابی کے بعد دونوں پارٹیوں کو اپنے ملک لے جائے گا تاکہ انھیں ذہنی تبدیلی کے عمل سے گزار کر اپنا ساتھی بنا لے، وادی میں دونوں پارٹیوں نے کالی

آنکھ اور جیرال کا مقابلہ کیا، جیرال بظاہر مارا گیا اور کالی آنکھ گرفتار ہو گیا۔ راکڈوم کی وجہ سے انھیں اپنے ملک واپس پہنچنے میں سہولت ہوئی۔

"وادیءدہشت ناک" ناول کے مرکزی جرم جیتال اور اساریہ تھے، دونوں کی جوڑی سے پہلے بھی دونوں پارٹیوں کا ٹکراؤ ہو چکا تھا، جیتال اور اساریہ کے ساتھ ایک خطرناک مجرم التانیو بھی تھا جو بہت تیزی سے اپنے منصوبوں کو پورا کرنے میں مہارت رکھتا تھا، جیتال اور اساریہ کے ملکوں نے باہمی مفادات کے تحفظ کے لیے سمندر کے درمیان گلیشئر میں ایک مرکز قائم کیا تھا، اس جگہ کو وادی دہشت کا نام دیا گیا تھا۔ یہ ایک تخریبی منصوبہ تھا جس کا مقصد دنیا پر کنٹرول تھا، جیتال اور اساریہ اس منصوبے کے نگران تھے، دنیا بھر سے اہم سائنس دانوں کو اغوا اور وادی دہشت میں جمع کر کے ان سے میزائل ٹیکنالوجی کے لیے جبری کام لیا جارہا تھا، وادی کو جدید سائنسی اختراعات کی مدد سے محفوظ بنالیا گیا تھا، التانیو نے پروفیسر غوری اور پروفیسر داؤد کو اغوا کر لیا، دونوں پارٹیاں التانیو کے مقابلے پر ناکام رہیں، دنیا کے مختلف ممالک نے اپنے سائنس دانوں کی بازیابی کے لیے ایک ٹیم کی تشکیل کا فیصلہ کیا لیکن پہلے ہی مرحلے پر اساریہ نے اسے ناکام بنادیا۔ اس کے باوجود انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کی پارٹیاں ایک آبدوز کے ذریعے وادی کی جانب سفر کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ وادی دہشت کا سراغ ایک سائنس دان کی کوششوں سے ممکن ہوا تھا، لیکن مجرموں نے آبدوز کو دھوکا دیا۔ ایک برفانی جزیرے پر اساریہ نے دونوں پارٹیوں کو شکست دینے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی اور دونوں پارٹیاں اسے اغوا کر کے وادی دہشت پہنچ گئیں۔ یہاں جیتال ایک فرضی نام سے موجود تھا لیکن انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا نے اسے پہچان لیا۔ جیتال نے انھیں دعوت دی کہ وہ دو دن سوچ وبچار کر لیں اور ماتحت رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ کریں۔ دو دنوں میں دونوں پارٹیوں نے وادی کے نظام میں کمزوریاں تلاش کر لیں اور غور و فکر کے ذریعے مجرموں کی نفسیات اور بہت معمولی چیزوں کو استعمال کر کے وادی کے نظام کو تہہ وبالا کر دیا۔ وادی میں موجود میزائل تباہ ہو گئے۔ جس وقت وادی تباہ ہو رہی تھی تو قریبی ملک کی ٹیم نے دونوں پارٹیوں کی جان بچالی۔

ناول "جھیل کی موت" کا مرکزی مجرم سرخ پنجہ کے نام سے دنیا میں مشہور ہونے والا ایک شخص تھا جس نے ایک ملک کی حکومت کا تختہ الٹنے میں اہم کردار ادا کیا تھا، اس کا اصل نام ڈاکٹر ہامان تھا۔ وہ انسپکٹر جمشید

کے شہر میں رہتا تھا۔ اس کی شہرت ایک جھکی پروفیسر کی تھی۔ وہ نہایت ذہین شخص تھا، لیکن اس کی جب قدر نہ کی گئی تو اس نے خود کو بیرونی طاقتوں کے کاز کی خاطر وقف کر دیا۔ اس کی نگرانی میں ریاست بندانامی ایک چھوٹے سے ملک میں تیسری جنگِ عظیم کی تیاری کے لیے خطرناک اسلحے کی تیاری کی زمین دوز فیکٹری لگائی گئی۔ حفاظتی اقدامات کے لیے روبوٹ تیار کیے گئے۔ ایک جھیل کے ذریعے زمین دوز دنیا میں ہوا کی فراہمی کا نظام بنایا گیا۔ اس ریاست پر ایک غنڈہ پارٹی کی حکومت قائم ہوگئی تھی، پروفیسر ہامان سرخ پنجے کی دھمکی کو کام میں لاکر افسران کی توجہ اپنی جانب مبذول کرواکر پروفیسر داؤد کی ایجادات اور فارمولوں کی نقول تیار کروانے میں کامیاب ہوگیا لیکن یہ نقول محمود، فاروق، فرزانہ نے واپس حاصل کر لیں۔ انسپکٹر جمشید کو پروفیسر ہامان پر شک ہوا تو اس نے سرخ پنجہ کے لیے کام کرنے کا اعتراف کر لیا اور ایک بم کے ذریعے پروفیسر داؤد کو یرغمال بنا کر ملک سے نکل کر ریاست بندا جانے میں کامیاب ہوگیا۔ انسپکٹر جمشید پارٹی اس کے پیچھے ریاستِ بندا پہنچی۔ ان سے پہلے انسپکٹر کامران مرزا کی پارٹی منور علی خان کی وجہ سے ریاستِ بندا میں پہنچ چکی تھی۔ دونوں پارٹیاں پرانے قلعے میں مل گئیں۔ وہاں سے انھیں زمین دوز دنیا میں جانے کا موقع مل گیا۔ ان کرداروں نے روبوٹوں کو مقابلے میں شکست دے دی اور زمین دوز دنیا سے آزادی حاصل کی۔ انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا نے غنڈہ حکومت کی مخالف سیاسی جماعت سے زمین دوز دنیا کو ختم کرنے اور غنڈہ راج ختم کروانے کے لیے مدد مانگی اور زمین دوز دنیا کے نظام کو تباہ کر کے لوگوں کو آزاد کروا دیا۔ پھر اس عمارت پر حملہ کیا گیا جس میں باس موجود تھا جو کہ بعد میں پروفیسر ہامان ثابت ہوا۔

"دنیا کے قیدی" میں ایک اسلامی ملک کے صدر عین بھنڈارا نے مسلمان سائنس دانوں کی مدد سے ایک نہایت خفیہ اطلاعاتی جاسوسی مرکز قائم کروایا جو خودکار نظم کے تحت کام کر رہا تھا، عین بھنڈارا نے لی کاف کے ملک کے ساتھ خفیہ ساز باز کر لی تھی، سلاٹر، التانیو اور رے راٹا اپنے اپنے ممالک کی جانب سے مشترکہ طور پر اس منصوبے کو جاننے اور خفیہ مرکز کی تلاش کے لیے کام کر رہے تھے، سلاٹر اپنی آنکھوں کی قوت سے کسی بھی فرد کو کرنٹ جیسا جھٹکا دے سکتا تھا، وہ ایک سفاک شخص تھا جو بے حد جسمانی قوت رکھتا تھا۔ رے راٹا کار کی رفتار سے دوڑ سکتا تھا اور التانیو تیز رفتاری سے کام کرنے، ظلم کرنے اور شکست تسلیم نہ کرنے والا فرد تھا۔

ان تین مجرموں نے پروفیسر عقلان، پروفیسر غوری اور پروفیسر داؤد کو اغوا کر لیا تاکہ وہ منصوبے کی تفصیلات جان سکیں، تینوں کو اغوا کر کے عین بھنڈارا کے ملک میں اس خفیہ مرکز کے قریب ہی رکھا گیا تھا، تینوں پارٹیوں کی ملاقات حیرت انگیز طور پر اسی ملک کے سمندر میں اسی جزیرے کے پاس ہوئی جہاں یہ مرکز قائم تھا۔ عین بھنڈارا کے روپ میں لی کاف نے خود درختوں کے نظام کی مدد سے سب پر قابو پالیا، باہمی مقابلے میں التانیو، رے راٹا اور سلاٹر مارے گئے، انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے لی کاف کو پہچان لیا، طویل مقابلے کے بعد لی کاف کو زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا۔ لی کاف دنیا کا سب سے زہریلا انسان تھا جس کے ناخن کی خراش ہی سے کوئی شخص ہلاک ہو سکتا تھا۔

"جزیرے کا سمندر" ناول کا مرکزی مجرم اریٹکا نامی غیر انسانی مخلوق تھی جو کہ زمین کے نیچے ایک الگ جہاں میں انسانوں سے بڑی تعداد میں موجود تھی۔ اس نے ایک مصنوعی جزیرے بنالیا تھا جو بحری جہازوں اور لانچوں کو کھینچ کر جزیرے کی طرف لے آتا تھا، جزیرے سے زیرِ زمین سمندر میں اترنے کے لیے ایک شیشے کا ستون تھا۔ اریٹکا نے لی کاف، آرٹی بناشا، گماٹا جیسے بین الاقوامی مجرموں کو ایجادات اور نشہ آور گولی کی مدد سے اپنا غلام بنالیا تھا، اریٹکا دنیا کو انسانوں سے خالی کر کے اپنے قوم کو آباد کرنا چاہتا تھا۔ بچوں نے اریٹکا پر قابو پالیا۔ لی کاف جو دنیا کا سب سے زہریلا انسان تھا، انسپکٹر جمشید کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس ناول میں اشتیاق احمد نے زیرِ زمین دنیا میں یاجوج ماجوج کی مانند انسانوں کے علاوہ ایسی مخلوق کا تصور دیا جو کہ انسان جیسی ذہانت کی حامل تھی۔

ناول "سنہری چٹان" کا مرکزی مجرم سی مون تھا، سی مون کو ترقی یافتہ ممالک نے اڑن طشتریوں کی فریب کاری کے ذریعے کمزور ممالک پر خلائی مخلوق کی دھاک بٹھانے کا مشن سونپا تھا تاکہ کمزور ممالک ترقی یافتہ ملکوں کے مکمل طور پر زیر اثر آجائیں، انسپکٹر جمشید پارٹی اور بقیہ دونوں پارٹیوں نے اڑن طشتریوں کا راز جاننے کے لیے طویل جدوجہد کی اور برف پوش علاقے میں سی مون کے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

ناول "باطل قیامت" کا مرکزی مجرم سی مون تھا جو کہ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک تھا، اس ناول کا مرکزی خیال یہ ہے کہ جاپانی فرقے کے مقامی پیشوا کی تجویز پر بیگال (اسرائیل) ایک نقلی مسیح موعود کو سامنے لا کر مدینہ منورہ پر سازشیوں کے قبضے کی منصوبہ بندی کرے گا اور پھر (نعوذ باللہ) روضہ ءرسول (علیہ الصلوٰۃ و

التسلیم) میں نقب زنی کی جائے گی یعنی اس طرح اسلام کے چراغ کو گُل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اپنے ساتھیوں سمیت یہ خبر پڑھ کر روپوش ہو گئے کہ بیگال نے ایک عظیم کامیابی حاصل کر لی ہے۔ تمام بچے گھر میں تھے۔ سی مون جیل سے فرار ہو گیا۔ بچے جب بڑوں کی روپوشی کے مقام تک پہنچے تو سی مون بھی وہاں پہنچ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا وہ سب گرفتار کر لیے گئے۔ بیگال کی قید میں انھوں نے جاپانی فرقے کے لوگوں کو دیکھا تو انھیں خیال آیا کہ کہیں بیگال کی اس کامیابی میں جاپانیوں کا کوئی کردار نہ ہو۔ بیگال کے صدر نے ان سب کو موت کی سزا سنائی تو سی مون نے اختلاف کیا کیوں کہ وہ انسپکٹر جمشید سمیت سب کرداروں کو اپنے ہاتھوں ہی ختم کرنا یا پھر اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتا تھا۔ تنازع پیدا ہونے کی وجہ سے سی مون ان کے ساتھ مل گیا اور انھیں فرار میں مدد فراہم کر دی۔ اپنے ملک پہنچ کر یہ سب وادی مرجان گئے جہاں سے جاپانی فرقے کا مقامی سربراہ مرزا خاسر فرار ہو کر ایک خاص ملک میں پہنچ گیا۔ انسپکٹر جمشید اور دیگر ارکان اس کے پیچھے وہاں پہنچ گئے، یہاں بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ انھوں نے مرزا خاسر کو اغوا کر لیا لیکن اس نے مرنے سے پہلے بتا دیا کہ جو کچھ ہو گا اسی شہر میں ہو گا۔ ایک اور مرنے والے کے منہ سے بس سم نکلا۔ تمام افراد نے طے کیا کہ وہ اسی شہر میں ٹھہر کر حالات دیکھیں گے۔ اس دوران میں انھوں نے آسمان سے ایک بت کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ جہاں بت گرا تھا وہاں کوئی گڑھا نہیں پڑا تھا۔ سب کردار سمندر میں گئے تاکہ وہ جانچ سکیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ سمندر میں ایک چمکدار ستون ملا۔ وہ ستون تک پہنچ گئے۔ ستون سے انھیں زیرِ زمین دنیا میں لے گیا جہاں انھیں بے ہوش کر دیا گیا۔ تین ماہ تک بیہوش رہنے کے بعد جب وہ ہوش میں آئے تو انھیں یہ کہہ کر زیرِ زمین دنیا سے نکال دیا گیا کہ مسلمانوں کو ایک بڑا لیڈر مل گیا ہے جس کی وجہ سے وہ مسلسل جنگ جیت رہے ہیں۔ یہ سب اس لیڈر سے ملے جسے غازی کہا جا رہا تھا۔ فجر کی نماز میں آسمان سے ایک شخص اترتا ہوا دکھائی دیا، جس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی سمجھ گئے کہ یہ سازش ہے۔ وہ اسی زیرِ زمین دنیا میں پہنچ گئے۔ پروفیسر داؤد وہاں ایک ایسا آلہ چھپا کر آئے تھے جو ہر قسم کے بموں کو ناکارہ کر سکتا تھا۔ انسپکٹر جمشید بھی نقلی مسیحِ موعود بن کر آسمان سے اترے اور پہلے سے موجود شخص سے مقابلہ کیا۔ پہلا نقلی مسیح سی مون تھا۔ سی مون نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور ایک عظیم لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ شوکی نے ان پنجروں کی چابی سی مون کی جیب سے

نکال لی جس میں وہ قید تھے۔ جب سی مون روضہ ءمبارک میں جانے والا تھا تو انسپکٹر جمشید نے حدیثِ مبارکہ کا حوالہ دے کر کہا کہ سی مون پہلے سلام پیش کرے اور جب جواب سن لیا جائے تو قدم آگے بڑھائے۔ سی مون اپنے ساتھ تین صندوق بھی لایا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ان میں پھول ہیں جو اندر رکھے جائیں گے۔ انسپکٹر جمشید نے کہا کہ ان صندوقوں میں نقب زنی کے آلات ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میری گردن حاضر ہو گی۔ سی مون موقع سے فرار ہو گیا۔

"سمندر کا دروازہ" میں سی مون اور جی موف اور پروفیسر ٹمباش مرکزی مجرم تھے لیکن ان سب کا کردار بہت محدود تھا، یہ مجرمان عالمی طاقتوں کے اشارے پر برمودا ترائی اینگل میں کارفرما پراسرار طاقت پر قابو پانے کے لیے سائنس دانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر برمودا میں ایک جزیرے پر موجود تھے۔ انسپکٹر جمشید اور پروفیسر داؤد اور خان رحمان کے کچھ دوست ایک جہاز کے ذریعے پاک لینڈ آرہے تھے، جہاز مقرر وقت سے تین گھنٹے تاخیر سے پہنچا لیکن جہاز میں کسی کو اس کا احساس نہ ہوا، نہ ہی جہاز میں پٹرول کم ہوا اور نہ ہی مسافروں کو بھوک کا احساس ہوا۔ انسپکٹر جمشید اپنے ساتھیوں کے ہمراہ برمودا کے قریب ایک ملک پہنچ گئے، وہاں ان کی ملاقات انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادران کی پارٹیوں سے ہو گئی جو برمودا کے سلسلے میں ہی وہاں پہنچے تھے، مختلف مشکلات سے نمٹ کر یہ سب لوگ ایک لانچ میں برمودا میں داخل ہو گئے۔ جزیرے پر انھیں قیدی بنا لیا گیا، وہاں ان کا مقابلہ سی مون اور جی موف سے ہوا، اسی دوران میں جزیرہ گھومنے لگا، ان سب کے احساسات فنا ہو گے اور یہ سب پارٹیاں اچانک سمندر کے اس حصے سے واپس ساحل پر پہنچ گئیں جہاں سے ان کا سفر شروع ہوا تھا، انسپکٹر جمشید نے قرآنِ کریم سے حضرتِ عزیر علیہ السلام، اصحابِ کہف اور واقعہ معراج سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا کہ برمودا میں یا تو بلیک ہول کی کارفرمائی ہے یا کوئی اور ایسی قوت موجود ہے جس کا سائنس اندازہ نہیں لگا سکی لیکن یہ معلوم ہو گیا کہ قرآنِ کریم میں بیان کیے گئے تینوں واقعات سے ملتا جلتا کوئی واقعہ آج بھی پیش آسکتا ہے۔

"سی مون، جی موف" ناول میں سی مون اور جی موف مشترکہ طور پر آئے اور انھوں نے سازش کر کے انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا کے ملک کے صدر کو فضائی حادثے میں قتل کروا دیا۔

"غار کا کنواں" کا مرکزی مجرم ایک ریاست کا بادشاہ تھا جو اپنی قوم کو اسلام کی عقیدت کے پردے میں شرک کی تعلیم دے رہا تھا، انسپکٹر جمشید نے طویل جدوجہد کر کے اس ریاست کے لوگوں کو اسلام کی درست تعبیر سے آشنا کیا۔

"اژدھا سیریز" کے چار ناولوں پر مشتمل یہ طویل کہانی فرقہ وارانہ نظریات کے مطابق لکھی گئی ہے جس میں تینوں پارٹیوں کو ایک ایسی جگہ قید کر دیا جاتا ہے جہاں سے نکلنا دشوار ہے، یہاں انھیں ایسے ویڈیو کیسٹ ملتے ہیں جس میں ایک فرقے نے اپنے لوگوں کو اپنی تاریخ سے آگاہ کیا ہے، اس تاریخ کو فلمایا گیا ہے۔ کردار یہ پوری تاریخ ملاحظہ کرتے ہیں اور ایک مخصوص فرقے کے متعلق نظریات کو سامنے لاتے ہیں۔ اشتیاق احمد کے اس ناول میں بیان کردہ فرضی واقعات اسلامی تاریخ کے بعض واقعات اور حوادث کی فرقہ وارانہ تشریح کرتے ہیں۔

"غار کا سمندر" اشتیاق احمد کی زندگی کا سب سے طویل ناول ہے، اس کا مرکزی خیال انجیل برناباس کے ایک قدیم ترین نسخے کی تلاش میں کیا گیا سفر ہے، یہ نسخہ ایک نہایت دشوار گزار علاقے کے بلند ترین پہاڑ میں ایک غار میں موجود تھا، تینوں پارٹیوں کو اس سفر سے روکنے کے لیے بگران نامی مجرم میدان میں اترا جو کہ کسی کیمیکل کے بغیر ہی اپنا حلیہ اور رنگ وروپ کسی بھی شخص کے مطابق کر سکتا تھا۔ اس نے تینوں پارٹیوں کو سفر سے باز رکھنے کے لیے ملک کے صدر کا روپ ہی دھار لیا لیکن انسپکٹر جمشید نے اسے بھانپ لیا، غار میں موجود انجیل برناباس کو مسلمانوں کے ہاتھ لگنے سے بچانے کے لیے شیطان نے اسرائیل کے صدر کو براہِ راست حکم دیا، اس کے باوجود تینوں پارٹیاں اس غار تک پہنچ گئیں اور انجیل کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

"دنیا کے اس پار" ناول میں جیرال، ابظال اور راٹور اور جوناٹ مرکزی مجرمان ہیں، ابظال نظر نہ آنے والا جسم رکھتا ہے۔ راٹور بندر سے بھی زیادہ پھرتیلا ہے، ان مجرموں نے مل کر پاک لینڈ کے صدر کو فوجی بغاوت سے برطرف کروا دیا اور انسپکٹر جمشید اور کامرن مرزا کو زمین کے کسی اور حصے میں بسنے والی انسان سے متعلق مخلوق کے مقابلے کے لیے آمادہ کیا۔ زمین پر اس مخلوق کی موجودگی کا علم ایک ایسے پھول کی وجہ سے ہوا تھا جو زمین کا نہیں تھا۔ سمندر کی دوسری جانب سے آنے والی انسانوں کی نسل سے متعلق ایک مخلوق انشارجہ میں تباہی پھیلا رہی تھی۔ یہ مخلوق ایک سمندری راستے سے آرہی تھی۔ اس پر قابو پانے کا کوئی طریقہ سجھائی

نہیں دے رہا تھا۔ اس مہم میں ایک جن نے بھی جمشید اور کامران مرزا پارٹی کا ساتھ دیا، کافی تجربات کے بعد اس مخلوق سے مقابلے میں کچھ کامیابی ملی۔ انشارجہ کے صدر نے انسپکٹر جمشید اور دیگر کو مجبور کیا کہ وہ سمندری راستے سے جا کر زمین کے نامعلوم حصے میں موجود مخلوق کا خاتمہ کر دیں۔ راٹور اسی دنیا میں ان کے مقابلے پر آیا، کافی مشکلات برداشت کرنے کے بعد ان کرداروں کا سمندری راستہ بند کرنے کا ایک طریقہ مل گیا۔ وہاں لاوے کا ایک آبشار تھا جو سوکھ جانے کے بعد ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ دوسری دنیا کے بادشاہ کو ابطال کے ذریعے یہ سمجھایا گیا وہ وہ لاوے والی وادی کو پتھروں سے پر کروا دے۔ بادشاہ نے یہ کام کروا دیا۔ لاوے کا رخ سمندر کی جانب کروا کر یہ سب دوسری دنیا سے نکل کر واپس اپنی دنیا میں آ گئے۔

اس ناول کی دو باتوں میں اشتیاق احمد اپنے سیاسی نظریے کو بیان کرتے ہوئے جمہوریت کو سرے ہی سے غلط قرار دے کر لکھتے ہیں کہ ملک میں صدارتی نظام لانا ہو گا۔

اشتیاق احمد نے ابن صفی کے اندازِ تحریر اور جاسوسی ناول نگاری سے متاثر ہو کر بچوں کے لیے جاسوسی ناول لکھنا شروع کیے تھے۔ انھوں نے بچوں کے لیے انہی کے مزاج و عادات رکھنے والے کردار یعنی محمود ، فاروق اور فرزانہ تخلیق کیے لیکن جاسوسی ادب پر مشتمل ناول کی ضروریات ، جرم و سزا کے عمل کو پیش کرنے والے حالات و واقعات اور جرائم کی دنیا کے معاملات کو معصوم اور کم عمر کرداروں کے ذریعے اجاگر نہیں کیا جا سکتا تھا اسی لیے بچوں کے ساتھ عقل و شعور، اختیارات و فرائض اور تجربہ و مہارت رکھنے والے کرداروں کی موجودگی کہانی کا لازمی تقاضا تھا چنانچہ اسی بنا پر اشتیاق احمد نے انسپکٹر جمشید کا کردار تخلیق کیا جو کہ ابتدائی طور پر ابنِ صفی کے کردار کرنل فریدی کی بعض صفات سے مماثلت رکھتا تھا لیکن گھریلو ماحول، وطن پرستی، پاکستانیت اور بعد ازاں مذہب پسندی کی خصوصیات کی وجہ سے یہ کردار ایک انفرادی حیثیت اختیار کر گیا۔ اسی کردار کے چربے کے طور پر انسپکٹر کامران مرزا کا کردار وضع کیا گیا۔ محمود، فاروق، فرزانہ کی طرز پر آصف، آفتاب اور فرحت کی تخلیق ہوئی پھر شوکی برادران کی تشکیل کی گئی۔

شخصیت و مزاج اور اخلاق و کردار کے اعلیٰ اوصاف ، جنگجویانہ عادات ، ذہنی صلاحیتوں اور پیشہ ورانہ مہارتوں کی وجہ سے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا پیشہ ورانہ اور خانگی زندگی میں مثالی کردار ہیں۔ ان کا ارتقائی سفر ریاست کے اسلام پسند رجحانات کے تحت بڑھتا گیا۔ ان دونوں کو عہدے میں ترقی دیے بغیر وسیع اختیارات تفویض کیے گئے۔ کرنل فریدی کی بلیک فورس کی طرح انسپکٹر جمشید نے بھی ایک زیرو فورس قائم کی۔ ان تمام

کرداروں نے کسی عہدے یا انعام کی لالچ کیے بغیر وطن کے تحفظ کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کیا اور سماجی جرائم کی بیخ کنی سے لے کر ملکی سلامتی اور عالمِ اسلام کے تحفظ کے لیے بڑی بڑی مہمات سر کیں۔ ارتقائی مراحل وطن پرست سے مذہب پرست فرد کے طور پر طے ہوئے۔ سماجی جرائم سے لے کر بین الاقوامی معاملات میں کردار ادا کرنے تک ان کرداروں میں دین و مذہب کے ساتھ وابستگی کو کلیدی اہمیت حاصل رہی تفویض کردہ اختیارات کے باوجود ان کرداروں نے ماورائے عدالت مذہبی مخالفین کو قتل کیا۔ اس قسم کے قتل کے لیے ان کے پاس جو جواز تھا وہ ریاست کے آئین کی کمزوری، نظامِ انصاف کے نقص اور ریاستی ڈھانچے میں موجود احتساب کے فقدان کو ظاہر کرتا ہے۔ اشتیاق احمد کے کرداروں کا اہم مشن قانون کی بالادستی ہے۔ وہ ملکی سلامتی کے لیے بھی کام کرتے ہیں اور وہ دین و مذہب اور قوم کے خلاف ہونے والی سازشوں کو بھی ناکام بناتے ہیں چاہے وہ ان کے دائرہ کار میں داخل ہوں یا نہ ہوں۔ ان کرداروں کا ارتقاء جاسوسی مہمات کے دائرے سے نکل کر مذہبی نوعیت کی سرفروشانہ سرگرمیوں تک وسیع ہے اور وہ مکالموں میں وعظ و نصیحت بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں غیر ضروری تجسس اور ماورائے عقل واقعات کی بھرمار پائی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حب الوطنی، دین و مذہب کے ساتھ وابستگی، قوم کے لیے قربانی دینے کا جذبہ بھی ملتا ہے۔

ج۔ مظہر کلیم کے مرکزی کردار کا ارتقائی مطالعہ:

1۔ علی عمران کا ارتقائی مطالعہ

مظہر کلیم ایم،اے نے ابنِ صفی کے کردار علی عمران کو اپنے قلمی کاوشوں کے لیے منتخب کیا اور پھر اس کے اوصاف میں تبدیلیاں کیں۔ مظہر کلیم کے ناولوں میں علی عمران کے کردار میں جو تبدیلیاں کی گئیں وہ ذہنی اور نفسیاتی لحاظ سے بھی ہوئیں اور دائرہ کار کے اعتبار سے بھی۔ جاسوسی ناول کا موضوع چوں کہ جرم و سزا ہی ہوتا ہے اس لیے یہ ایک محدود دائرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں توسیع کے لیے مرکزی کردار سے زیادہ مجرموں کے کردار اور ان کے دائرہ عمل میں توسع کی ضرورت تھی۔ مظہر کلیم نے یہی کیا کہ جرم کے دائرے کو وسعت دے دی۔ اس طرح جاسوسی ناول میں نئے تجربات سامنے آئے۔ یہی نئے تجربات علی عمران کا ارتقا ہیں۔ انھوں نے نت نئے موضوعات کو متعارف کروایا۔ نت نئے مجرم کردار پیش کیے۔ لیکن کیا ان مجرم کرداروں میں نفسیاتی اور رویہ جاتی سطح پر بھی کچھ نیا پن تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مجرم کرداروں کا رویہ اور ان کی سوچ و فکر میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے جس کی وجہ قارئین کو بھی ناولوں میں یکسانیت کا گمان گزرتا تھا۔ اس تمام صورتِ حال کو خود مظہر کلیم نے یوں بیان کیا ہے:

> یہ درست ہے کہ بعض قارئین کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ناولوں میں یکسانیت پیدا ہو گئی ہے لیکن اگر وہ میرے ہر ناول کا عمیق نظروں سے جائزہ لیں تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ میرا ہر ناول کسی نہ کسی انداز میں دوسروں ناولوں سے قطعی منفرد ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ تنوع صرف موضوع کی بنیاد پر ہی ہو بلکہ موضوع کے ساتھ ساتھ ٹمپو، واقعات کا تسلسل، کردار نگاری، عمران اور اس کے ساتھیوں کی کارکردگی کا انداز اور مجرموں اور مجرم تنظیموں کی کارروائی اور پیش رفت کا انداز بھی مد نظر رکھا جاتا ہے۔ ویسے بنیادی طور پر تو میرے ناول بہر حال جاسوسی ناول ہی ہوتے ہیں اور جاسوسی ناولوں کے دائرے کے اندر ہی لکھے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود میرے قارئین گواہ ہیں کہ میں نے جاسوسی ناولوں کے اس محدود دائرے کو اس قدر وسعت دے دی ہے کہ اس وقت تین صد کے قریب ناول لکھنے کے باوجود قارئین کو ہر ماہ نئے انداز کا منفرد ناول ہی پڑھنے کو ملتا ہے۔"(69)

علی عمران کو مظہر کلیم کے ناولوں میں ریاست نے طاقت ور ترین آئینی عہدہ دیا ہے۔ سیکرٹ سروس کے سربراہ کو طاقت ور ترین آئینی عہدہ دینا حیرت انگیز ہے۔ ایکا بان نامی ناول میں صدرِ مملکت کسی شکایت پر ناراض ہو کر ایکس ٹو کے کردار کو ختم کرنے کا آرڈر جاری کر دیتے ہیں لیکن بعد میں انھیں احساس ہوتا ہے کہ یہ عمل درست نہیں تھا، لہذا وہ شرمندہ ہو کر اپنے فیصلے کو واپس لیتے ہیں۔ علی عمران اس شرط پر ایکس ٹو کا منصب واپس حاصل کرتا ہے کہ وہ یعنی ایکس ٹو ملک کا سب سے طاقت ور عہدے دار ہو گا جو کہ اپنے مخصوص دائرے میں آئینی اور قانونی طور پر کسی بھی فرد کو جواب دہ نہ ہو گا البتہ پارلیمنٹ دو تہائی سے زائد اکثریت کے بعد ہی اس کا احتساب کر سکے گی تاہم اگر پارلیمنٹ کے کسی ایک رکن نے بھی ایکس ٹو کی حمایت کر دی تو اس کے اختیارات کو چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔یوں مذکورہ حوالے سے مظہر کلیم نے ابنِ صفی کے علی عمران کو یکسر مختلف شخصیت کے طور پر پیش کیا۔

مظہر کلیم کا کردار علی عمران اختیارات اور ملک کا قانونی اعتبار سے محفوظ ترین عہدہ خود طلب کرتا ہے۔ آئین میں ترمیم کروا کر عملی طور پر ایک خود مختار ادارے کا سربراہ بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ فون پر ایکس ٹو کی حیثیت سے صدرِ مملکت سے گفتگو کرتا ہے اور جب صدر اسے سیکرٹ سروس کی سربراہی دوبارہ سنبھالنے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ اپنی شرائط پر انھیں قائل کر لیتا ہے:

> ”اس سلسلے میں میری دو شرطیں ہوں گی۔“ عمران نے جواب دیا۔
>
> ”کہو کہو میں تمہاری ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں۔“
>
> صدر مملکت نے ندامت سے بھرپور لہجے میں کہا۔
>
> ”ایک تو یہ کہ سر سلطان صاحب کا استعفیٰ کینسل کر کے انہیں دوبارہ سیکرٹری مقرر کیا جائے اور سیکرٹ سروس کو بدستور وزارت خارجہ کے تحت رہنے دیا جائے۔“ عمران نے پہلی شرط پیش کی۔
>
> ”اس کے آرڈر میں پہلے کر چکا ہوں۔“
>
> ”دوسری بات یہ کہ ایکس ٹو کو آپ ذاتی طور پر نہیں ہٹا سکتے چاہے حالات کچھ ہی ہوں۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ سیکرٹ سروس ایک خود مختار ادارہ ہے۔ اور ایکس ٹو اس کا سربراہ۔“ عمران نے ایک کڑی شرط پیش کر دی۔

""مجھے منظور ہے۔ آج ہی اس کے آرڈرز بھی دے دیتا ہوں اور اسمبلی میں اس کا بل بھی منظور کرادوں گا تاکہ یہ آئین میں شامل ہو جائے۔"(70)

اسی ناول یعنی "ایکابان" میں عمران دشمنوں کا تعاقب کرتا ایک سرنگ میں جاگھستا ہے۔ جس وقت وہ سرنگ میں موجود ہوتا ہے اسی دوران مجرموں کی طرف سے سرنگ میں بھاری مقدار میں تیل چھوڑ دیا جاتا ہے۔ عمران پہلی مرتبہ ایسی صورت حال سے دوچار ہوتا ہے اور اپنی صلاحیت "حبس دم" کو استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنی سانس روک کر بظاہر مردہ بنتا ہے اور کسی لاش کی طرح آئل میں بہتا ہوا دشمن کے ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ صلاحیت ابن صفی کے عمران میں بھی موجود ہے۔

"خوب تو سانس پلٹانے والی مشق آخر کام آہی گئی۔" عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب!" سرسلطان نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے زندہ بچ جانے میں قدرت کی مہربانی اور ڈاکٹروں کی کوششوں کے ساتھ ساتھ کچھ میرا اپنا بھی ہاتھ ہے۔ پچھلے سال ایک جوگی سے میں نے سانس پلٹانے کا طریقہ سیکھا تھا۔ اسے "مہایوگ" کہتے ہیں اس سے انسان سانس پلٹ لیتا ہے یعنی سانس رک جاتی ہے اور بظاہر آدمی مردہ ہوتا ہے مگر دل کی مالش یا ایک اور طریقے سے دل دوبارہ رواں کیا جاسکتا ہے۔ تقریباً ایک مہینے کی سخت ریاضت کے بعد میں نے اس طریقہ پر قابو پالیا تھا کہ شاید کہیں کام آجائے اور مجھے خوشی ہے کہ آخر اسی طریقہ نے میری جان بچالی۔" عمران نے جواب دیا۔(71)

نفسیاتی اعتبار سے علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) کی پختگی کا اظہار مختلف علوم وفنون سے اس کی واقفیت، آگاہی، اور، مہارت سے بھی ہوتا ہے، وہ ذہانت اور دماغی قوت کے اعتبار سے دنیا کے چند گنے چنے افراد میں شامل ہے۔ وہ متنوع سائنسی علوم علاوہ ازیں، ارضیات، جغرافیہ، قدیم لسانیات، مخطوطات اور جدید ترین ایجادات و اختراعات کا علم رکھتا ہے۔ اسے ذہنی علوم میں بھی دسترس ہے اور قیافہ اور سراغ رسانی میں بھی مہارت رکھتا ہے۔ نفسیات اور جرائم کے علوم میں بھی وہ یدِ طولیٰ رکھتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ مارشل آرٹ میں اس کی مہارت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ دنیا میں چند ہی افراد اس فن میں اس کا مقابلہ

کر سکتے ہیں۔ وہ نشانہ بازی اور بہروپ بدلنے جبکہ کسی بھی مرد یا عورت کی آواز کو صرف ایک مرتبہ ہی سن کر اس کے لب و لہجے میں بولنے پر قدرت رکھتا ہے۔

رنگ وروپ، شکل وصورت اور دستخط تک میں علی عمران دوسروں کی نقالی میں ماہر ہے۔ وہ لباس و پوشاک اور وضع قطع میں بھی زبردست نقالی کرلیتا ہے۔ نقالی کا ایک دل چسپ واقعہ وہ ہے جب علی عمران بظاہر مشرقی تہذیب کے رنگ میں ڈھلے ہوئے دو بزرگ نما مجرموں سے ٹکراتا ہے اور اسے مجبوراً انہی کے لب لہجے میں گفتگو کرنا پڑتی ہے اور ان کے جیسا لکھنوی لباس بھی پہننا پڑتا ہے۔

ناول ''بانکے مجرم'' میں جرائم پیشہ افراد کا طریقہ واردات منفرد اور یکتا ہے۔ مجرموں نے خلاف معمول تہذیب و اخلاق کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ ان کا یہ انداز دیکھ کر عمران بھی لکھنوی بہروپ میں ان کا تعاقب کرتا ہے۔ اس ناول میں عمران لکھنوی انداز کا لباس سفید ململ کا انگرکھا، چوڑی دار پاجامہ اور سر پر ململ کی چوگوشہ کے ساتھ ساتھ سلیم شاہی جوتی پہنے مکمل طور پر لکھنوی لگ رہا ہوتا ہے۔ آنکھوں میں سرمہ ڈال کر اس کی نوکیں باہر کو نکالے اور کاندھے پر سرخ شال ڈالے جب وہ لکھنوی انداز میں گفتگو کرتا ہے تو پڑھنے والے کے لیے قہقہے روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔

> ''ظاہر ہے حضور۔ اگلے وقتوں کے لوگ مجسم شرافت، مجسم تہذیب اور مجھے تو اپنی کم بختی پر ملال آرہا ہے کہ اتنے شفیق بزرگ یہاں موجود ہیں اور میں آج تک ان کے نیاز نہ حاصل کر سکا۔'' عمران نے جان بوجھ کر آخری فقرہ کہا تھا۔(72)

ناول ''انکانا'' میں عمران جنگل میں بسنے والے قبیلے انکانا کی مدد کرتا ہے۔ اس سلسلے کا پہلا ناول ہے جس میں جنگلی قبیلے کا سردار چوگاشے جوزف کے توسط سے عمران سے ملاقات کرتا ہے۔ جنگلوں میں ہونے والی سازش کے خاتمے کے لیے عمران سے مدد طلب کرتا ہے اور بدلے میں اپنے آبائی خزانے میں سے حصہ دینے اور وہاں موجود یورنیم نکالنے کی پیش کش کرتا ہے۔ عمران اپنے ملک کے مفاد کی خاطر جنگلوں میں جانے کا خطرہ مول لیتا ہے۔

> ''میں چاہتا ہوں موسیو عمران کہ آپ ان سفید فاموں کو وہاں سے بھگادیں اور میں قبیلے کا سردار بن جاؤں۔'' چوگاشے نے کہا۔

"لیکن مجھے کیا تکلیف ہوئی ہے میں اس چکر میں پھنسوں۔" عمران نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"آپ وہ یوریئم وہاں سے نکال کر اپنے ملک میں لے آئیں۔ اس کے ساتھ میں آبائی خزانے سے بھی آپ کو حصہ دوں گا۔ جو اربوں ڈالر کا بھی ہو سکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی۔" چوگاشے نے سنجیدگی سے جواب دیا۔(73)

مظہر کلیم کا علی عمران ایم، ایس سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) فطری طور پر ایک شوخ و شنگ، نہایت ذہین و فطین اور ذہنی طور پر نہایت مضبوط اور ہوشیار کردار ہے جو کہ اپنی بے پناہ ذہانت، قوتِ حافظہ اور عبقری مزاج اور برق رفتار تخیل کو استعمال کر کے موقع و محل پر اپنی گرفت قائم کر لیتا ہے۔ وہ مارشل آرٹ کا بھی ماہر ہے۔ اس کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ذاتی بدلہ نہیں لیتا۔ ماسٹر کلرز نامی قاتلوں کی ایک خوف ناک تنظیم کا خطرناک فائٹر جوانا اسی وجہ سے عمران کو اپنا آقا تسلیم کر لیتا ہے۔

ناول "عمران کی موت" میں پیشہ ور قاتلوں کی تنظیم "ماسٹر کلرز" کو عمران کی موت کا ٹاسک دیا جاتا ہے۔ اس ناول میں عمران نے دیدہ دلیری سے نہ صرف پیشہ ورانہ قاتلوں کے عزائم کو خاک میں ملایا بلکہ ان ہی کے بنائے گئے بم سے ان کا خاتمہ ہوا۔ چاروں قاتلوں میں سب سے خطرناک سیاہ فام جوانا ہے جو آخر تک ناقابل شکست رہا۔ اس کا کئی مرتبہ عمران سے ٹکراؤ ہوا اور ہر مرتبہ وہ بچ نکلا۔ بالآخر اس کا عمران سے خطرناک مقابلہ ہوا۔ شکست تسلیم کے کے بعد اس نے عمران سے خود کو گولی مارنے کی درخواست کی۔ عمران نے ذاتی بدلہ نہ لینے اور اس کی بہادری کو دیکھتے ہوئے اس کی شدید خواہش پر اپنے ساتھیوں میں شامل کر لیا۔ ملاحظہ کیجئے۔ "ماسٹر۔ تم مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دو میں اب کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں زر خرید غلام کی طرح تمہاری خدمت کروں گا۔" جوانا نے تیزی سے بیڈ سے اتر کر عمران کے پیر پکڑتے ہوئے کہا۔(74)

ابتدائی کہانیوں میں علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) رویے کے لحاظ سے ایک جذباتی اور نفسیاتی اعتبار سے ایک لاابالی نوجوان دکھائی دیتا ہے جو اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں اور خاندانی تعلقات کی بدولت ایک اونچے منصب تک پہنچ گیا ہے۔ اس دور میں علی عمران نہ صرف عام نوجوانوں کی طرح جملہ بازی کرتا ہے بلکہ تناؤ اور غصے کے موقع پر وہ گالم گلوچ سے بھی باز نہیں آتا۔ ناول "کاروان دہشت" میں دو دشمن ممالک کافرستان اور روسیاہ اکٹھے ہو کر پاکیشیا کے خلاف سازش کی منصوبہ بندی کرتے ہیں سازش کو

کامیاب بنانے کے لیے وہ سر سلطان کو اغوا کر لیتے ہیں۔ عمران پر اس صورت حال کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ دشمنوں کا تعاقب کرتے اور ان سے تفتیش کے دوران عمران پر ذہنی تناؤ اور نفسیاتی دباؤ واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔

"کتے کے بچے!۔ بتلاؤ سر سلطان کہاں ہیں۔ جلدی بتاؤ۔" عمران نے اس کے سر کو ایک بھرپوری قوت سے دیوار سے ٹکراتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے میں اس قدر وحشت تھی کہ ٹائیگر کے جسم میں بھی سردی کی لہر دوڑنے لگیں۔(75)

عمران کی ذہانت ہر علم و فن کے میدان میں یکساں کام کرتی ہے۔ وہ جدید ترین ٹیکنالوجی پر دسترس اور سائنس میں اپنی مہارت کو بار بار ثابت کرتا ہے۔ یہ واقفیت کسی ایک شعبے تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ سمندری ذرائع سفر سے لے کر فضائی و ریگستانی ذرائعِ سفر، پہاڑوں میں کریش لینڈنگ اور جنگلوں میں مہم جوئی کے تمام وسائل سے آگاہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک موقع پر وہ کہتا ہے:

"یہ سکسٹی ون ٹائپ آبدوز ہے۔ میں نے جدید ترین الیون تھرٹی بی چلائی ہوئی ہے۔"(76)

ایک مرحلے میں اسے ایک مشن کے دوران میں منصوبہ بندی کے تحت کریش لینڈنگ کرنا پڑتی ہے جو کہ ایک نہایت خطرناک عمل ہے، لیکن وہ یہ کام بھی مکمل مہارت کے ساتھ انجام دیتا ہے اور جہاز سے اترنے کے بعد دشمنوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ جواز بیان کرتا ہے: "ہمارے جہاز میں اچانک خرابی ہو گئی۔ انجن فیل ہو گئے اور پہیے جام اس لیے مجبوراً ہمیں بغیر پہیوں کے کریش لینڈنگ کرنی پڑی۔"(77)

اس ناول یعنی ناواشنگو میں عمران اور اس کے ساتھی دشمنوں کے منصوبے ناکام بنانے کے لیے جنگلوں میں خطرات کا سامنا کرتے ہیں۔ اس ناول میں عمران کی جنگلی زبانوں میں مہارت اور جنگلیوں کے مقدس مخطوطے پڑھنے کی صلاحیت سامنے آتی ہے۔

"اطمینان سے بیٹھ جاؤ پاشو۔ ابھی تم سے کافی باتیں ہونی ہیں۔"

عمران نے مشین پسٹل کو انگلی میں گھماتے ہوئے بڑے مطمئن سے لہجے میں کہا۔

"اوہ اوہ تم ہماری زبان جانتے ہو اجنبی۔" پاشو کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔(78)

اسی طرح علی عمران قدیم و جدید سائنسی علوم و فنون میں ہونے والی تحقیقات پر بھی گہری نظر رکھتا ہے۔ خاص طور پر جدید اسلحہ کے متعلق وہ مکمل معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ گیسوں، لیزر، شعاعوں، جدید ہتھیاروں اور معدنی اجزا کے بارے میں جدید تحقیقات پر اس کی نظر رہتی ہے، وہ کمپیوٹر

سائنس کے بارے میں بھی جدید ترین پیش رفت سے آگاہ رہتا ہے، اسی لیے دشمنوں طاقتوں کی لیباٹریوں کو تباہ کرنے کے لیے وہ انہی کے کمپیوٹروں کو استعمال کر لیتا ہے۔

ناول فلاسٹر پروجیکٹ میں عمران یہودی تنظیم کے ہیڈ کوارٹر میں جا گھستا ہے۔ اس تنظیم کا خفیہ اور انتہائی خوفناک منصوبہ ناکام بنانے کے لیے وہ سپر کمپیوٹر کو ناکارہ بنا دیتا ہے۔ ماسٹر کمپیوٹر کی تھیوری کو سمجھنے کے بعد وہ اس میں ردو بدل کرتا ہے۔ تمام سسٹم اور کمپیوٹر کی میموری واش کر کے منصوبہ سبوتاژ کر دیتا ہے۔ وہ سپر کمپیوٹر کو اس خطرہ کے پیش نظر دھماکے سے نہیں اڑاتا کیوں کہ اس صورت میں توانائی کے ایک بڑے ذخیرہ کا اخراج ہوتا جس سے تباہی پھیل جاتی اور لاکھوں جانوں کا ضیاع ہوتا ہے۔(79)

جدید ترین ٹیکنالوجی سے علی عمران کی واقفیت بلکہ اس میں مہارت کسی ایک شعبے تک محدود نہیں ہے۔ وہ اپنی حیرت انگیز ذہنی صلاحیتوں سے کام لے کر آبدوزوں اور جنگی جہازوں کی پیچیدہ مشینری کے ساتھ ساتھ جدید ترین کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے بھی مکمل آگاہی رکھتا ہے جیسا کہ حوالہ بالا سے اس کے ذہنی ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے۔ علی عمران کے ذہنی ارتقا کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ ذہنی علوم مثلاً ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی کے ساتھ دونوں کے مشترکہ استعمال سے بھی واقف ہے جس کے ذریعے وہ اپنے مخالفوں کے ذہن کو کنٹرول کر لیتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ خود ایک علم کا موجد ہے جسے اس نے آئی ٹی کا نام دیا ہے، وہ اس نئے علم آئی ٹی کا استعمال بہت کم کرتا ہے۔ ہپناٹزم میں علی عمران کی مہارت ناول "جاسوسِ اعظم" میں نمایاں ہوئی تھی لیکن اس نے بتدریج اس صلاحیت کو اس قدر بڑھا لیا کہ اس کی حیرت انگیز ذہنی صلاحیتوں پر اس کے دشمن ششدر رہ جاتے ہیں۔

ناول "ایکشن گروپ" میں پہلی مرتبہ عمران نے اپنے نئے علم "آئی ٹی" کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ مجرم سے معلومات حاصل کرنے کے لیے جب اس کا تعاقب کیا تو ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی کی ٹرانس میں لانے کا موقع نہیں تھا۔ اس نے آئی ٹی کو استعمال میں لا کر مجرم کا ذہن کنٹرول کر لیا اور اسے احکامات جاری کیے۔

> "عمران یکلخت اپنی تمام تر ذہنی قوت کو ایک نقطے پر مرتکز کرتے ہوئے مس کوئین کے ذہن کو گرپ میں لے لیا۔"
>
> یہ ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی سے ہٹ کر اکلٹ سائنس کا ایک علم تھا۔ جسے معروف زبان میں آئی ٹی کہا جاتا ہے۔(80)

ایک اور کہانی میں وہ میں اپنی مخالف ایجنٹ کا ذہن اس طرح قابو کرلیتا ہے کہ وہ اس کے سامنے یکلخت ساکت ہو جاتی ہے اس کا چہرہ سپاٹ ہو تا چلا جاتا ہے اور علی عمران اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے مکمل طور پر قابو میں کرلیتا ہے۔ اس کہانی میں دشمن ایجنٹ کلاڈیا کو یہ ذمہ داری دی گئی تھی کہ وہ علی عمران کو ہپناٹزم میں لانے کے لیے انجکشن انجیکٹ کرے لیکن عمران نے خطرہ کو بھانپتے ہوئے نہ صرف کلاڈیا کو ٹرانس میں لیا بلکہ حیرت انگیز طور پر کلاڈیا کے ذہن کے اندر یاداشت والے حصے پر نادیدہ ساخول چڑھا دیا۔ ہپناٹزم میں یہ بالکل ایک نیا طریقہ تھا جس نے دشمنوں کو حیران کر دیا۔

> "یہ میرے ہے بالکل نئی بات ہے۔ ہپناٹزم میں ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اس طرح کا خول چڑھا دیا جاتا ہے۔ اس میں تو ذہن کو سجیشن دی جاتی ہیں اور بس۔" پروفیسر نے تھکے تھکے انداز میں کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔(81)

عمران کی یہ بے پناہ ذہنی قوت دشمنوں نے حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ مصنوعی انسانوں میں اسے استعمال کر سکیں۔ ناول فور کارنرز میں عمران کی ذہنی صلاحیتیں چھین لی گئی تھیں۔ عمران کی والدہ عمران کی حالت دیکھ کر پریشان ہونے لگیں اور دہکتے کوئلوں پر ہرمل کے دانے ڈال کر اس کی دھونی دی۔ اس کے نتیجے میں یہ دھواں عمران کی ناک میں گھستا گیا۔ اسے چھینکیں آنے لگیں اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

مختلف علوم وفنون کے حوالے علی عمران کی گفتگو میں شامل ہوتے رہتے ہیں جس سے اس کے ذہنی ارتقا کی صلاحیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی ذیل میں وہ اعتقادی اور نظریاتی گفتگو بھی کرتا ہے خواہ وہ مزاح کے رنگ ہی میں کیوں نہ ہو۔ وہ حیاتیات کی اس تھیوری پر یقین نہیں کرتا کہ انسان کسی ایسے خلیے سے وجود میں آیا ہے جو کہ بندر اور اس کے درمیان مشترکہ جدِ امجد کی حیثیت رکھتا ہے۔ علی عمران جو کہ خود بھی سائنس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھتا ہے، نظریہ ارتقا کو مسترد کرتا ہے اور اس کی سائنسی توجیہہ بھی پیش کرتا ہے: "بندر کے جسمانی خلیات اور انسان کے جسمانی خلیات میں بے حد فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں ڈارون کی اس تھیوری پر یقین نہیں رکھتا کہ انسان کا مورث اعلیٰ بندر تھا۔"(82)

گو کہ علی عمران خود بھی حیاتیات کے متعلق اچھی خاصی جانکاری رکھتا ہے لیکن اس کا مقابلہ بلیک تھنڈر نامی ایک ایسی خفیہ تنظیم سے پڑ جاتا ہے جو کہ سائنسی معلومات اور ایجادات میں دنیا سے بہت آگے ہے۔ یہ تنظیم علی عمران کو اپنے مقاصد کی خاطر استعمال کرنا چاہتی ہے۔ اگرچہ علی عمران کوشش کے باوجود بلیک تھنڈر کے ہیڈ کواٹر کو تلاش نہیں کرپاتا تاہم اس نے تنظیم کو بے حد نقصان پہنچایا، بلیک تھنڈر تنظیم نے

فیصلہ کیا کہ علی عمران کو قتل کرنے کی بجائے اس کی ذہنی ساخت کو تبدیل کر کے اسے اپنے اثاثے کے طور پر محفوظ رکھا جائے۔ تنظیم، علی عمران کے ذہن میں انجکشن کے ذریعے ایسا کیمیکل داخل کروا دیتی ہے جس سے علی عمران خود کو عورت سمجھنے لگتا ہے۔ یہ تبدیلی زیادہ دیر قائم نہیں رہتی لیکن یہ علی عمران کے نفسیاتی اور ذہنی ارتقا میں ایک دل چسپ مرحلہ ضرور ہے:

> اس کے جسم یکلخت اس طرح خود بخود سمٹ گیا جیسے کوئی نوجوان لڑکی اپنی جسم کو سمیٹ لیتی ہے جب اسے کسی بات پر شرم آنے لگتی ہے۔"اوئی اللہ اگر سلیمان ہمیں اس عالم میں دیکھ لیتا تو۔۔۔"(83)

علی عمران کی شخصیت و کردار میں بتدریج تبدیلی اور تنوع واقع ہوا۔ ابتدائی کہانیوں ہی سے وہ ایک ایسا کردار ہے جو کہ اپنی ذہنی برتری کی وجہ سے عام لوگوں سے بہت مختلف ہے۔ بعد ازاں مظہر کلیم نے علی عمران کو مذہب کی جانب رجحان رکھنے والا ایسا فرد بنا دیا جو اپنے ماحول، پیشے اور ذمہ داریوں کی وجہ سے خالص مغربی رنگ میں رنگا ہوا ہے لیکن اس کی مشرقیت کہیں نہ کہیں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ مشرقیت اور اسلام پسندی کے یہ رجحانات طاقت ور ہوتے گئے۔ یوں تو علی عمران ابتدائی کہانیوں ہی سے مذہب اور مشرقیت کی حدود کا کچھ نہ کچھ خیال رکھتا ہے لیکن نفسیاتی اعتبار سے وہ مذہب اور مشرقی اقدار کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ شوخ و شنگ، آزاد خیال، فیشن پرست اور مخلوط محفلوں کا عادی ضرور ہے لیکن خواتین کے ساتھ تعلقات کے باب میں مذہب اور مشرقیت کے دائروں کی پابندی کرتا ہے۔

مظہر کلیم نے علی عمران کی شخصیت میں کردار کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ یہ کردار تضادات کا مجموعہ بھی ہے۔ ایک طرف وہ علی عمران ہے جو کہ آئین میں ترامیم کر کے خود کو ملک کا سب سے با اختیار عہدے دار بنا لیتا ہے لیکن دوسری جانب وہ والدہ کے ہاتھوں سر پر جوتیاں بھی برداشت کر لیتا ہے اور اپنی والدہ کے پیر و مرشد کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتا ہے۔ جسمانی لحاظ سے بے پناہ قوت و ذہانت اور ہر قسم کے وسائل کے باوجود علی عمران دین و مذہب کی اتنی رعایت رکھتا ہے کہ مواقع میسر ہونے کے باوجود وہ اپنے کردار پر کوئی حرف نہیں آنے دیتا جو کہ ایک "صوفی" کی صفت ہوتی ہے۔ کردار کی پختگی کے باوجود پیشہ ورانہ تقاضوں کے مطابق علی عمران خواتین سے کام نکلوانے میں مہارت رکھتا ہے۔ وہ اپنا کام نکلوانے کے لیے کسی بھی عورت سے اظہارِ محبت کر سکتا ہے۔ اسے عورتوں کے جذبات و احساسات سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ نہ ہی وہ کسی کے دامِ فریب کا شکار ہوتا ہے۔ اس کا مقصد اپنا کام نکالنا ہوتا ہے لیکن مظہر کلیم کے علی عمران کا رویہ ابنِ صفی کے

علی عمران کی مانند انکساری اور فطری سادگی کا نمونہ نہیں۔ اس کے رویے میں خود نمائی کا پہلو واضح ہے۔ وہ معصومیت کی بجائے نمائش، غیر ضروری اداکاری اور شوخی کا عکاس ہے۔ اس کے الفاظ بھی جدید اسالیب کے مطابق قدیم تہذیبی اقدار کی بجائے ماڈرن نوجوانوں جیسی رومانویت ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی شوخی، حماقت اور حرکتوں میں غیر فطری پن اور مصنوعیت دکھائی دیتی ہے۔ نسوانی کرداروں میں جو خاتون عام طور پر عمران کے مذاق یا اس کی دبی ہوئی جنسیت کا نشانہ بنتی ہے وہ اس کی ماتحت جولیا ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں جولیا خاص طور پر اس کے رومانوی مکالموں کا نشانہ بنتی ہے تاہم جونہی جولیا بات کو کسی سنجیدہ رخ پر لے جانے کی کوشش کرتی ہے یا عمران کے اظہار کو حقیقت پر محمول کر کے نکاح کے متعلق سوچنے لگتی ہے، علی عمران اپنی بات سے پلٹ جاتا ہے۔ یہ بھی اس کا ایک مخصوص نفسیاتی رویہ ہے جو بتاتا ہے کہ علی عمران جولیا کے ساتھ عشق کے اظہار سے باز بھی نہیں رہ پاتا لیکن وہ اپنی ذمہ داریوں کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی نہ کرنے پر مجبور بھی ہے۔

> "آج کیسے میرا فلیٹ تمہیں یاد آگیا۔" جولیا نے دروازہ بند کر کے مڑتے ہوئے کہا۔
>
> "آج ایک ایسی اطلاع ملی ہے کہ دل باغ باغ ہو گیا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ باغ میں پھول ہی نہ تھا۔ کانٹے ہی کانٹے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ چلو اس باغ کو سدا بہار پھول سے مزین کر لوں۔"(84)

ابنِ صفی کی طرح مظہر کلیم کا علی عمران بھی خواتین سے دور دور رہتا ہے اور جب کوئی خاتون اس سے ملاقات کرتی ہے تو مظہر کلیم کا علی عمران اسی طرح خود کو بچانے کی کوشش کرتا ہے کہ جیسا کہ ابنِ صفی کا علی عمران۔ تاہم مظہر کلیم کا علی عمران واضح طور پر دین کا حوالہ بھی دیتا ہے، یوں روحانیت کے سلسلے کی جانب متوجہ ہونے سے قبل بھی اس کے کردار میں تصوف اور مشرقی اقدار کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں، مثال کے طور پر ناول تفریحی مشن میں عمران سے ایک مجرم نسوانی کردار جب ملاقات کا کہتی ہے تو عمران اسے یوں جواب دیتا ہے: "بالکل ملاقات ہو سکتی ہے لیکن مصافحہ آپ کو مس جولیا اور مس صالحہ سے کرنا پڑے گا کیوں کہ ہمارے دین میں نامحرم عورتوں سے مصافحہ کرنے کی ممانعت ہے۔"(85)

اسی کہانی میں کلاڈیا نامی مجرم کردار کو اس بات پر شدید حیرت ہوتی ہے کہ علی عمران ایک معروف سیکرٹ ایجنٹ ہونے کے باوجود مذہبی عقائد و نظریات اور قدامت پسند رجحانات کا حامل ہے۔ دراصل اس نے

علی عمران کو قتل کرنے کے لیے دعوت میں مدعو کیا تھا اور ایک درخت کو مصنوعی سہارے سے کھڑا کیا گیا تھا تا کہ وہ اچانک اس پر گرایا جاسکے لیکن اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایک مذہبی رجحان کی مدد لی اور یہ کہہ کر جگہ تبدیل کرلی کہ اس کی نشست قبلے کی مخالف سمت میں ہے لہذا وہ قبلے کی جانب پشت کر کے نہیں بیٹھ سکتا۔

علی عمران کی گفتگو میں سماجی مسائل پر لطیف انداز کے تبصرے بھی اس کے جذباتی رویے میں بہتری کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ ایک سیکرٹ ایجنٹ عام طور پر صرف سازشوں کا سراغ ہی لگاپاتا ہے۔ اس کی ذہنی صلاحیتیں دشمنوں کا کھوج لگانے میں صرف ہوتی ہیں، سماجی نوعیت کے مسائل کو گہرائی سے سمجھنا اور ان پر جان دار اور پر لطف تبصرے کرنا اضافی ذہنی صلاحیت ہے جو کہ علی عمران کی گفتگو میں جابجا دکھائی دیتی ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لاابالی پن اور بظاہر پھکڑ پن کی حد تک پہنچی ہوئی طبیعت میں لطیف حسِ مزاح پیدا ہو چکی ہے جو کہ اس کی طبیعت کی سلامتی کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ وہ فکری اور سماجی مسائل پر اپنی رائے دیتا ہے اور بسا اوقات اس کی گفتگو میں تصوف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں:

> ”یہ ہمارے ہاں بھی عجیب رواج ہے کہ باقی ہر چیز تو لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی جاتی ہے لیکن نکاح بغیر لاؤڈ اسپیکر کے پڑھا جاتا ہے۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ کس کا نکاح کس سے ہو رہا ہے اور کتنا حق مہر باندھا گیا۔ حالاں کہ عالمان دین کہتے تو یہی ہیں کہ نکاح کا اعلان ہونا چاہیے۔ خفیہ نکاح نکاح ہی نہیں ہوتا۔“(86)

مظہر کلیم چوں کہ خود وکیل تھے اور وہ قانونی اور عدالتی معاملات سے بھی آگاہ تھے اس لیے علی عمران کی گفتگو میں جہاں سماجی مسائل پر تبصرے دکھائی دیتے ہیں وہاں قانونی نکات بھی زیرِ بحث آتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی عمران سیکرٹ ایجنٹ اور سائنس کا طالبِ علم ہونے کے باوجود قانون اور سماج کا بھی علم رکھتا ہے، خواہ وہ ان نکات کو بطورِ مزاح ہی کیوں نہ پیش کرتا ہو: ”کسی اصل آدمی کو نقل کہنا اس کی توہین ہے اور اس توہین کا معاوضہ عدالت کے ذریعے وصول کیا جاسکتا ہے۔“(87)

علوم وفنون کے حوالوں کو مزاح کے رنگ میں پیش کرنا دراصل ان علوم سے واقفیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ ادب شناسی کا اظہار بھی ہے جس سے علی عمران کے ذہنی ارتقا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب وہ اپنی

تجزیے کی صلاحیت اور گہرے تفکر اور سراغ رسانی کی مہارت سے دوسروں کو حیران کر دیتا ہے تو اس کے متعلق یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ علمِ نجوم کی مدد سے درست پیش گوئی کر دیتا ہے۔ ایسے مواقع پر علی عمران ادبی پیرائے میں گفتگو کرتا دکھائی دیتا ہے:

"ارے ارے اتنی جلدی مرغوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔کچھ وقت تو لیجئے۔ ہو سکتا ہے یہ سب ایک چانس ہو۔ ورنہ آپ سوچیے مجھے ولی ہونے کا قطعی دعویٰ نہیں ہے۔ علم نجوم کو میں محض ایک علم سمجھتا ہوں اور بس۔"(88)

علی عمران کے مکالموں میں ایک تجربہ کار اور زمانہ شناس فرد کی جھلکیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ مثال کے طور پر کبھی تو وہ لوگوں کو ان کے نفسیات کے مطابق ڈیل کرتا ہے اور کبھی ایک افسر ہونے کی حیثیت سے اپنے ماتحتوں کا حوصلہ بلند کرتا ہے۔ اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف مسخرہ پن ہی نہیں کرتا بلکہ دوسروں کے ساتھ سنجیدہ انداز میں بھی بات کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر وہ خود ہونے والے ایک اعتراض کا جواب یوں دیتا ہے:

"ایسی کوئی خاص بات نہیں۔ میں صرف بڑے آفیسرز کے سامنے بات کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ بڑے افسروں کے سامنے چھوٹے افسر جھوٹ بولنے سے گریز کرتے ہیں۔" عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔(89)

ابنِ صفی کی مانند مظہر کلیم کے مرکزی کردار علی عمران بھی بلند ہمت و حوصلہ رکھتا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کو مایوسی سے دور رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی عمران اپنی حرکتوں یا مزاحیہ باتوں سے جس قدر لاابالی، بے پرواہ، غیر سنجیدہ اور مسخرا دکھائی دیتا ہے، دراصل وہ نفسیاتی اعتبار سے ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہتا ہے:

"مایوسی انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ یہ اسے ہمت، حوصلے اور جدوجہد کے راستے سے ہٹا دیتی ہے جبکہ ہمت، حوصلہ اور جدوجہد ہی کامیابی کے بنیادی عناصر ہوتے ہیں۔ عمران نے جواب دیا۔"(90)

وہ صرف اپنے دوستوں پر ہی ذہنی اور نفسیاتی برتری نہیں رکھتا بلکہ اپنے مخالفین کو بھی حیران کرتا رہتا ہے۔ وہ نفسیات کو پڑھنے کا ماہر ہے اور دوسروں کے عمل سے ان کے متعلق بالکل درست اندازہ لگاتا ہے۔

"تو کیا آپ میرے ذہن میں آنے والے خیالات بھی پڑھ لیتے ہیں۔" بہرام نے یقین نہ آنے والے لہجے میں کہا تو عمران بے اختیار ہنس پڑا۔

"انسان کا چہرہ اس کے ذہن کا عکاس ہوتا ہے۔ جو کچھ تمھارے ذہن میں آتا ہے اس کا عکس بھی تمھارے چہرے پر پڑتا رہتا ہے۔ اگر کوئی نفسیات کی معمولی سی شد بد بھی رکھتا ہو تو وہ بہر حال اسے پڑھ لیتا ہے۔" عمران نے جواب دیا۔(91)

علی عمران کی ذہنی پختگی اور نفسیاتی برتری کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ بسا اوقات اپنے ساتھیوں بھی اس بات کی ہوا نہیں لگنے دیتا کہ وہ خاموشی سے مشن مکمل کر چکا ہے۔ ملاحظہ کیجئے: "ویسے عمران صاحب مس جولیا کی بات درست ہے کہ آپ نے ہمیں ہوا بھی نہیں لگنے دی اور مشن اکیلے ہی مکمل کر لیا۔"(92)

ابنِ صفی کی شخصیت میں علائقِ دنیا سے بے رغبتی اور نام و نمود سے گریز جیسے اوصاف موجود تھے جو ان کے تخلیق کردہ علی عمران کے کردار میں ظاہر ہوئے۔ مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار میں کھلنڈرے پن، سطحیت پسندی اور زندگی سے ہمہ وقت لطف اندوز ہونے جیسی صفات شامل کیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے ایک دیومالائی کردار بنا دیا۔ ایک ایسا دیومالائی کردار جو ایکشن، مزاح، علوم و فنون اور اخلاق و کردار کا مجسمہ ہے یعنی جس کی ذات میں یہ سب اوصاف جمع ہو گئے ہیں۔

ہر چند کہ مظہر کلیم نے علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) کو ایک سپر مین کے روپ میں پیش کیا ہے لیکن اس کے باوجود اس کردار کے نفسیاتی ارتقائی جائزے میں اس کے چند نمایاں کمزور نفسیاتی پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔ مثلاً وہ کبھی بھی خود ستائشی میں مبتلا دکھائی دیتا ہے تو کبھی خود پسند اور کبھی دوسرے کے جذبات سے کھیلنے والا ایسا فرد نظر آتا ہے جسے دوسروں کے احساسات کا احترام نہیں رہا۔

ناول "سپر مائنڈ ایجنٹ" میں دشمن عمران کو شعاعوں کے ذریعے بے ہوش کر دیتے ہیں۔ ٹائیگر سر توڑ کوششوں کے بعد کسی طرح ان شعاعوں کو توڑ کھوج نکالتا ہے اور عمران کو ہوش میں لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ کیپٹن صفدر عمران کو مبارک دیتا ہے کہ آپ ٹائیگر کی وجہ سے ہوش میں آئے ہیں۔ جس کے جواب میں عمران ٹائیگر کے اس کارنامے کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے کہ وہ میرا شاگرد ہے اور میں اس کا استاد ہوں۔

"استادی نسخے شاگردوں کے پاس ہی ہوتے ہیں چناں چہ اس نے استادی نسخہ استعمال کر لیا اور مسئلہ حل ہو گیا۔" عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کے لیے اس سے بڑا کریڈٹ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ میرا شاگرد ہے۔"(93)

ناول ''ریڈ آرمی'' میں عمران خود پسندی میں مبتلا نظر آتا ہے۔ وہ جولیا سے بحث کے انداز میں کہتا ہے کہ سیکرٹ سروس کے چیف کو تمام اہم معلومات میرے ذریعے پہنچتی ہیں، جب تک معلومات میرے علم میں نہیں آتی ہمارے چیف بھی اس سے لاعلم رہتے ہیں۔

''سیکرٹ سروس تو تب کام کرتی جب تمہارے چیف تک بات پہنچتی۔'' عمران نے خراٹوں میں بریک لگا کر کہا اور پھر خراٹے لینے شروع کر دیئے اور جولیا بے اختیار اچھل پڑی۔

''کیا۔ کیا مطلب۔ چیف کو کیسے علم نہیں ہوا۔'' جولیا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تمہارا چیف نجومی نہیں ہے۔ یہ تو میری مہربانی ہوتی ہے کہ میں اسے اطلاعات دے دیتا ہوں۔ اس بار میں نے نہیں دی اس لیے اسے علم نہیں ہو سکا۔'' عمران نے جواب دیا اور ایک بار پھر خراٹے لینے شروع کر دیئے۔(94)

ناول ''ریڈ آرمی'' میں عمران اپنے ساتھیوں کے جذبات سے کھیلتا نظر آتا ہے۔ مشن کی ابتداء سے ہی وہ ساتھیوں کو ضروری معلومات سے لاعلم رکھتا ہے۔ عمران ساتھیوں سمیت مشن پر روانہ ہوتا ہے۔ بار بار پوچھنے پر بھی وہ بات گھما دیتا ہے اور انھیں ضروری معلومات تک فراہم نہیں کرتا۔

''کیا مطلب۔ یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی کہ عمران کی پلاننگ یہ ہے کہ ہم راستے میں اتر کر نئے میک اپ میں واپس آئیں گے۔'' جولیا نے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اگر خاموش رہتا ہوں تو مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ حتمی ہے۔'' تنویر نے اس بار مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا تنویر درست کہہ رہا ہے؟'' جولیا نے حیرت کے تاثرات تھے اور کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں بھی حیرت کی جھلکیاں نمایاں ہو گئی تھیں۔

''یہ تو پاکیشیا جا کر ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ تنویر صاحب کا علم نجوم کتنے مراحل طے کر چکا ہے اور کیا اسے صیح نتیجہ نکالنا بھی آ گیا ہے یا نہیں۔'' عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔(95)

ناول ''سپر مائنڈ ایجنٹ'' بلیک تھنڈر کے سلسلے کا ناول ہے۔ یہ ایسی تنظیم ہے جو ناقابل تسخیر رہتی ہے۔اس کا تعاقب کرتے عمران کو قدم قدم پر ناکامی کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ انتہائی منظم اور باوسائل تنظیم ہے جو اپنے انتہائی ذہین اور ماہر ایجنٹوں کے ذریعے منصوبہ بندی کرتی ہے۔ اس ناول میں بھی عمران بلیک تھنڈر کے ایجنٹ ''ٹامور'' کا تعاقب کرتا ہے لیکن وہ انتہائی مہارت کے ساتھ فارمولا چرا کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

''تمہارے باس کا نام ٹامور ہے۔'' عمران نے کہا۔ اور وہ غیر ملکی بے اختیار مسکرا دیا۔

''ہاں۔اس کا نام ٹامور ہے۔ اور اب چونکہ تمہارا خاتمہ یقینی ہے۔ اس لیے تمہارے پوچھنے سے پہلے ہی بتادوں کہ باس ٹامور نے اپنی ذہانت سے سپر میزائل کا اصل فارمولا بھی حاصل کر لیا ہے۔" اس غیر ملکی نے مسکراتے ہوئے کہا اور عمران کے ہونٹ بے اختیار بھینچ گئے۔''(96)

علی عمران کے نفسیاتی ارتقا کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ ظاہری ناکامی میں پوشیدہ کامیابی کے امکانات تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جو کسی عام سیکرٹ ایجنٹ کے بس سے باہر ہے۔ علی عمران سیاسی سوجھ بوجھ اور اپنی اور حریف کی قوت کے درست ادراک کی صلاحیت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ نمائشی اور وقتی فتح کی بجائے زمینی حقائق اور معروضی امکانات کی روشنی میں کامیابی کا مفہوم سمجھ جاتا ہے۔ ناول ونگ پارٹی میں ایکریمیا کی ایجنسی بلیک راڈ کے ایجنٹوں نے اس لیبارٹری کو نشانے بنانے کی ٹھانی جہاں پاکیشیا کے لیے فارمولا تیار کیا جا رہا تھا۔ دشمن عناصر نے لیبارٹری میں بم رکھنے کے بعد واپسی کی راہ لی۔ عمران انھیں واپسی جانے سے روک سکتا تھا لیکن اس نے اپنی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے دشمن کا راستہ روکنے کے بجائے لیبارٹری کو تباہ ہونے سے بچایا۔ ماتحتوں کے پوچھنے پر عمران نے وضاحت کی دشمن اپنی فتح کا یقین کر لینے کے بعد مطمئن ہو جائے گا اور دوبارہ پلٹ کر وار نہیں کرے گا۔ جب کہ یہاں فارمولے پر کام ہوتا رہے گا اور جب یہ تیار ہو جائے تب انھیں علم ہو گا کہ حقیقی ونگ پارٹی کون سی ہے۔

''بعض اوقات ناکامی بھی دراصل کامیابی ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ ناکام رہ جاتے تو تمہارا کیا خیال ہے ایکریمیا کے پاس ایسی ایجنسیوں اور یجنٹوں کی کمی ہے۔ وہ ایک سو بار ایسی ٹیمیں بھجوا سکتا ہے۔''(97)

ناول ”عمران کا اغوا“ میں عمران پہلی مرتبہ ایک تنظیم کے بعد دوسری تنظیم کے ہاتھوں اغوا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس ناول میں عمران ہر مرتبہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایک موقع پر عمران کی ٹانگیں بے کار ہو جاتی ہیں اور وہ باوجود اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کے اپنی معذوری دور نہیں کر سکتا۔ عمران کی اس معذوری کا سیکرٹ سروس کے دیگر اراکین پر منفی اثر پڑتا ہے، وہ بے حد پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر عمران نے نہ صرف ملک و قوم کے لیے جوانمردی کا مظاہرہ کیا بلکہ گھر والوں کو بے خبر رکھا اور دیگر اراکین کو ہمت و حوصلہ دیتا رہا۔ آخر کار عمران نے مخصوص فارمولا یاد کرنے کے بعد اسے ضائع کر کے دم لیا۔

علی عمران کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں اور مہارتوں کے ارتقا میں اس کے جذبۂ حب الوطنی اور ملک و ملت اور قوم کے دفاع کے عزمِ مصمم کا گہرا دخل ہے، اسی رویے اور عزم و ارادے نے اس کی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ ملک و قوم کے دفاع کی خاطر علی عمران اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دشمن ممالک میں گھسنے سے بھی نہیں کتراتا اور بے دھڑک نہایت باوسائل اور طاقت ور ایجنسیاں رکھنے والے ملکوں میں گھس کر اپنے ملک کے خلاف بنائے جانے والے منصوبوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اس سلسلے کی کہانیوں میں ناول ”کاروانِ دہشت“ اور ”جیالے جاسوس“ اہم ہیں کیوں کہ انھی مہمات میں علی عمران پہلی مرتبہ ایک طویل مہم کے طور پر یکے بعد دیگرے ملکوں میں گھس کر دشمنوں کے عزائم کو ناکام بناتا ہے۔ ناول کاروانِ دہشت میں عمران اور اس کے ساتھی کافرستان میں گھس گئے اور دشمنوں کو شکست فاش دے کر اپنے ملک کے کروڑوں بے گناہ اور معصوم جانوں کے تحفظ کو یقینی بنایا۔ دراصل دونوں دشمنوں ممالک روسیاہ اور کافرستان اکٹھے ہو کر پاکیشیا کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ عمران اور اس کی ٹیم یہ جانتے ہوئے کہ انہیں دونوں ملکوں کے خلاف جنگ لڑنی ہے اس کے باجود انھوں نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اس جنگ میں کودنے کی ٹھانی اور موت کے منہ میں مشن مکمل کر لیا۔

وطن کے تحفظ کی خاطر علی عمران نے اپنے ساتھیوں سمیت متعدد مرتبہ مخالف سرزمین پر جا کر دفاعِ وطن کا فریضہ انجام دیا۔

ناول ”کاروان دہشت“ میں دو دشمن ممالک کافرستان اور روسیاہ مل کر کافرستان میں پاکیشیا کے خلاف منصوبہ بناتے ہیں۔ عمران اپنی ٹیم کے ہمراہ دونوں ممالک سے بیک وقت مقابلہ کرنے کافرستان میں جا گھستا ہے اور وہاں موجود کارخانہ تباہ کر کے دشمنوں کو دھول چٹاتا ہے۔

”سنو ایشور داس!۔ تم میرے ممالک کے کروڑوں افراد کو پاگل اور ذہنی طور پر پس ماندہ بنانے پر کام کر رہے ہو۔ اور ایسا آدمی رتی برابر بھی رحم کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ تمہارے مقابلے میں ایک پاگل کتے پر تو رحم کھایا جا سکتا ہے لیکن تم پر نہیں۔ اس لیے دو میں سے ایک بات کا انتخاب کر لو۔ پہلی بات تو یہ کہ کارخانے کے بارے میں تمام تفصیل بتا دو تاکہ ہم اسے تباہ کر کے تمہیں اپنے ہمراہ پاکیشیا لے جائیں وہاں باقاعدہ طور پر تم پر عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ جہاں انصاف کے تقاضوں کے مطابق تمہیں سزا دی جائے گی یا دوسری صورت یہ کہ میں تمہاری رگوں میں دوڑنے والے لہو کے ایک ایک قطرہ سے تمہارے اس منصوبے کا بھرپور انتقام لوں۔ اور ان قطروں سے ہی کارخانے کی تفصیل پوچھ لوں۔ بولو! دونوں میں سے کس بات کا انتخاب کرتے ہو؟“ عمران کا لہجہ اتنا سرد اور دہشت انگیز تھا کہ عمران کے ساتھیوں کے جسموں میں سردی کی لہریں سی دوڑ گئیں۔(98)

ناول ”جیالے جاسوس“ میں عمران اور اس کے ساتھی اپنے وطن کی سلامتی کے لیے اپنی جان پر کھیل کر دنیا کی طاقتور تنظیم کے جی بی سے ٹکرانے ان کے ملک میں جا گھستے ہیں۔ اس سے قبل کے جی بی نے کافرستان کی معاونت سے پاکیشیا کو تباہ کرنے کی سازش کی۔ اس ناول میں عمران نے بدلہ پورا کرنے کے لیے ان کے ملک میں گھسنے کا فیصلہ کیا اور اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کے جی بی کے منصوبوں کو تباہ کر دیا۔ اس ناول میں عمران بدلہ پورا کرنے کے لیے پیش قدمی کرتا ہے۔ وہاں جزیرے پر موجود مصنوعی انسان بنانے والے کارخانے کو تباہ کر کے کے جی بی کے منصوبے خاک میں ملا دیتا ہے۔

”میں جزیرے میں موجود مصنوعی انسان بنانے والا کارخانہ تباہ کرنا چاہتا ہوں۔ بولو!۔ سودا کرتے ہو؟ یہ کارخانہ تباہ کرنے میں میری مدد کرو۔ میں تمہاری جان بخشی کر دوں گا۔“ عمران نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”او احمق آدمی!۔ کیا بات کر رہے ہو۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں۔ اتنا بڑا کارخانہ کیسے تباہ ہو سکتا ہے؟ اس کا نظام تو ایسا ہے کہ اسے کسی صورت بھی تباہ نہیں کیا جا سکتا۔

حتیٰ کہ جزیرے پر رہنے والا کوئی آدمی بھی اسے تباہ کرنا چاہیے تو ایسا نہیں کر سکتا۔" ایوانوف نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اور اگر جزیرہ ہی اڑا دیا جائے تو۔" عمران نے سرد لہجے میں کہا اور ایوانوف اچانک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔(99)

مظہر کلیم کے علی عمران کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ وہ مختلف مواقع پر عالمِ اسلام کے تحفظ کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر دنیا کے مختلف خطوں میں مصروفِ کار دکھائی دیتا ہے ۔ ناول "جیالے جاسوس" اور "کاروانِ دہشت" یا" ایکشن گروپ" کی مانند بعض مہمات میں علی عمران اپنے ملک سے بہت دور جا کر مسلمانوں کے کام آتا ہے۔ علی عمران کے کردار میں ایک بڑا ارتقائی مرحلہ اس وقت پیش آیا جب علی عمران فلسطینیوں کی حمایت میں اسرائیل کے خلاف کارروائی کے لیے ایک مجرم بن کر اسرائیل میں گھس گیا۔ "ناقابل تسخیر مجرم" اور "موت کا رقص" میں علی عمران فلسطینی لیڈر شاکر سرات کی دعوت پر اپنی ٹیم لے کر اسرائیل میں داخل ہو گیا اور اس نے اسرائیل میں تباہی مچا دی۔ اس کا مقابلہ مختلف اسرائیلی تنظیموں سے ہوا جس میں سر فہرست جی پی فائیو تھی، اس کا سربراہ کرنل ڈیوڈ تھا جو کہ بے حد ظالم افسر تھا۔ علی عمران کرنل ڈیوڈ کے ہاتھوں گرفتار بھی ہوا لیکن اسے یرغمال بنا کر فرار ہو گیا۔ عمران نے اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر اسرائیل کو زبردست نقصان پہنچایا اور جس مشن کی تکمیل کا اس نے شاکر سرات سے وعدہ کیا تھا اسے مکمل کر لیا۔ اسرائیلی مظالم سے تنگ آ کر فلسطینی رہنما شاکر سرات (یاسر عرفات) نے پاکیشیا کے دورے میں عمران سے بطور ایکس ٹو ملاقات کی تھی اور عمران پاکیشیا کی جانب سے فلسطینی مسلمانوں کی ہر ممکن مدد کی یقین دہانی کروائی تھی۔

"میں اس سلسلے میں مسٹر ایکس ٹو کی خدمت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

شاکر سرات نے کہا اور صدر مملکت سمیت سب چونک پڑے۔

"آپ فرمائیں !۔ ہم آپ کی کیا امداد کر سکتے ہیں ؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ فلسطینیوں کے لیے ہمارے بس میں جو کچھ ہو سکا ضرور کریں گے۔" عمران نے جواب دیا۔(100)

یہ کہانی علی عمران کے کردار میں ایک اہم ارتقائی درجے کی حیثیت اس لیے رکھتی ہے کہ اس کے بعد اسرائیل اور یہودیوں کے خلاف علی عمران کی مہمات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور ان تمام سلسلوں میں علی عمران کو مجرموں کے ایک سرغنے کے طور پر کام کرنا پڑا۔

"اوہ! تو آپ کا مطلب ہے کہ آپ مجرموں کی حیثیت سے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" بلیک زیرو نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں!۔ اسرائیل اور جی۔ پی۔ فائیو کی نظر میں ہماری حیثیت مجرموں جیسی ہو گی۔ اور میں مجرموں کا سرغنہ۔ یعنی ان کا باس۔ مزہ آجائے گا بلیک زیرو!" عمران نے بڑے ہی جوشیلے انداز میں کہا۔(101)

اسی طرح ناول "تاتار ڈیگرز" میں وہ ایک مسلم قومیت کی آزادی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ "تاتار ڈیگرز" ایک خاص نوعیت کا معرکہ ہے جس میں عمران کی سربراہی میں اس کی ٹیم نے چیچنیا کی تحریک آزادی میں شرکت کی۔ سوویت یونین اپنی خفیہ ایجنسیوں اور چیچنیا کے بعض سرکردہ افراد کی مدد سے پارلیمنٹ کے ارکان کی حمایت حاصل کر کے چیچنیا کی تحریکِ آزادی کے خلاف ووٹ ڈلوانے کی حکمتِ عملی تیار کر چکا تھا لیکن علی عمران اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر پارلیمنٹ کے ارکان کا ذہن بدل دیتا ہے، وہ سوویت یونین کی خفیہ ایجنسی کے تبدیلی ذہن کے منصوبے کو ناکام بنا دیتا ہے اور یوں ارکانِ پارلیمنٹ چیچنیا کی خود مختاری کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں اور چیچن قوم کو خود مختاری مل جاتی ہے۔ ناول "تاتار ڈیگرز" میں عمران اور اس کی ٹیم خاص نوعیت کے مشن کو انجام دیتے ہیں۔ اس ناول میں عمران اور اس کے ساتھی چیچنیا کی تحریک آزادی میں حصہ لیتے ہیں۔ مسلمانوں کے کاز کی خاطر وہاں کی مقامی تنظیم "تاتار ڈیگرز" کی بھرپور انداز میں مدد کرتے ہیں۔

"تموچن اور ماکل نے مجھے درخواست کی کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس روسیاہ فیڈریشن سے آزادی کے لیے تاتار ڈیگرز کی مدد کرے۔ میں نے چیف سے بات کی تو مسلمانوں کے کاز کی خاطر انہوں نے حامی بھر لی اور سیکرٹ سروس کی ٹیم میری سربراہی میں یہاں بھیج دی۔"(102)

ناول ”فیس آف ڈیتھ “میں عمران مسلم ملک (بنگلہ دیش) بھاشانہ میں ہونے والی خطرناک سازشوں کے خلاف بھرپور ایکشن میں نظر آتا ہے۔ عمران کی ذہانت، جفاکشی اور خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر وہاں کا صدر اور دیگر ارکان عمران اور اس کی ٹیم کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

”جناب۔ آپ تو ہماری تعریف اس طرح کر رہے ہیں جیسے ہم تیس مار خان سے بڑھ کر پچاس مار خان بن گئے ہوں۔“ عمران نے شرمیلے لہجے میں کہا۔اور وزیر خارجہ کے ساتھ ساتھ صدر مملکت بھی ہنس پڑے۔

”آپ حضرات کی کارکردگی ایسی ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو یہیں روک لوں۔ پاکیشیا واقعی ایک خوش قسمت ملک ہے جسے آپ جیسے جیالے میسر آگئے ہیں۔“ صدر مملکت نے کہا۔(103)

ناول ”فلاسٹر پروجیکٹ “میں عمران اپنے ساتھیوں سمیت یہودیوں کے خوفناک اور انتہائی خفیہ ہیڈ کوارٹر کو کھوج لیتا ہے۔ ہیڈ کوارٹر میں داخل ہونے کے لیے وہ ہر طرح کا خطرہ مول لیتا ہے اور وہاں موجود سسٹم اور سپر کمپیوٹر کی میموری واش کر کے اسرائیل کا بڑا منصوبہ ناکام بنا دیتا ہے۔

”پرنسز۔ ہم مادام بلیک کی دعوت پر اس کے مہمان بن کر نہیں جا رہے۔ ہم نے وہاں موت و زندگی کی جنگ لڑنی ہے۔ مادام بلیک اتنی دور سے اپنے کسی اڈے میں اس قدر ہولناک سائنسی آلات نصب کر کے انہیں آپریٹ کر سکتی ہے تو اس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کے لیے کسی قسم کی کوئی کسر تو نہ چھوڑی ہو گی۔“

عمران کا لہجہ بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔(104)

ناول ”فلاسٹر پروجیکٹ “میں عمران جدید سائنسی تحقیقات و ایجادات سے واقف دکھائی دیتا ہے۔ اس ناول میں اسرائیل مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے والا سپر کمپیوٹر ایجاد کرتا ہے۔ اس منصوبے کو فلاسٹر پروجیکٹ کا نام دیا جاتا ہے۔ عمران سب سے پہلے اس سپر کمپیوٹر کی مکمل تھیوری کو سمجھتا ہے۔ پھر اس میں ردوبدل کرنے کے بعد اس کی میموری واش کر کے اسے لوہے کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔

”اگر میں چاہتا تو اس فلاسٹر پروجیکٹ کو بلاسٹ بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اس میں اس قدر توانائی کا ذخیرہ موجود تھا کہ نہ صرف پروجیکٹ یہ جزیرہ بلکہ شاہد اس ہیڈ کوارٹر

سمیٹ آرک لینڈ کا دارالحکومت ہاگن بھی صفحہ ہستی سے مٹ جاتے اور لاکھوں بے گناہ افراد کی موت تو ایک طرف میں ابھی خود کنوارہ نہیں مرنا چاہتا۔ اس لیے میں اسے آف کر دیا ہے۔ کمپیوٹر کی میموری واش کر دی۔ وہاں موجود تمام مشینیں بھی آف کر دی گئیں۔ اب یہ سپر کمپیوٹر اور باقی تمام مشینری صرف لوہے کے ڈھانچے بن کر کھڑے ہوں گے۔" عمران نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔(105)

علی عمران کے ارتقائی سفر کا جائزہ لینے کے لیے اس کی چند کہانیوں کی بطورِ نمونہ تفصیل کچھ یوں کہ ہے کہ "کراس کلب" میں ایک خطرناک تنظیم کراس کلب پاکیشیا کے دفاعی میزائلوں کے اڈے کی تفصیلات جاننے کے لیے کام کر رہی تھی، عمران حشر ترکی کے فرضی نام سے ایک شوروم میں کار خریدنے جاتا ہے، اتفاق سے اس شوروم کا مالک ایسا شخص تھا جو میزائلوں کے اڈے میں کام کرنے والے ایک افسر کا دوست تھا۔ کراس کلب کا ماسٹر بلگرام اسے بلیک میل کر کے میزائل اڈے تک پہنچنا چاہتا تھا، شوروم کا مالک عمران کو کراس کلب کے متعلق بتا دیتا ہے۔ عمران اسے چھپا کر خود کراس کلب کے مشن کو ناکام بنانے پر تل جاتا ہے۔ ماسٹر بلگرام نے ایک ڈمی ماسٹر کو آگے رکھا ہوا تھا۔ خاصی بھاگ دوڑ اور مقابلوں کے بعد عمران کراس کلب کی تنظیم کو توڑ دیتا ہے اور اصل ماسٹر بلگرام بھی گرفتار ہو جاتا ہے۔ "برائٹ سٹون" نامی ناول میں علی عمران کا سابقہ میجر پرمود سے پڑا جو کہ سابقہ مہم فور کارنرز میں اس کا شریک رہ چکا تھا۔ بنیادی مشن ساجینا نامی جزیرے کے مقدس پتھر کا حصول تھا۔ ان دونوں کے درمیان برائٹ اسٹون نامی مقدس پتھر کے حصول کے لیے مسابقت ہوئی، ساجینا علی عمران کے ملک پاکیشیا کو ایک خاص قسم کا گوند برآمد کرتا تھا جبکہ میجر پرمود کا ملک بلگارنیہ بھی یہ گوند حاصل کرتا تھا، اس لیے ملکی مفاد کے پیشِ نظر سر سلطان نے جو محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس کے انتظامی سربراہ تھے۔ علی عمران کو سیکرٹ سروس کے ذریعے پتھر کی تلاش کا حکم دیا۔ علی عمران نے اپنے نجی ساتھیوں شاگرد ٹائیگر اور باڈی گارڈ جوزف اور جوانا کے ساتھ ساجینا کے بادشاہ کے اخراجات پر یہ مہم سر کرنے کی حامی بھر لی، برائٹ اسٹون کو تکاشو نامی مجرم تنظیم نے چرایا تھا جو کہ بلیک میلنگ سمیت مختلف جرائم کرتی تھی۔ لیڈی تکاشو نامی ایک سفاک عورت اس کی سربراہ تھی، میجر پرمود نے تکاشو تک برق رفتاری سے پہنچنے کی کوشش کی جبکہ علی عمران شطرنج کی چالوں کی مانند اپنے انداز سے آگے بڑھا، مظہر کلیم کے علی عمران کو دنیا

کے ہر ملک اور ہر خطے میں ایسے دوست، مددگار اور ہمدرد مل جاتے ہیں جو مشن کی مشکلات میں اس کے کام آتے ہیں، میجر پرمود اور علی عمران اپنے اپنے طریقوں سے مار دھاڑ کرتے۔ مجرموں کو ہلاک کرتے ہوئے لیڈی تکاشو تک پہنچ گئے، اس نے برائٹ اسٹون کی ایک نقل بھی تیار کر رکھی تھی، میجر پرمود تیز رفتاری کی عادت کی وجہ سے وہ نقلی پتھر لے کر نکل بھاگا۔ اس نے علی عمران کو دور سے پتھر دکھایا تو وہ پتھر کی چمک اور روشنی کے ہفت رنگی انعکاس کی وجہ سے سمجھ گیا کہ یہ زکرون سے بنا ہوا ہے۔ اس نے لیڈی تکاشو پر تشدد کر کے اصل پتھر حاصل کر لیا۔ اس کہانی پر بچوں کی عمرو عیار والی کہانی کا گمان ہوتا ہے کیوں کہ اس کی کہانیاں بھی ہیروں اور پتھروں کے گرد گھومتی ہیں۔ اس کہانی کا ماحول ایکشن فلموں سے مماثلت رکھتا ہے۔ لیڈی تکاشو ماری جاتی ہے۔

"ڈائمنڈ آف ڈیتھ" بھی مسابقت پر مشتمل ہے جس میں علی عمران کا کرنل فریدی اور کیپٹن حمید سے مقابلہ ہوا۔ دونوں پارٹیاں اپنے ملکوں کی حکومتوں کی وجہ سے ایک ایسے تاریخی ہیرے کو خریدنے کے لیے کوشاں ہوئیں جو حضرت نوح علیہ السلام سے موسوم تھا، بعض جرائم پیشہ گروہ اور ہیرے چور بھی اس ہیرے کے پیچھے پڑ گئے۔ عمران اور کرنل فریدی دونوں نے جعل سازوں اور شعبدہ بازوں کے اسالیب اختیار کر کے ہیرے کے حصول کے لیے کوششیں کیں، اس طرح یہ کہانی بھی قدیم بادشاہوں کی بچکانہ ضد کا تاثر دیتی ہے جس کی خاطر دو معروف جاسوس باہم مخالف بن کر جان کھپاتے ہیں، ہیرے کے پیچھے کئی پارٹیاں کام کر رہی تھیں، ہیرا ایک پارٹی سے دوسری پارٹی تک پہنچتا ہوا عمران کے شاگرد ٹائیگر کے ہاتھ پہنچا، ٹائیگر سے گولڈن ایگل نامی پرندے نے اچک لیا اور اسے ایک خطرناک پہاڑی پر بنے اپنے گھونسلے میں پہنچا دیا، فریدی اپنی جان خطرے میں ڈال کر پہاڑی پر پہنچا اور اس نے پرندے کو ہلاک کر دیا جبکہ عمران گیس کے غبارے کے ذریعے وہاں پہنچا، دونوں میں ہیرے کے حصول کی خاطر لڑائی ہوئی لیکن ہیرا نہایت گہرے سمندر میں جا گرا۔

ناول "ساگان مشن" میں عمران اور اس کی ٹیم کا مقابلہ روسیاہ کے تاجک ایجنٹوں سے ہوا، پاکیشیا کے سرحدی علاقے ساگان میں روسیاہ سے تعلق رکھنے والی ایک ٹیم کسی خاص دھات کے حصول کے لیے کام کر رہی تھی، اس علاقے کا سردار پاکیشیا سے تعلق برقرار رکھنا چاہتا تھا لیکن اس کا بھائی جو کہ ممکنہ سردار بن سکتا تھا، پاکیشیا کی بجائے روسیاہ کا طرف دار تھا، روسیاہ کے ایجنٹ تاجکستان کے ساتھ مل کر سردار کے بھانجے کے ذریعے بغاوت کے مشن پر عمل کر رہے تھے تاکہ بعد میں دھات نکالی جاسکے، ساگان اسلحے کا گڑھ بنتا جا رہا تھا۔

سردار کی بیٹی نے عمران کو ساگان میں پراسرار سرگرمیوں کی اطلاع دی، عمران ٹیم سمیت وہاں پہنچنے پر آمادہ ہو گیا، یہ اطلاع روسیاہ کی خفیہ تنظیم کے جی بی کو مل گئی، اس کے چیف نے تاجکستان کے ساتھ کام کرنے والے ایجنٹوں کو اصل منصوبے کو چھپانے اور اسلحہ اسمگلنگ کا پروگرام سامنے لاکر عمران اور اس کی ٹیم کو دھوکا دینے کا مشورہ دیا لیکن عمران کی ٹیم کے دو گروپوں نے روسیاہ کے ساتھ کام کرنے والے تمام ایجنٹوں کو تلاش کر کے ختم کر دیا، روسیاہ نے ساگان سے دھات نکالنے کی منصوبہ بندی کی اور اس کا تمام منصوبہ ایس وی فائل میں ترتیب دیا گیا، عمران اپنے شاگرد ٹائیگر اور سیکرٹ سروس کے ممبر تنویر کے ساتھ روسیاہ میں داخل ہو گیا اور تیز رفتار ایکشن اور مار دھاڑ کر کے فائل حاصل کر لی تاکہ روسیاہ کا مشن مکمل طور پر ناکام ہو جائے۔ یہ کہانی وسائل اور معدنیات پر دسترس کے لیے پیچیدہ نوعیت کی سازشوں کو بیان کرتی ہے۔

”کراسنگ ایرو“ نامی ناول میں ہوپر نامی ایک عالمی مجرم تنظیم نے پاکیشیا کے ایٹمی میزائل دفاعی نظام کا بنیادی آپریٹنگ آلہ کراسنگ ایرو کا ڈپلیکیٹ چرالیا اور پچاس کروڑ ڈالر واپسی کا تاوان طلب کیا، بصورتِ دیگر کافرستان یا کسی اور پاکیشیا مخالف ملک کو فروخت کرنے کی دھمکی دی۔ پاکیشیا کے صدر نے پچاس کروڑ ڈالر ادا کر دیے اور ڈپلیکیٹ واپس آ گئی لیکن ولاز نے ایک ماہر ولارڈ کی مدد سے جدید ترین آلات استعمال کر کے اس کی ایک نقل تیار کر لی تھی تاکہ اس سے ذریعے مزید رقم حاصل کی جاسکے۔ اصل مشن اس ڈپلیکیٹ کی نقل کی واپسی تھا، عمران کو کافرستان میں اپنے ایجنٹ ناٹران سے ہوپر تنظیم اور کافرستان کے ایک اعلیٰ عہدے دار کے درمیان نقل کی خریداری کے معاہدے کا علم ہوا تو وہ فوراً حرکت میں آ گیا۔ ہوپر کا ہیڈ کوارٹر اگسٹ جزیرے میں تھا اور اس کا سربراہ لارڈ کنگ تھا، پاکیشیا کی چیز ایک دوسرے خفیہ جزیرے میں رکھوائی گئی تھی۔ عمران اس کے شاگرد ٹائیگر اور سیکرٹ سروس کی ٹیم نے لارڈ لارسن تک پہنچنے کے لیے غنڈوں کے اڈوں پر حملے کیے، قتل عام کیا، ہوپر کے اہم لوگوں پر شدید ترین تشدد کر کے اگسٹ جزیرے تک رسائی کے راستے تلاش کیے، حفاظتی انتظامات کو چکمہ دے کر اگسٹ جزیرے میں داخل ہوئے اور لارڈ کو قتل کر دیا۔ کراسنگ ایرو کی نقل اس وقت تک ٹریسلر نامی شخص کے پاس پہنچ چکی تھی۔ ٹریسلر عمران کے کوڈ نام پرنس آف ڈھمپ کا حوالہ سن کر چونک گیا کیوں کہ اس نے یہ نام سن رکھا تھا۔ اس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو بے بس کر دیا۔ وہ انھیں مارنے والا تھا کہ عین وقت پر ٹائیگر وہاں پہنچ گیا اور اس نے مجرموں کو مار ڈالا۔ عمران نے کراسنگ ایرو حاصل کر کے اپنے ملک بھجوا دیا۔

ناول ’’کاٹن سیڈ‘‘ کا موضوع اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں زراعت کے شعبے میں کی جانے والی تحقیق کو جرم کے لیے استعمال کیا گیا، اسرائیل کے ایک سائنس دان اور اسرائیلی قومی سلامتی کے مشیر نے یہ منصوبہ ترتیب دیا تھا کہ ایک غیر ارضی دھات کو جو کہ نامیاتی اجزاء کے ساتھ مل کر مسلسل پھیلنے والے زہر کا سبب بن سکتی تھی۔ کاٹن سیڈ میں شامل کر کے پاکیشیا کو فروخت کیا جائے اور یہ دھوکا دیا جائے کہ اس بیج سے پاکیشیا کی زراعت کو بے حد فائدہ ہوگا، ایک امریکی زرعی کمپنی پاکیشیا کے شعبہء زراعت کو اس بات پر قائل کر چکی تھی کہ وہ دس سال تک یہی بیج پاکیشیا میں استعمال کریں گے۔ ایک اتفاق کی وجہ سے علی عمران کو معلوم ہو گیا کہ ایک یورپی ملک کے ایجنٹوں نے پاکیشیا سے کسی دھات کو اسمگل کروانے میں مدد دی ہے، علی عمران اس کھوج میں پڑ گیا کہ آخر یہ دھات کس کام آتی ہے؟ تفتیش سے اسے معلوم ہو گیا کہ یورپی ملک کی بجائے اس معاملے میں امریکا کی زرعی فرم کام کر رہی ہے جس کا تعلق اسرائیل سے ہے۔ تحقیق و تفتیش کے بعد بھی اصل معاملہ سامنے نہیں آ رہا تھا، لیکن عمران جستجو میں تھا۔ آخر کچھ اطلاعات اور اسرائیل کے قومی سلامتی کے مشیر کی ایک غلطی کی وجہ سے کاٹن سیڈ کا بھید کھل گیا۔ یہ بیج اگر پاکیشیا میں کاشت کر دیا جاتا تو اس کی زراعت مکمل طور پر تباہ ہو جاتی۔ اس ناول میں علی عمران کا مقابلہ دو ممالک کی سرکاری تنظیموں، ملٹی نیشنل کمپنی اور اسرائیل کے منصوبہ سازوں سے تھا۔ عمران نے اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر یہ پلان ناکام بنا دیا اور اسرائیل میں داخل ہو کر وہ لیبارٹری تباہ کر دی جس میں زہریلے بیج کو تیار کیا جا رہا تھا۔ بیج تیار کرنے والا سائنس دان ہلاک ہو گیا۔

’’براڈ سسٹم‘‘ ناول میں علی عمران اور اس کی ٹیم کا مقابلہ یہودیوں کی خفیہ تنظیموں سے ہوا۔ پہلی تنظیم بلون تھی جسے سابقہ تجربات کی روشنی میں قائم کیا گیا تھا، اس کی ایجنٹ مارڈی نے پاکیشیا کے اہم ترین دفاعی سائنس دان ڈاکٹر ہاشم کو اغوا کر لیا لیکن علی عمران کی ٹیم نے تیز ترین کارروائی کر کے قاہرہ سے ڈاکٹر ہاشم کو بازیاب کروالیا، اس پر طیش میں آ کر مارشل نامی تنظیم کے ذریعے ڈاکٹر ہاشم کو قتل کروا دیا گیا، مارشل کا تعلق لارڈ برگساں نامی ایک یہودی نواب کے خفیہ پروجیکٹ براڈ سسٹم سے تھا جو کہ کسی ملک کے تمام دفاعی آلات کو جام اور میزائل ٹیکنالوجی کو فیل کرنے کے لیے کام کر رہا تھا اور اس میں کامیابی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ایک ماہ کے بعد یہ تجربہ پاکیشیا پر کیا جانے والا تھا۔ علی عمران نے اپنی ٹیم کے ساتھ مارشل تنظیم کا کھوج لگا لیا۔ اس دوران میں اسے اپنے ایک پرانے واقف کار سے براڈ سسٹم کے متعلق معلومات بھی مل گئیں۔ علی عمران حسبِ عادت و روایت بہروپ تبدیل کرتے، لوگوں کی آوازوں کی نقل کے اپنے دشمنوں تک رسائی

حاصل کرتے ہوئے لاڈر برگساں کے جزیرے تک پہنچ گیا۔ اس مہم میں اس نے ہارو نے نامی مجرم پر محض کانوں کی لوئیں مخصوص انداز میں مسل کر ایسا خوف ناک تشدد کیا کہ اس نے تمام معلومات اسے فراہم کر دیں پھر علی عمران نے اسے قتل کر دیا۔

ناول ”لیڈی کلرز“ مقامی سطح پر ہونے والے سماجی جرائم کی روک تھام کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ اس ناول میں عمران اور سیکرٹ سروس کی ذیلی تنظیم ان مجرموں کے خلاف لڑتے ہیں جو خواتین کو اغوا کر کے قتل کرنے کے بعد لاشوں میں منشیات بھر کے بیرون ملک اسمگل کرتے ہیں۔

> ”تمہارا یہ خیال تو درست ہے کہ ڈاگ مین مر گیا ہے اور اب میں ڈاگ میں تنظیم کا چیف باس ہوں۔ لیکن پنچ حرکتوں سے تمہارا کیا مطلب ہے۔“ ڈک نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔
>
> ”یہی عورتوں کو ہلاک کر کے ان کے مردہ جسم میں منشیات بھر کے انہیں ڈیڈ باڈی کے طور پر غیر ممالک میں منتقل کرنا۔ یہ نہ صرف پنچ قسم کا جرم ہے بلکہ انتہائی گھٹیا حرکت بھی ہے۔ کم از کم ڈاگ مین اس قسم کا آدمی نہ تھا۔ یہ تمہاری ایجاد لگتی ہے اور تمہاری اس حرکت سے مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم کسی گھٹیا خاندان کے آدمی ہو۔“ عمران کا لہجہ یکلخت سرد ہو گیا۔(106)

سماجی جرائم کے موضوعات پر لکھے گئے ناولوں کو قارئین کے وسیع حلقے نے پسند کیا۔ ان ناولوں میں سماجی سطح پر پیش آنے والے ان جرائم کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں جو عام شہریوں کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دیتے ہیں لیکن چوں کہ وہ عام لوگ ہوتے ہیں اس لیے ان کے مسائل ریاست کے طاقت حلقوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ مظہر کلیم نے علی عمران، اس کی سیکرٹ سروس کے ارکان اور اس کے ذاتی ساتھیوں یعنی ٹائیگر، جوزف اور جوانا کو سماجی میدان میں ہونے والے جرائم کے خلاف بھی کام کرتے دکھایا۔ علی عمران نے سماجی جرائم کے خلاف اپنی ذاتی حیثیت میں بھی کام کیا اور سرکاری اختیارات کو بھی استعمال کیا۔ سماجی موضوعات پر تحریر کردہ کہانیوں میں معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کے مسائل کو نہایت جذباتی انداز میں

اجاگر کیا گیا ہے اور علی عمران نے ان کہانیوں میں انسان دوستی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین نے جہاں اس سلسلے کی پذیرائی کی وہاں بعض قارئین نے اعتراض بھی کیا:

> کراچی سے جنید اکبر لکھتے ہیں:۔۔۔ آپ کے شروع کے ناولوں میں جو ایکشن ہوتا تھا وہ اب موجودہ ناولوں میں ختم ہوتا جارہا ہے اور اب آپ کے نئے ناولوں میں سیکرٹ سروس کا مقابلہ عام سے غنڈوں اور بدمعاشوں سے ہونا شروع ہوگیا ہے۔ جنھیں ٹائیگر اکیلا ہی اغوا کر کے لے آتا ہے۔ اس طرح اب یہ بات سب کے ذہنوں میں راسخ ہوچکی ہے کہ عمران کو شکست نہیں ہوسکتی۔
>
> محترم جنید اکبر صاحب!۔۔۔ جہاں تک ایکشن کا تعلق ہے تو اصل میں تجربہ، انسانی نفسیات کا علم، جدید سائنسی ایجادات، جسمانی ایکشن کو کم کر دیتی ہیں۔۔۔ جہاں تک عمران کے غنڈوں اور بدمعاشوں سے لڑنے کی بات ہے تو عمران کی نظر اپنے مقصد پر ہوتی ہے سامنے آنے والے کرداروں پر نہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان معنوں میں شکست نہیں کھاتا جن معنوں میں آپ اسے شکست خوردہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ شکست نام ہے حوصلہ چھوڑ جانے کا اور جن کی نظریں مقصد پر ہوتی ہیں ان کے حوصلے ہمیشہ جوان رہتے ہیں۔ بعض اوقات عمران بھی عارضی طور پر شکست کھا جاتا ہے لیکن وہ چونکہ حوصلہ نہیں چھوڑتا اس لیے آخری فتح بہر حال اس کے حصے میں آتی ہے۔(107)

قاری کے خط اور مصنف نے اس کے جواب میں جو باتیں کہی ہیں ان سے مصنف کی سوچ و فکر واضح ہوتی ہے کہ کرداروں کے اوصاف میں تبدیلی کی وجہ علم میں اضافہ ہے اور ان کے شکست نہ کھانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حوصلہ نہیں ہارتے۔ مظہر کلیم کے علی عمران نے زندگی کے تمام شعبوں اور ہر میدان میں ہونے والے جرائم کے خلاف کام کیا۔ اس کی پرواز صرف سیکرٹ سروس کی حدود اور قومی سلامتی کے معاملات تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے ہر نوعیت کے مشن پر کام کیا اور سماجی، قومی، ملی اور بین الاقوامی اہمیت کے اس معاملے میں خدمات انجام دیں جہاں اس نے مذہبی، قومی اور انسانی فریضے اور ہمدردی کے ناطے مداخلت کی ضرورت محسوس کی۔ علی عمران کی مسلسل جدوجہد کا سلسلہ جاری رہا لیکن علی عمران کے کردار میں اظہارِ عشق اور رومانوی جملوں کا استعمال کم ہوتا گیا۔ مزاح کی جگہ سنجیدگی نے لے لی اور ایکشن کم ہوگیا۔ مظہر کلیم کے علی

عمران نے بتدریج تصوف، ماورائیت اور غیر عقلی اور روحانی معاملات کی جانب پیش رفت کی۔ اس تبدیلی کو قارئین نے بھی محسوس کیا۔ ایک قاری کا تبصرہ یہ ہے:

> واہ کینٹ سے ایم اے صدیقی لکھتے ہیں:۔۔۔ آپ کے ناولوں میں ایکشن اور مزاح دونوں کی کمی اب بے حد محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے گزارش ہے کہ ناولوں کو اسے اپنے پرانے رنگ میں لکھیں جس میں مزاح اور ایکشن بے حد نمایاں ہوتے تھے۔
>
> محترم ایم اے صدیقی صاحب!۔۔۔ آپ کی شکایت سر آنکھوں پر پہلے بھی قارئین نے ایسی ہی شکایت بارہا کی ہے اور میں نے کوشش بھی کی ہے کہ عمران اپنے پرانے رنگ میں آجائے لیکن عمران جو اب بچپنے کے دور سے نکل آیا ہے۔ وہ اس دور میں دوبارہ جانے پر آمادہ نہیں ہو رہا۔(108)

قاری کے مذکورہ بالا خط اور مظہر کلیم کے جواب سے علی عمران کیے کردار میں ارتقا ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں ایکشن اور مزاح کے عناصر کافی تھے لیکن بعد میں ایکشن اور مزاح کی کمی آتی گئی اور اس کی وجہ شخصیت کا ارتقا ہے کہ اب بچپنا یعنی کسی کردار کا ابتدائی دور ختم ہو گیا ہے۔ اس خط سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ناول کی بُنت میں مظہر کلیم کا ذاتی خیال اور مشاہدہ اور پر مشتمل کہانی وغیرہ قاری کی ڈیمانڈ کی بجائے ان کا ذاتی خیال اور سوچ ہے۔ کئی قارئین کے کہنے پر بھی انھوں نے عمران کے کردار کو اپنے انداز سے جاری رکھا۔

مظہر کلیم ایم اے اپنے جاسوسی ناولوں کے آغاز میں قارئین سے "چند باتیں" کے عنوان سے پیش لفظ لکھا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے قارئین سے بارہا کہا ہے کہ جاسوسی ناول نگاری کے محدود دائرے کو انھوں نے موضوعات کے لحاظ سے نہایت وسعت فراہم کر دی ہے جس کا ان سے قبل تصور نہیں تھا۔ مختلف موضوعات کو جاسوسی ادب کا حصہ بنانے کی ضرورت انھوں نے کیوں محسوس کی؟ اس سوال کا جواب وہ کچھ یوں دیتے ہیں:

> بے شمار برائیاں ہمارے ارد گرد موجود ہیں لیکن ہم انھیں اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ان کا خاتمہ صرف حکومت کا کام ہے۔ حالانکہ اگر ہم آپس میں مل کر ان کے خلاف بے لوث جدوجہد کریں تو ان برائیوں کا خاتمہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

ایسے موضوعات پر ناول لکھنے کا اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ ہمارے اندر ایسی برائیوں کے خلاف جدوجہد کرنے کی تحریک پیدا ہو سکے۔(109)

جاسوسی ادب کا موضوع چوں کہ "جرم و سزا" ہوتا ہے اس لیے جرم و سزا کے اس عنوان کے تحت ایک موضوعات کا تنوع دشوار ہے۔ لیکن مظہر کلیم نے یہ خیال پیش کیا کہ موجودہ زمانے میں سائنسی و علمی ترقی اور معلومات میں روز افزوں اضافے کی وجہ سے جرائم کا دائرہ بھی پھیل گیا ہے اور زندگی کا کوئی شعبہ اب جرم سے خالی نہیں رہا۔ اسی نظریے کے تحت مظہر کلیم نے ماروائی دنیا میں بھی جرم و سزا کے سلسلے کو داخل کر دیا جس کا پہلا ناول "مثالی دنیا" ہے۔

"مثالی دنیا" ناول میں کائنات کے کسی دوسرے حصے میں آباد جسمِ لطیف رکھنے والی ایک مخلوق انسانی روپ میں عمران سے ملتی ہے اور اسے ایک مجرم ذہنیت کے انسان کے بارے میں شکایت لگاتی ہے کہ وہ مجرم ان کی دنیا میں مداخلت کر رہا ہے۔ یوں ایک حیرت انگیز کہانی کا آغاز ہوتا ہے جس کے اختتامی مرحلے میں یہودیوں کی اسلام دشمنی کی کوشش سامنے آجاتی ہے۔

"معاف کیجئے۔ میں آپ کی دنیا کی کوئی چیز نہ کھا سکتی ہوں نہ پی سکتی ہوں کیونکہ میرا تعلق مثالی دنیا سے ہے۔"

"مثالی دنیا سے تمھاری کیا مراد ہے؟" عمران نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ایسی دنیا جو بالا کائناتی جہت میں واقع ہے۔ آپ کی کائنات سے بھی بالا تر دنیا۔"۔۔۔

"ماتورا میں تمھاری دنیا کا ایک ایسا آدمی پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے جو بے حد کثیف خیالات کا مالک ہے۔"(110)

ساحر سائنس دان سے مقابلہ: علی عمران ساحرانہ قوتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کا مقابلہ ہمیشہ سائنسی ایجادات و اختراعات کے ذریعے جرم کرنے والے لوگوں سے رہا ہے لیکن "زیرو لاسٹری" میں علی عمران کا مقابلہ ایک ایسے سائنس دان سے ہوتا ہے جو کہ بہت بڑا ساحر بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہودی ہونے کی وجہ سے وہ مسلمانوں سے دشمنی بھی رکھتا ہے۔ وہ اپنی لیباٹری میں ایک ایسے ہتھیار کی تیاری شروع کروا دیتا ہے جس کی وجہ سے علی عمران کے ملک کو خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ علی عمران اس سے مقابلے کے لیے جاتا ہے لیکن اس کے سحر کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہاں علی عمران کی والدہ کا مشرقی علاج کام آتا ہے اور والدہ کے مشورے پر ہی

علی عمران قرآن کریم کے حروفِ مقطعات کے ذریعے ساحر سائنس دان کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

> ”میرا ایک اشارہ تمہاری ذہنی اور جسمانی طاقت کی ساتھ ساتھ تمہارے ان دونوں ساتھیوں کی جسمانی طاقت بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا اور یہ پہاڑوں سے بھی زیادہ جسمانی طاقت رکھنے والے حقیر کیچوؤں میں بدل جائیں گے۔“ڈاکٹر فرینکسٹائن نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے زور سے تالی بجائی۔۔۔
>
> اس کا ذہن اس طرح تاریک ہو گیا جیسے کیمرے کا شٹر بند ہو تا ہے۔ اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔(111)

شیطانی طاقت رکھنے والے جن سے مقابلہ: ناول ”جناتی دنیا“ میں عمران کے پاس اختاش نامی شخص مدد طلب کرنے آتا ہے۔ اس کا تعلق قوم جنات سے ہو تا ہے۔ اس قبل وہ سید چراغ شاہ کی محفل میں حاضر ہو کر فریاد کر تا ہے کہ جناتی دنیا کے غیر مسلم جنات جو خود بھی شیطان کے پیروکار ہیں وہ ہمارے مسلم قبیلے کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ ملا رہے ہیں۔ میں اپنے قبیلے کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ سید چراغ شاہ کے بقول شیطان کے پیروکاروں کو روکنے اور مسلم جنات کے قبیلے کی حفاظت کے لیے ضروری ہے غیر مسلم جنات کے سربراہ "”کنٹیلا“ کو ہلاک کر دیا جائے۔ سید چراغ شاہ اس مشن کے لیے عمران کا انتخاب کر تا ہے اور یوں اختاش عمران کے پاس چلا آتا ہے۔ عمران پہلے تو ہچکچاہٹ کا اظہار کر تا ہے کہ جنات کو ہلاک کرنے کا طریقہ یکسر مختلف ہے۔ جس کے جواب میں اختاش عمران کو سید چراغ شاہ کا پیغام سناتا ہے: ”اگر عمران تیار ہو جائے اسے ایسی طاقتیں دی جاسکتی ہیں جن کی مدد سے وہ جنات کا مقابلہ آسانی سے کر سکے گا۔“(112)

عمران اختاش اور سید چراغ شاہ کے پیغام کو نظر انداز کر دیتا ہے جس کے بعد سے اس پر آفتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بالاخر سلیمان اسے بابا محمد بخش نامی بزرگ کے پاس لے جاتا ہے۔ یوں عمران کو معلوم ہو تا ہے کہ سید چراغ شاہ کی گستاخی کے باعث اس پر عذاب ٹوٹ رہے ہیں۔ وہ معذرت کر تا ہے اور رہنمائی حاصل کر تا ہے: ”مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے میں نے بہر حال کسی گستاخی کی نیت سے انکار نہ کیا تھا۔“ عمران نے کہا۔(113)

کالے علم کے ماہرین سے مقابلہ: ناول "کالی دنیا" میں ایک خاتون سلیمان سے ملنے آتی ہے۔ عمران اسے بتاتا ہے کہ سلیمان اپنے گاؤں جا چکا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ خاتون کی بہو پر کالا جادو کیا گیا ہے۔ خاتون سلیمان کے ذریعے سید چراغ شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کالے جادو کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد عمران خود ہی خاتون کو بابا چراغ شاہ کے پاس لے جاتا ہے اور بابا ہدایات دیتے ہیں کہ خاتون کے گھر میں کنواں موجود ہے جس میں ایک گڑیا کے گرد اس خاتون کی بہو کے بال لپٹے ہیں۔ عمران کو حکم دیا جاتا ہے اس گڑیا کو کسی جاری نہر میں بہادو۔

عمران اس تمام تر صورت حال سے فارغ ہو کر اپنے کاندھوں پر شدید بوجھ محسوس کرتا ہے اور دوبارہ سید چراغ شاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ بابا عمران کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہیں قدرت نے اس مرحلے سے گزارنا تھا اور تمھیں کالے جادو کی اس دنیا سے باخبر کرنا تھا۔ تم باوضو نہیں تھے اس لیے تم پر اس کا اثر ہو گیا۔ تمھیں اب اس بھیانک مرحلے سے گزرنا پڑ سکتا ہے۔

> "یہ سب قدرت کی طرف سے بنایا گیا اسٹیج ہے۔ شاید آئندہ تمھیں اس کالے جادو کے کسی بھیانک مرحلے سے گزرنا پڑے اس لیے قدرت نے تمھیں اس کی ابتدائی معلومات اس انداز میں مہیا کی ہیں۔" شاہ صاحب نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔(114)

طاغوت سے مقابلہ: ناول "طاغوتی دنیا" میں عمران کا سامنا راہ چلتے ایک مرد اور خاتون سے ہوتا ہے۔ مرد کی شکل و صورت عجیب ہوتی ہے اور صورت سے نحوست ٹپکتی ہے۔ دونوں مرد و عورت آپس میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ خاتون کی چیخ سن کر عمران کار روک کر حالات کا جائزہ لیتا ہے۔ عمران پر نظر پڑتے ہی وہ عجیب الخلقت شخص عمران پر جھپٹ پڑتا ہے۔ عمران کو اس کی بے پناہ طاقت کا سامنا کرنے میں خاصی دشواری ہوتی ہے۔ اسی دوران کہیں سے ایک کانٹا اڑ کر آتا ہے اور اس شخص کے گھٹنے میں پیوست ہو جاتا ہے۔ وہ "مقدس کانٹا" چلتا ہوا دھواں بن کر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ خاتون خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دھواں ہو جاتی ہے۔ عمران حیرت و پریشانی کے عالم میں سید چراغ شاہ سے رابطہ کرتا ہے اور تمام قصہ سناتا ہے جس کے جواب میں وہ عمران کو تسلی دیتے ہوئے طاغوتی طاقتوں کے خلاف لڑنے کی تیاری پر آمادہ کرتے ہیں۔ عمران ذرا سی ہچکچاہٹ ظاہر کرتا ہے تو شاہ صاحب ناراض ہو جاتے ہیں جس پر عمران معافی طلب کرتے ہوئے شر کے خلاف لڑنے پر راضی ہو جاتا ہے۔

”لیکن مجھے خصوصی طور پہ یہ سب کچھ کیوں دکھایا گیا ہے؟“ عمران نے کہا۔

”اس لیے کہ تمھیں اس سارے معاملے کے لیے اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا ہے اور اس کے پیچھے ہم جیسے عاجزوں کی دعائیں بھی موجود ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں تم پر ہوں۔“(115)

خلاصہ:

ابنِ صفی کے کردار علی عمران کو جب مظہر کلیم نے اختیار کیا تو انھوں نے اسے آئینی طور پر ملک کا مضبوط ترین اور نہایت بااختیار فرد بنا دیا۔ شخصی کمالات اور عہدے کی قوت نے مل کر علی عمران کے لیے ہر قسم کے مجرموں کے خلاف اقدامات کرنے اور انھیں ماورائے عدالت قتل کرنے کے اختیارات دے دیے۔ مظہر کلیم کے علی عمران کی کہانیاں دراصل جرم کے امکانات کی کہانیاں ہیں۔ خیر و شر کی جو آویزش آدم کی اولاد میں جاری ہے مظہر کلیم نے جاسوسی ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے اس پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے جرم کو ہر رنگ میں دکھایا ہے اور جرم کے بدلتے ہوئے رنگوں کے ساتھ علی عمران، اس کی ٹیم اور دیگر مثبت کرداروں کی جدوجہد ارتقائی شکلیں اختیار کرتی رہی ہے۔ ابتدائی کہانیوں میں علی عمران کی مہمات ایسے ملک دشمن ایجنٹوں یا غیر ملکی جاسوسوں کے خلاف ہیں جو ملک میں دہشت گردی کرنے، تباہی پھیلانے، کسی اہم فائل کے حصول یا سائنسی فارمولے کو چرانے کے لیے آتے ہیں لیکن بعد ازاں علی عمران کا مقابلہ ایسے دشمنوں سے ہوتا ہے جن کے جرائم کا دائرہ عام وارداتوں اور روایتی ملک دشمن سرگرمیوں سے ہٹ کر ہوتا ہے۔ ایسے مجرم بھی ہیں جو علم و تحقیق کے شعبوں میں مجرمانہ کارروائیاں انجام دیتے ہیں تاکہ دوسروں کی محنت کو مجرمانہ انداز میں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں اور ایسے مجرم بھی ہیں جو جدید ریاست کی قوت اور وسائل کا مجرمانہ اور خلافِ انسانیت استعمال کرتے ہیں جن میں اسرائیل اور متعصب یہودی سرفہرست ہیں۔ جرم صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ کائنات کے اس حصے میں بھی داخل ہو چکا ہے جسے ماورائی دنیا کہا جاتا ہے۔ قسم قسم کے مجرموں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے علی عمران کے کردار میں نئے امکانات پیدا ہوتے ہیں جو ارتقائی رفعت کا سبب بنتے ہیں۔ علی عمران کے ذہنی کینوس میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور نت نئے میدانوں میں اس کی ذہنی صلاحیتوں کے جوہر کھلتے ہیں۔

مظہر کلیم کا جوان بیٹا محمد فیصل جان 30 سال کی عمر میں 13 مارچ 2003 کو وفات پا گیا۔ اس کی وفات کے بعد "براڈ کاسٹر مشن" پہلا ناول ہے جب ان کے ناولوں میں عمران کے کردار پر سنجیدگی چھانے لگی۔ اس ناول میں عمران بجھا بجھا سا دکھائی دیتا ہے۔ پھیکا مزاح اور سادہ مکالمے پیش کیے جانے لگے۔ ان کے ناولوں میں اس کے بعد عمران کا کردار سنجیدہ ہونے لگتا ہے اور مذہبی رجحان بڑھنے لگتا ہے۔ مضامین تصوف کو ناول کی دنیا میں بیان کیا جاتا ہے ان کے کردار کسرِ نفسی کا مظاہرہ پیش کرنے لگتے ہیں۔ علی عمران کا کردار ابتدا میں مذہب پسند ضرور تھا لیکن اس کے معمولات اور گفتگو، رویے اور طرزِ عمل میں دین و مذہب کی جھلکیاں بہت کم تھیں جبکہ ہنسی مذاق پھکڑپنے کی حد تک لاابالی پن اور شرارتیں اس کے رویے کا اہم حصہ تھا۔ تاہم بتدریج اس کے کردار میں بہتری، شائستگی، متانت اور پھر دین و مذہب کی جھلکیاں نمودار ہونے لگیں اور مظہر کلیم کے دور عروج ہی میں اس کردار نے اہم مذہبی لوگوں سے نہ صرف راہ و رسم پیدا کر لی بلکہ دینی تصورات بھی اس کی گفتگو میں ظاہر ہونے لگے اور وہ مذہبی حوالوں سے اہم مشن بھی انجام دینے لگا۔

حوالہ جات

1۔ابنِ صفی، شکاری پر چھائیاں، جاسوسی دنیا، جلد41، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص67

2۔ابنِ صفی، تیسرا شعلہ، جاسوسی دنیا، جلد18، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص201

3۔عاصم رضا، وضاحت بابت سوالنامہ، مخزونہ (بصورت گوگل فارم)، حامد محمود، حسن ابدال

4۔سید فہد ترمذی، وضاحت بابت سوالنامہ، مخزونہ (بصورت گوگل فارم)، حامد محمود، حسن ابدال

5۔ابنِ صفی، جہنم کا شعلہ، جلد18، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص400

6۔ابنِ صفی، شیطان کی محبوبہ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، ندارد، ص104

7۔ابنِ صفی، سیکڑوں ہم شکل، جلد26، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص249

8۔ابنِ صفی، ڈسڈل کی بیداری، جلد34، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص265

9۔ابنِ صفی، ریت کا دیوتا، جلد38، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص49

10۔ابنِ صفی، زہریلا سیارہ، جلد39، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص11

11۔ابنِ صفی، شیطان کی محبوبہ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص107

12۔ابنِ صفی، ٹھنڈی آگ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص248

13۔ابنِ صفی، ٹھنڈی آگ، ص249،248

14۔ابنِ صفی، وبائی ہیجان، جلد25، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص68

15۔ابنِ صفی، دھواں اٹھ رہا تھا، جلد28، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص82

16۔ابنِ صفی، ستاروں کی چیخیں، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص108

17۔ابنِ صفی، رلانے والی، جلد33، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، 84

18۔ابنِ صفی، دیو پیکر درندہ، جلد34، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص123

19۔ابنِ صفی، ٹسڈل کی بیداری، جلد34، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص259

20۔ابنِ صفی، مہلک شناسائی، جلد35، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص147

21۔ابنِ صفی، تیسری ناگن، جلد36، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص172، 171

22۔ابنِ صفی، ہمزاد کا مسکن، جلد41، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص360

23۔ ابنِ صفی، بلی چیختی ہے، جلد13، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص7
24۔ ابنِ صفی، شفق کے پجاری، جلد6، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص163
25۔ ابنِ صفی، درندوں کی بستی، جلد5، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص214
26۔ ابنِ صفی، شوگر بینک، جلد15، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ 71
27۔ ابنِ صفی، شوگر بینک، ص178
28۔ ابنِ صفی، تابوت میں چیخ، جلد15، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص199
29۔ ابنِ صفی، پیاسا سمندر، جلد8، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص145
30۔ ابنِ صفی، حماقت کا جال، جلد9، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص108
31۔ ابنِ صفی، خطرناک لاشیں، جلد9، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص75،76
32۔ ابنِ صفی، پاگلوں کی انجمن، جلد17، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص117،118
33۔ ابنِ صفی، پاگلوں کی انجمن (پیشرس)، جلد17، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، صفحہ 95
34۔ ابنِ صفی، کنگ چانگ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص8
35۔ ابنِ صفی، زلزلے کا سفر، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص355
36۔ ابنِ صفی، دوسرا رخ، جلد31، حصہ اول، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد، ص178
37۔ ابنِ صفی، موت کی آہٹ، جلد31، پہلا حصہ، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد، ص116
38۔ ابنِ صفی، ٹھنڈا سورج، جلد3، حصہ اول، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد، ص348
39۔ اشتیاق احمد، جنگل میں کارنامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1978، ص108،109
40۔ اشتیاق احمد، موت کا جزیرہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1978، ص64
41۔ اشتیاق احمد، ہنگامے کی موت، مکتبہ اقرا، لاہور، بار دوم، سن ندارد، ص79،81
42۔ اشتیاق احمد، لوہے کا آدمی، اشتیاق پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص95
43۔ اشتیاق احمد، خونی سائنس دان، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص118
44۔ اشتیاق احمد، موت کی سرنگ، اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد، ص117
45۔ اشتیاق احمد، سلاٹر کی واپسی، اشتیاق پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد، ص44،46

46۔ اشتیاق احمد، وادی مرجان، اٹلانٹس پبلی کیشنز کراچی، سن ندارد، ص 71

47۔ اشتیاق احمد، جاپانی فتنہ، انداز پبلیکشنز لاہور، سن ندارد، ص 127

48۔ اشتیاق احمد، جمشید پر کیس، اشتیاق پبلی کیشنز لاہور، سن ندارد، ص 233

49۔ اشتیاق احمد، فائل کا انتقام، اٹلانٹس، پبلیکیشنز کراچی، سن ندارد، ص 130، 129

50۔ اشتیاق احمد، سورج کا خوف، انوار الادب لائبریری، ملتان، سن ندارد، ص 372، 370

51۔ اشتیاق احمد، باطل قیامت اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد، ص 616

52۔ اشتیاق احمد، باطل قیامت، ص 639

53۔ ایضاً ص 642

54۔ اشتیاق احمد، غار کا کنواں، اشتیاق پبلیکشنز لاہور، 1989ء، ص 209

55۔ اشتیاق احمد، سرخ تیر کی وادی میں، اشتیاق پبلی کیشنز، 1976ء، ص 121

56۔ اشتیاق احمد، خون کا سمندر، اٹلانٹس پبلیکیشنز کراچی، سن ندارد، ص 513

57۔ اشتیاق احمد، جنت میں قتل، اشتیاق پبلی کیشنز لاہور، 1987ء، ص 113

58۔ اشتیاق احمد، یشوما اور سرخ تیر، فیروز سنز، لاہور، 1976، ص 15

59۔ اشتیاق احمد، دنیا کے قیدی (دو باتیں)، اشتیاق پبلیکیشنز لاہور، جولائی 1984ء، ص 8

60۔ اشتیاق احمد، دنیا کے قیدی، اشتیاق پبلیکیشنز لاہور، جولائی 1984ء، ص 19، 18

61۔ اشتیاق احمد، نیا کارنامہ، اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد، ص 123

62۔ اشتیاق احمد، چائے کا بھکاری، اشتیاق پبلی کیشنز، 1983ء، ص 11

63۔ اشتیاق احمد، چائے کا بھکاری، ص 121

64۔ اشتیاق احمد، پانچ پیسے کا کیس، اشتیاق پبلیکیشنز، لاہور، اپریل 1984ء، ص 36

65۔ اشتیاق احمد، پانچ پیسے کا کیس، اپریل 1984ء، ص 37

66۔ اشتیاق احمد، دنیا کے قیدی، اشتیاق پبلیکیشنز لاہور، جولائی 1984ء، ص 713

67۔ اشتیاق احمد، دنیا کے قیدی، ص 715

68۔ اشتیاق احمد، سمندر کی آگ، اشتیاق پبلی کیشنز، جنوری 1991ء، ص 613

69۔ مظہر کلیم، لاسٹ سیٹ اپ، چند باتیں، یوسف برادرز، ملتان، سن ندرارد، ص 3

70۔ مظہر کلیم، ایکا بان، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص 215

71۔ مظہر کلیم، ایکا بان، ص 206

72۔ مظہر کلیم، بانکے مجرم، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد ص 47

73۔ مظہر کلیم، انکانا، یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص 45

74۔ مظہر کلیم، عمران کی موت، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص 263

75۔ مظہر کلیم، کاروان دہشت، یوسف برادرز، پاک گیٹ، ملتان، سن ندارد، ص 121

76۔ مظہر کلیم، وے ٹو ایکشن، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص 189

77۔ مظہر کلیم، ناواشنگو، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص 91

78۔ مظہر کلیم، ناواشنگو حصہ دوم، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص 124

79۔ مظہر کلیم، فلاسٹر پروجیکٹ حصہ دوم، یوسف برادرز پاک گیٹ، ملتان، ص 326,327

80۔ مظہر کلیم، ایکشن گروپ حصہ دوم، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، صفحہ 161

81۔ مظہر کلیم، تفریحی مشن، حصہ دوم، یوسف برادرز پاگ گیٹ ملتان، سن ندارد، ص 60

82۔ مظہر کلیم، عمران کا اغوا، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد، ص 241،

83۔ مظہر کلیم، بارکی، یوسف برادر، ملتان، سن ندارد، ص 83,84

84۔ مظہر کلیم، اوپن کلوز، یوسف برادرز، پاک گیت ملتان، سن ندارد، ص 196

85۔ مظہر کلیم، تفریحی مشن، یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، صفحہ 102

86۔ مظہر کلیم، اوپن کلوز، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص 9

87۔ مظہر کلیم، اوپن کلوز، صفحہ 149

88۔ ایضاً ص 154

89۔ مظہر کلیم، وننگ پارٹی، خان برادرز، ملتان سن ندارد، ص 180

90۔ مظہر کلیم، وننگ پارٹی، صفحہ 313

91۔ مظہر کلیم، بلیک کرائم، جلد دوم، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد، صفحہ 10

92۔ مظہر کلیم، تفریحی مشن حصہ دوم، خان برادرز، ملتان، سن ندارد، ص196

93۔ مظہر کلیم، سپر مائنڈ ایجنٹ، یوسف برادز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص108،107

94۔ مظہر کلیم، ریڈ آرمی، یوسف برادر، ملتان، سن ندارد، ص81

95۔ مظہر کلیم، ریڈ آرمی، ص210،209

96۔ مظہر کلیم، سپر مائنڈ ایجنٹ، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص197

97۔ مظہر کلیم، ونگ پارٹی، خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان، سن ندارد، ص365

98۔ مظہر کلیم، کاروان دہشت دوسرا حصہ، یوسف برادرز، پاک گیٹ، ملتان، سن ندارد، ص133

99۔ مظہر کلیم، جیالے جاسوس، یوسف برادز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص226

100۔ مظہر کلیم، ناقابل تسخیر مجرم، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص23

101۔ مظہر کلیم، ناقابل تسخیر مجرم، ص26

102۔ مظہر کلیم، تاتار ڈیگرز، یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص201

103۔ مظہر کلیم، فیس آف ڈیتھ، یوسف برادرز، پاک گیٹ، ملتان، سن ندارد، ص210

104۔ مظہر کلیم، فلاسٹر پروجیکٹ حصہ دوم، یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص81

105۔ مظہر کلیم، فلاسٹر پروجیکٹ، ص328،327

106۔ مظہر کلیم، لیڈی کلرز، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد، ص60

107۔ مظہر کلیم، مہاپرش، چند باتیں، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص6،5

108۔ مظہر کلیم، مہاپرش (چند باتیں)، حصہ دوم، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص6،5

109۔ مظہر کلیم، تھریڈبال مشن، چند باتیں، یوسف برادرز، ملتان، سن ندرارد، ص6

110۔ مظہر کلیم، مثالی دنیا، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص17،16

111۔ مظہر کلیم، زیرولاسٹری، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص116

112۔ مظہر کلیم، جناتی دنیا، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد، ص25

113۔ مظہر کلیم، جناتی دنیا، ص74

114۔ مظہر کلیم، کالی دنیا، خان برادرز، ملتان، سن ندارد، ص22

115۔ مظہر کلیم، طاغوتی دنیا، خان برادرز، ملتان، سن ندارد، ص27

پانچواں باب

ماحصل

الف۔ مجموعی جائزہ:

ادب زندگی کا آئینہ ہے۔ ادب کو تہذیبوں کی تاریخ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ادب کے ذریعے زندگی کے متعلق مختلف نظریہ ہائے حیات کا علم ہوتا ہے۔ یہ خیالات وافکار کو پروان چڑھاتا ہے اور اپنے عہد کی تعبیر کرتا ہے۔ ادب ایک عہد کے خیالات دوسرے عہد تک اور ایک تہذیب کے افکار دوسری تہذیب تک منتقل کرتا ہے۔ فکشن یعنی فرضی اور تصوراتی حالات وواقعات اور کرداروں پر لکھا گیا ادب انسانی تخیل اور فنِ ادب کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔ یہ جس قدر زندگی سے قریب ہوگا اسی قدر بلند پایہ، عظیم اور معیاری سمجھا جائے گا۔

ادب کی معروف تقسیم ادبِ عالی اور مقبولِ عام ادب کے ذریعے کی گئی ہے۔ کسی زبان کے نمائندہ اور کلاسیکل ادب کو بھی ادبِ عالی سے تعبیر کردیا جاتا ہے۔ ادبِ عالی میں کرداروں کے اوصاف عام انسانی نفسیاتی سطح کے مطابق ہوتے ہیں۔ تحیر اور دل چسپی پیدا کرنے کے لیے نفسیاتی عوامل سے مدد لی جاتی ہے لیکن سطحیت سے گریز کیا جاتا ہے۔ ادب عالی کا موضوع زندگی کے سنجیدہ اور تلخ حقائق ہوتے ہیں۔ اس میں مکالماتی اور واقعاتی سطح پر مختلف فلسفیانہ نظریات، سماجی افکار اور معاشرے کے داخلی رجحانات و میلانات اور معاشی ومعاشرتی تبدیلیوں کو بیان کیا جاتا ہے۔ ادبِ عالی میں اعلیٰ درجے کی کردار نگاری پائی جاتی ہے۔ کردار معاشرے کے جیتے جاگتے افراد کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کرداروں کے مکالموں میں ادبی فن کاری پائی جاتی ہے اور اعلیٰ زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ چوں کہ ادبِ عالی میں فلسفیانہ عناصر پائے جاتے ہیں اور کسی اہم سماجی مسئلے کو کسی خاص پہلو سے دیکھا اور پیش کیا جاتا ہے لہذا عام لوگ ادبِ عالی میں زیادہ دل چسپی نہیں لیتے۔ ایک محدود

طبقہ ہی ادبِ عالی میں زیادہ دل چسپی لیتا ہے اور وہ مصنف کے زبان و بیان اور اس کے خیالات و افکار میں دل چسپی لیتا ہے اور اس پر غور و فکر بھی کرتا ہے۔

ادبِ عالی کے مقابلے میں مقبولِ عام ادب ہے جس کا موضوع عام طور پر رومانوی، افسانوی محبت، خیر و شر، جرم و سزا اور سماج اور قانون ہوتے ہیں۔ ڈراؤنی اور ماورائیت پر مشتمل واقعات پر مبنی کہانیاں بھی مقبولِ عام ادب میں شمار کی جاتی ہیں۔ تجسس اور تحیر کے لیے واقعات کو غیر معمولی طور پر بڑھا چڑھا کر دکھایا جاتا ہے اور سنسنی خیزی سے کام لیا جاتا ہے۔ مقبولِ عام ادب میں عوامی دل چسپی کے کئی پہلو ہوتے ہیں، اس کے کردار معاشرے کے عام کرداروں سے مختلف اور حیرت انگیز خصوصیات کے حامل ہو سکتے ہیں۔ جرم کی تہہ تک پہنچنے کی جستجو اور مجرم کو قانون کی گرفت میں لانے کی جدوجہد ہی تحیر و تجسس پیدا کرتی ہے۔ تحیر و تجسس مقبولِ عام ادب کا ایک بنیادی عنصر ہے۔ جاسوسی ادب مقبولِ عام کا حصہ ہے لیکن اس نے مقبولیت کی وجہ سے گویا ایک مستقل صنف کی حیثیت اختیار کر رکھی ہے۔ لوگ جاسوسی ناولوں یا جاسوسی کہانیوں کو پسند کرتے ہیں اور وہ جاننا چاہتے ہیں کہ جرم کیسے کیا گیا؟ مجرم کا کھوج کیسے لگا اور ثبوت کس طرح حاصل کیے گئے اور قانون اور جرم کی جنگ میں قانون کی جیت کیسے ہوئی؟

ایک تیسری قسم ناپختہ افسانوی ادب کی ہے جو کہ سفلی جذبات کی تسکین کے لیے لکھا جاتا ہے۔ محض خواندگی کی شرح بڑھانے کے لیے بہت سے لوگ پڑھنا تو سیکھ لیتے ہیں لیکن ان کی دل چسپی زندگی کے بڑے مقاصد تک رسائی کی بجائے ذہنی تلذذ اور خواب و خیالات کی دنیا تک ہی محدود رہتی ہے۔ ایسے لوگ ناپختہ افسانوی ادب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ناپختہ افسانوی ادب نوبالغوں کے ذہنی رجحانات اور خیالات میں فساد پیدا کرتا ہے۔ یہ ذہنی تلذذ کے عادی ایسے طبقے میں مقبول ہوتا ہے جن کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی وہ زندگی کی عملی جدوجہد میں شریک ہونا پسند کرتے ہیں۔

اردو میں جاسوسی ناولوں کا رجحان مغربی جاسوسی نالوں کے تراجم اور ان کے چربے کے طور پر لکھے گئے ناولوں سے پیدا ہوا لیکن ان ناولوں میں عریانیت یا فحاشی کی جانب میلان پایا جاتا تھا۔ اس قسم کے ناولوں کا سیلاب جب مغرب سے امنڈ کر مشرق کی مارکیٹوں تک پہنچا تو تہذیبِ مشرق سے محبت رکھنے والے ادیبوں اور

شاعروں کو فکر لاحق ہوئی۔ اسی دور میں ابنِ صفی نے اردو میں طبع زاد جاسوسی ادب کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے یہ کام جاسوسی ناولوں میں پائی جانے والی فحاشی یا عریانیت کے خلاف ایک مشن کے طور پر شروع کیا۔ وہ یہ عزم لے کر اٹھے کہ وہ فحاشی سے پاک جاسوسی ادب پیش کریں گے اور انھوں نے ایسا کر دکھایا۔ انھوں نے ایسے کردار تخلیق کیے جو فحاشی اور عریانیت کے مقابلے میں صاف ستھرا عملی اور عقلی درس دیتے ہیں۔ وہ جنس زدہ معاشرے میں جنسی کجروی سے دور ہیں۔ قانون کی بالادستی ان کا مشن ہے اور جرم اور شر کے مقابلے میں قانون اور نیکی کا ساتھ دینا ان کا مقصد ہے۔ ابنِ صفی کے یہ کردار ایسے واعظانہ یا ناصحانہ نہیں جو دوسروں کو تو نیکی کی تلقین کریں اور خود بے عمل ہوں۔ یہ کردار معاشرے کا حصہ ہیں اور عملی طور پر اس کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ یہ کردار عام انسانی زندگی کے بالکل قریب معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے طبع زاد جاسوسی ناولوں کا ایسا سلسلہ شروع کیا جن کے کردار معروف ہوئے۔ معیاری کردار نگاری اور زبان کی وجہ سے ان کے ناول آج بھی اردو قارئین کے حلقوں میں پسند کیے جاتے ہیں۔ ابنِ صفی کی زندگی میں بھی ان کے ناول عوام وخواص میں مقبول تھے اور ان کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے۔

کرنل فریدی، حمید اور علی عمران اردو جاسوسی ادب کے لافانی کردار ہیں۔ ان کے کرداروں کی خاص بات یہ ہے کہ ہر کردار اپنی جگہ ایک مکمل شخصیت رکھتا ہے۔ ادبی زبان کے ساتھ ساتھ ان کی گفتگو میں فلسفیانہ مباحث اور خوب صورت طنز و مزاح بھی پایا جاتا ہے۔ مکالمہ نہایت جاندار، بیان واضح اور حقیقت کے قریب ہوتا ہے۔ مکالمے کہانی سے ہٹ کر بھی پڑھیں تو پر لطف معلوم ہوتے ہیں۔ انسانی نفسیات کے پیچیدہ مظاہر، سائنسی تصورات، فنِ سراغ رسانی، روایتی مشرقی طبی رجحانات کا لحاظ رکھتے ہوئے پر علی عمران اپنے گفتگو میں خیال معکوس، سبقتِ لسانی، انتقالِ ذہنی اور تلمیح نگاری جیسی ادبی تکنیک استعمال کرتا ہے۔ کرداروں کی گفتگو ندرتِ خیال سے آراستہ و رنگین ہے۔ گفتگو میں کہیں ابتذال اور عجلت دکھائی نہیں دیتی۔ مرکزی کرداروں میں حب الوطنی، قانون کی بالادستی، جرم کے خلاف جدوجہد اور مظلوموں کی دادرسی جیسے اوصاف مشترکہ طور پر موجود ہیں۔ یہ کردار زندگی کے قریبا تمام مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ نسوانی کردار اپنی جگہ مکمل اور جامع ہیں۔ مضحک کرداروں میں زندگی کے مسائل اور معاملات کو عام انسانی سوچ سے ہٹ کر مختلف انداز میں دیکھنے کی عادت نمایاں ہے جو کہ انتقالِ ذہنی اور بسا اوقات انشقاقِ خیال کا عکس لگتے ہیں۔ ہر کردار کی

گفتگو میں اس کا نفسیاتی تشخص، اس پر گزرے حالات وواقعات اور اس کے سوچنے کا مخصوص انداز جھلکتا ہے۔ مجرم کرداروں میں جرم کے پسِ منظر، انسانی نفسیات اور مختلف فلسفہ ہائے زندگی کی کارفرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔ ابنِ صفی کے بہت سے مجرم یا منفی کرداروں کا تعلق جرم وسزا کے روایتی قانونی دائرے سے بلند تر خیر و شر کی آویزش کے بڑے سلسلے سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ عمران سیریز میں جرم کے ان سلسلوں کی نشان دہی کی گئی ہے جن کا نشانہ چند افراد کی بجائے پوری قوم بنتی ہے۔ مثبت کردار صرف اپنے ملک یا قوم کی خاطر جدوجہد نہیں کرتے بلکہ ان میں انسانیت کی بھلائی یا اس کے تحفظ کا عزمِ مصمم بھی پایا جاتا ہے۔

مہم جو کرنل فریدی نہ صرف منطق واستدلال کا پیکر ہے بلکہ اعلیٰ مقاصد کے ساتھ ساتھ زمینی حقائق پر بھی نظر رکھتا ہے۔ سراغ رسانی اس کا پیشہ بعد میں ہے اور شوق پہلے ہے۔ وہ خطروں کا کھلاڑی ہے، اسے عام زندگی میں کوئی لطف محسوس نہیں ہوتا۔ اس کا نائب ساجد حمید پارس کے ساتھ جڑ کر سونا بن جانے کی شہادت ہے۔ تعیش پسند اور زندگی کو پھولوں کے ایک باغ میں تتلی کی مانند گزارنے کا شائق انسان تھا جسے ایک اتفاق نے کرنل فریدی کے ساتھ وابستہ کر دیا اور پھر وہ کرنل کی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن گیا۔ ساجد حمید کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ کرنل فریدی کی کہانیوں کا راوی بھی ہے۔ کرنل فریدی کے ساتھ رہ کر ساجد حمید بھی مہم جوئی کا عادی ہو جاتا ہے لیکن زندگی کی رنگینیوں بالخصوص صنفِ نازک کے ساتھ جڑے اس کے احساسات اور رجحانات یکسر تو تبدیل نہیں ہوتے مگر ان میں قدرے توازن اور اعتدال ضرور آجاتا ہے۔

علی عمران سچائی اور حق کی تلاش کا وجودی اظہار ہے۔ تجسس پسندی، جرات و بہادری کے اوصاف کے باوجود علی عمران کی شخصیت سادگی، خلوص، وفا اور ظرافت سے بھرپور ذہانت و شوخی کا امتزاج ہے۔ وہ مغرب سے پھوٹنے والے مختلف فلسفوں کو انسانوں کے مسائل کا حل سمجھنے کی بجائے انسانی مشکلات میں اضافے کا سبب قرار دیتا ہے لیکن اس کی خوش مزاج شخصیت اظہار کا خشک اور اکتاہٹ میں مبتلا کر دینے والے پیرایۂ بیان اختیار نہیں کرتی بلکہ وہ قولِ مضحک اور خیالِ معکوس جیسی تکنیک استعمال کرتا ہے اور کسی سنجیدہ دکھائی دینے والے فلسفے کو احمقانہ خیال بنا کر رکھ دیتا ہے۔ علی عمران کے مکالموں میں جابجا مغربی فلاسفہ کی فکر اور جدید نقطہ ہائے زندگی کو رد کیا گیا ہے اور مشرقی اقدار وروایات اور اسلامی نظریہ حیات کی حمایت کی گئی ہے۔

اشتیاق احمد ابنِ صفی سے متاثر تھے لیکن انھوں نے بچوں کے لیے جاسوسی ناول نگاری کا آغاز پبلشر کے مطالبے پر کیا۔ ان کے ناول بچوں کے لیے تھے تاہم ان کے پڑھنے والوں میں ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں۔ انھوں نے ابنِ صفی سے ہٹ کر اپنے کردار تخلیق کیے جو اردو ادب میں دل چسپی رکھنے والے قارئین میں بہت مقبول ہوئے اور بچوں میں مطالعے کا شوق پیدا ہوا، محمود ،فارق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید اشتیاق احمد کے اتفاقی طور پر بنائے گئے کردار تھے، انھوں نے ان کی تخلیق میں زیادہ غور و فکر سے کام نہیں لیا،اس کے باوجود یہ کردار جاسوسی ادب کا اہم حصہ بن گئے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ کردار مقامی معاشرتی ماحول کے بالکل مطابق تھے، ان کا رہن سہن، گفتگو، باہمی تعلقات، گھریلو زندگی پاکستان کے متوسط طبقے کے طرزِ زندگی کی نمائندہ ہے۔ بچوں اور بڑوں کے درمیان باہمی تعلقات، ادب و احترام، بے تکلفی اور اپنائیت بھی مشرقی اقدار کو ظاہر کرتی ہے۔ اشتیاق احمد کے مرکزی کردار مشرقی اقدار و روایات پر یقین رکھنے والے شرفا ہیں۔ یہ پاکستان کے روایتی مذہبی گھرانوں کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں۔ مذہب پرستی، حب الوطنی، سخاوت، ایثار، رحم دلی اور دوسروں کے کام آنے جیسے اوصاف ان کرداروں میں موجود ہیں جو کہ روایتی پاکستانی گھرانوں میں اچھی تربیت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ مشرقی گھریلو ماحول کی عکاسی کے ساتھ ساتھ یہ کردار نفسیاتی تسکین کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں۔ گھریلو ماحول میں دین و مذہب کی پاس داری، مشرقی اقدار و روایات پر عمل، فلسفیانہ رموز کے بغیر بامحاورہ گفتگو اور مذہبی معاملات پر مکالمہ، جرم کے متعلق غیر معمولی حساسیت اور سراغ رسانی کے ذریعے مجرم تک پہنچنا نیز قانون کی بالادستی کی خاطر جدوجہد ان کرداروں کے نمایاں اوصاف ہیں۔ اشتیاق احمد نے آصف، آفتاب، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا جبکہ شوکی سیریز کے ناول بھی لکھے لیکن محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید مقبولیت میں سب سے فائق رہے۔

اشتیاق احمد کے مرکزی کردار اپنے وجود اور اوصاف کے لحاظ سے مثالی تصور پیش کرتے ہیں۔ اشتیاق احمد کے اپنے کرداروں میں باہمی انفرادیت کا امتیازی پہلو اجاگر نہیں ہوتا۔ ان کے کردار ایک دوسرے کے اسالیب میں گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کرداروں کا رویہ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اچھل پڑتے اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور کبھی وہ انتہائی مضبوط اور مستحکم دکھائی دیتے ہیں اور کبھی ان میں دیومالائی صفات نمودار ہو جاتی ہیں۔

اشتیاق احمد کے کرداروں کو بڑی مہمات میں یکساں حالات کا سامنا ہوتا ہے۔ ہر خاص نمبر میں جنگل اور سمندر کے اسفار ضرور ہوتے ہیں۔ جنگلی لوگ بھی ملتے ہیں اور کوہ پیمائی بھی کرنا پڑتی ہے۔ ان کے مقابلے میں آنے والے مجرم بہت طاقت ور ہوتے ہیں لیکن اشتیاق احمد کے کردار بہت معمولی حربوں سے انھیں شکست دے دیتے ہیں۔

ابنِ صفی کے کرداروں کی مقبولیت کی وجہ سے کئی ناول نگاروں نے انہی کرداروں پر جاسوسی ناول نگاری کا سلسلہ شروع کیا جن میں مظہر کلیم ایک اہم نام ہے۔ مظہر کلیم نے بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کہانیوں بھی لکھیں۔ عمرو عیار اور ٹارزن کے روایتی کرداروں کے علاوہ انھوں نے آنگلو بانگلو اور چلوسک ملوسک جیسے طبع زاد کردار بھی بچوں کے ادب میں متعارف کروائے۔ بچوں کی سطح پر یہ کردار کافی مقبول ہوئے۔ ایک دوست کی فرمائش پر انھوں نے نوجوانوں کے لیے عمران سیریز لکھنا شروع کی۔ اس کردار کو منتخب کرنے کی وجہ اس کی اردو ادب کے قارئین میں پائی جانے والی مقبولیت اور خود ان کی ذاتی پسند تھی۔ انھوں نے عمران سیریز میں ٹائیگر، جوانا، کیپٹن شکیل، صالحہ، ناٹران، فیصل جان، آغا، توصیف، شہلا جیسے کئی مثبت اور شاگل، کرنل ڈیوڈ اور اسرائیل کے صدر جیسے کئی منفی کردار متعارف کروائے۔ انھوں نے کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور قاسم کو بھی اپنے ناولوں میں شامل کیا انھوں نے میجر پرمود، توفیق اور کرنل ڈی کو بھی ناولوں میں جگہ دی لیکن ان کا حقیقی کردار علی عمران ہی رہا۔

مظہر کلیم کا مرکزی کردار علی عمران دیومالائی صفات رکھتا ہے۔ اس کی عملی جدوجہد عام انسانی زندگی سے مطابقت نہیں رکھتی۔ وہ ایک ہی وقت میں مارشل آرٹ کا ماہر بھی ہے اور سائنس کے جملہ شعبوں کا شناور بھی ہے اور قیافہ شناسی، بہروپ بدلنے، آوازوں کی نقالی کرنے اور دنیا میں بولی جانے والی معروف اور قدیم زبانوں اور اشاراتی زبان کا بھی ماہر ہے لیکن ان تمام کمالات کے ساتھ ساتھ علی عمران نہایت شوخ، قدرے خود پسند، انا پرست اور دوسروں کو حیرت میں مبتلا کرنے کا عادی بھی ہے۔ وہ نہایت احمقانہ حرکتوں کے ارتکاب سے اپنے کام کی بات نکال لیتا ہے۔ وہ اپنے ملک کا سب سے بااختیار عہدہ رکھتا ہے لیکن اس کی ظاہری شخصیت ایک مسخرے، لاابالی اور غیر ذمہ دار فرد کی عکاسی کرتی ہے۔ علی عمران کی ہر صفت مبالغہ آرائی کا اظہار نظر آتی ہے۔

مظہر کلیم کے تمام مثبت کرداروں میں حب الوطنی کا پہلو غالب ہے۔ یہ کردار وطن اور مسلمانوں کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ان کرداروں کا نمایاں وصف حب الوطنی، وِل پاور، ہمت اور جاں نثاری، پیشہ ورانہ مہارتیں، مخصوص شعبوں میں ان کی گہری معلومات اور اپنے ٹیم لیڈر کی اطاعت ہے۔ یہ اپنے چیف باس ایکس ٹو کا بہر صورت حکم مانتے ہیں۔ یہ کردار جنس زدہ نہیں ہیں۔ اپنی ساتھی خواتین کے ساتھ بھی یہ کردار عشق سے دور رہتے ہیں۔ مظہر کلیم نے جولیا کو علی عمران کی محبت کا اسیر دکھایا ہے جب کہ تنویر نامی کردار جولیا سے عشق کا دعوے دار ہے لیکن ان کے درمیان یہ معاملات زبانی کلامی گفتگو سے آگے نہیں بڑھے۔ علی عمران کا شاگرد عبد العلی رضوان عرف ٹائیگر اپنے استاذ علی عمران کے نقشِ قدم پر گامزن ہے۔ مظہر کلیم نے مثبت کرداروں پر مستقل ناول بھی لکھے ہیں جن میں ان کرداروں کے کارنامے بیان ہوئے ہیں۔ مظہر کلیم کے مثبت کردار مجرموں کو کسی قسم کی رعایت دینے کے قائل نہیں۔ زیادہ تر کردار مجرموں کے ساتھ از خود انصاف اور فوری انتقام کے فلسفے پر یقین رکھتے ہیں۔

علی عمران بطور سیکرٹ ایجنٹ جرم کی ہر نوع کے خلاف بر سرِ پیکار رہتا ہے۔ وہ مجرم تنظیموں کے خلاف لڑنے کے لیے دور دراز اسفار کرتا ہے اور خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف بنائے گئے یہودیوں کے منصوبوں، لیباٹریوں اور میزائل اڈوں کو تباہ کرنا اس کا مشن ہے۔ وہ صرف ملک کے دشمنوں، بڑے مجرموں، انسانی سماج کو نقصان پہنچانے والے گروہوں اور غیر ملکی ایجنٹوں ہی سے نبرد آزما نہیں رہتا بلکہ اس کی لڑائی جنوں، بھوتوں، جادو گروں، عاملوں اور پجاریوں سے بھی رہتی ہے۔ یوں مظہر کلیم نے جاسوسی ادب میں نت نئے کردار متعارف کروائے اور جاسوسی ناول نگاری کے محدود دائرے میں نت نئے تجربات کیے۔

ابنِ صفی کے کردار اپنی شخصیت سے مطابقت رکھتے ہیں اور اسی کے مطابق ان سے اعمال صادر ہوتے ہیں۔ ہر کردار کی تخلیق میں گہرا غور و فکر، کہانی کے پلاٹ کے مطابق موزوں تکنیک اور نفسیات کا استعمال اور فلسفیانہ سوچ دکھائی دیتی ہے۔ منطقی سوچ، فلسفیانہ استدلال اور معاصر افکار و نظریات کی جھلک واضح دکھائی دیتی ہے۔ وہ غیر محسوس انداز میں مشرقی اقدار کا دفاع کرتے ہیں۔ مغربی فلسفے کو تعقل کی بنیاد پر اس طرح رد کرتے ہیں کہ واقعات کا بہاؤ اور کہانی کی روح متاثر نہیں ہوتی۔

تحیر اور تجسس کے پردوں میں لپٹی ہوئی کہانی میں ان کے کردار جس طرح معاصر نظریات کو مکالمے میں پروتے ہیں وہ تخیل اور فکر کی بلند ترین سطح ہے۔ان کے کردار پیشہ ورانہ ذمہ داریوں اور مہم جوئی کے دوران جس بے ساختگی سے شعر و ادب، حکمت و فلسفے اور معاصر نظریات پر تنقید جیسی عالمانہ گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں، وہ کسی بھی طور ادب عالی کے معیارات سے کم نہیں۔ کردار نگاری کا یہ کمال بقیہ دونوں ادیبوں میں دکھائی نہیں دیتا۔حب الوطنی، جرم کے خلاف جدوجہد، مظلوم انسانوں کی مدد، قانون کی بالادستی اور عزم وہمت و استقلال مرکزی کرداروں کے مشترکہ اوصاف ہیں۔لگ بھگ کچھ ایسے ہی اوصاف اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے مرکزی کرداروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر ابنِ صفی کے مقابلے میں اشتیاق احمد کی کردار نگاری میں کردار نگاری اور کرداروں کے اوصاف میں سطحیت،مثالیت اور مماثلت پائی جاتی ہیں۔ انھوں نے چوں کہ بچوں کے لیے لکھا،لہذا وہ کردار نگاری میں فلسفیانہ گہرائی اور انسان کے نفسیاتی تعامل اور انفرادیت کو ہر موقع پر ملحوظ نہ رکھ سکے۔ابنِ صفی کے کردار حکمت اور طبِ یونانی کا حوالہ دیتے ہیں لیکن اشتیاق احمد کے مثبت اور مجرم و منفی کردار ہومیو پیتھک ادویہ کا حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین استعمال کرتے ہیں۔ ابنِ صفی کے منفی اور مجرم کردار بھی عجیب و غریب اوصاف رکھتے ہیں لیکن وہ مثالیت پسندی یا مبالغہ آرائی کا اظہار نہیں محسوس ہوتے۔ اشتیاق احمد نے منفی کرداروں میں بہت سے غیر منطقی اوصاف متعارف کروائے جن کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا۔ماورائی عناصر اور غیر انسانی کردار بھی کہانیوں میں آئے ۔ ناممکن الوجود کرداروں یاعام انسانی اوصاف سے ماورا کرداروں کی تخلیق سے انھوں نے سسپنس اور تحیر کا ماحول تو پیدا کیا لیکن اس طرح غیر منطقی خصوصیات رکھنے والے کرداروں پر مبنی اپنی کہانیوں کے واقعات کو وہ زندگی کے حقیقی واقعات کے ساتھ وابستہ نہیں کر پائے۔اشتیاق احمد کی ان کہانیوں یاناولوں کو قارئین میں زیادہ پسند کیا گیا جن کے واقعات عمومی زندگی کے ساتھ جڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جن میں تحیر، تجسس اور واقعات کی رفتار میں ایک توازن دکھائی دیتا ہے۔ایسی کہانیوں میں انسانی فطرت کے کمزور پہلو اجاگر ہوئے ہیں اور نفسِ انسانی میں موجود کدورتوں اور خرابیوں کی وجہ سے پیش آنے والی ناکامیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اشتیاق احمد کی مافوق الفطرت کردار نگاری ان کے لکھے گئے ادب کی ایک کمزوری رہی۔ ان کا لکھا ہوا ادب عمومی طور پر مقبولِ عام کی فہرست ہی میں شامل رہا۔

اشتیاق احمد کے کرداراور عالمی سازشوں کے خلاف ناول اور ہر خاص نمبر میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ان کے مثبت کردار دین وملت، قوم و وطن اور اسلام کے تحفظ کے لیے مسلسل جدوجہد کا پیغام دیتے ہیں اور اس جہدِ مسلسل میں وہ ملکی یا جغرافیائی سرحدوں، بین الاقوامی قوانین اور پیشہ ورانہ فرائض کی ادائیگی تک خود کو محدود تصور نہیں کرتے بلکہ ان کا مسلک ہر ملک ماست کہ ملک خدائے است، معلوم ہوتا ہے اور یہی عنصر ان کی کردار نگاری میں غالب عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کرداروں کے تجزیے، تقابلی جائزے اور ارتقائی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشتیاق احمد کے کرداروں میں محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید یا پھر شوکی ہی اصل کردار تھے باقی کردار کم و بیش انہی کرداروں کا چربہ ہیں۔ اشتیاق احمد کی کردار نگاری میں ابنِ صفی جیسا معیار دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح مظہر کلیم کا مرکزی کردار علی عمران ذہانت و فطانت، حب الوطنی، قانون کی بالادستی اور مظلوموں کی امداد میں ہمیشہ آگے رہتا ہے لیکن اس کی شخصیت میں توازن اور اعتدال نہیں ہے۔ اس میں تیزی سے اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار میں کئی تبدیلیاں کیں، انھوں نے علی عمران کو ایک عجوبہ اور معمہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہاں حقیقت پسندی سے زیادہ مبالغہ آرائی کا پہلو غالب دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے علی عمران کو بیک وقت اقبال کا مردِ مؤمن اور نطشے کا سپر ہیومن بنانے کی کوشش کی۔ ابتدائی ناولوں میں مرکزی کردار علی عمران مغربی تہذیب کا پرستار اور ہر وقت نت نئے ایڈونچرز کا شوقین لاابالی نوجوان دکھائی دیتا ہے۔ اس کی شخصیت رنگ بدلتی رہتی تھی لیکن آخری دور کے ناولوں میں علی عمران کی گویا کایا کلپ ہو گئی۔ وہ بظاہر ایک ماڈرن شخص دکھائی دینے کے باوجود داخلی طور پر صوفیانہ نظریات کا حامی بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مظہر کلیم اور ابنِ صفی کے مرکزی کردار میں خاصا فرق رہا۔ مظہر کلیم نے عمران سیریز میں نت نئے منفی کرداروں کو متعارف کروایا۔ وہ کردار نگاری میں جزرسی سے کام لیتے تھے لیکن ساتھ ہی مبالغہ آرائی ان کی کردار نگاری کا حصہ رہی۔ انھوں نے منفی کرداروں میں ماورائیت کو بھی شامل کر دیا اور مثبت کردار بھی ماورائی علوم اور ماروائی قوتوں کے حامل بزرگوں سے مدد حاصل کرنے لگے۔

جہاں تک اردو کے جاسوسی ادب کے معروف کرداروں کے درمیان تقابل کا تعلق ہے تو مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار کو اپنایا تو سہی لیکن طرزِ فکر کے لحاظ سے تبدیلیاں ضرور کیں۔ اشتیاق احمد نے انسپکٹر

جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کی صفات میں ابن صفی کے ہی ایک اور کردار کرنل فریدی کا عکس پیش کیا لیکن اشتیاق احمد کے کرداروں پر مذہبی رنگ غالب دکھائی دیتا ہے۔

اصولوں کی پیروی کے لحاظ سے کرنل فریدی کی مماثلت اشتیاق احمد کے کردار انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا میں پائی جاتی ہے۔لائبریری سے استفادہ، ذاتی تجربہ گاہ میں مختلف کیمیائی تجربے اور سراغ رسانی کے فن اور مجرم تک رسائی کے مختلف طریقوں میں بھی کرنل فریدی کی جھلکیاں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا میں دکھائی دیتی ہیں۔ کرنل فریدی کا کردار اس دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر ترتیب دیا گیا تھا جب مغرب کے مقبولِ عام اور گھٹیا درجے کے ادب نے اردو کو تہذیبی و ثقافتی یلغار کا نشانہ بنا لیا تھا۔ اس کردار کی مہمات میں زیادہ تر تقسیمِ ہند سے قبل کے دور کی منظر کشی کی گئی ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں علی عمران، انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا تقسیم کے بعد کے دور میں دکھائی دیتے ہیں۔

حمید اپنی صفات کے اعتبار سے یہ ایک خاصا غیر ذمہ دار کردار ہے تاہم اس میں مزاح کا عنصر علی عمران کی مانند ہے۔ اگرچہ علی عمران کے مزاح میں بہت تنوع اور گہرائی اور انفرادیت پائی جاتی ہے لیکن حمید کی لڑکیوں کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں علی عمران کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے۔ تاہم کیپٹن حمید لڑکیوں کی قربت کو دل سے پسند کرتا ہے اور ان سے بے مقصد بات چیت کرنا چاہتا ہے جبکہ علی عمران اس معاملے میں حمید کے الٹ ہے۔ رومانویت اور عشق حمید کے مزاج کا بنیادی جزو ہے جبکہ علی عمران کو اس کی ہوا تک نہیں لگی۔ حمید کی زندگی اول تا آخر صنفِ نازک کی چاہت سے عبارت ہے۔ اس معاملے میں وہ کرنل فریدی اور علی عمران سے یکسر مختلف ہے تاہم اس کی مزاحیہ گفتگو اور شعر و سخن پر تنقید کے حوالے سے دیکھیں تو علی عمران کی جھلکیاں صاف دکھائی دیتی ہیں۔ حمید کام سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور مہم کی طوالت سے اکتا جاتا ہے۔ یوں اشتیاق احمد کے کردار فاروق سے اس کی مطابقت دکھائی دیتی ہے۔

زیر موضوع تمام مرکزی کرداروں میں ابن صفی کا علی عمران کا کردار ایک ایسے مہم جو، نڈر، ان تھک، پُرعزم، غیر معمولی ذہین اور مخلص انسان کی صورت میں سامنے آتا ہے جو زندگی کے مسلسل امتحانات کا سامنا کرنے کے باوجود نہ تو ہمت ہارتا ہے، نہ بد دل ہوتا ہے اور نہ وہ اکتاہٹ کا شکار ہوتا ہے۔ اس کے پاس ملک کی خدمت کا ایک واضح راستہ اور زندگی سے متعلق ایک واضح سوچ و فکر موجود ہے محض لفاظی یا فلسفیانہ موشگافیوں سے کام نہیں لیتا۔ وہ نہ تو اپنی ذہانت کا پرچار کرتا ہے اور نہ ہی وہ کسی لگے بندھے انداز، کسی خاص

ڈھب اور خاص طرز کے پروٹوکول کا خیال رکھتا ہے۔ وہ ملک و قوم کی خدمت کے لیے اپنی ذات کو وقف کرنے کے بعد خود کو فراموش کر چکا ہے اور اس خود فراموشی کے عالم میں اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ وہ کتنا بڑا عہدے دار ہے۔ وہ کرنل فریدی کی طرح دوسروں پر چھا جانے کا وصف نہیں رکھتا نہ ہی وہ جسمانی قوت و طاقت میں ناقابلِ تسخیر ہے لیکن اس کی بے غرضی، بے نفسی اور جرات و ہمت اسے دوسرے کرداروں پر فوقیت دیتی ہے۔ وہ کرنل فریدی کی مانند شان و شوکت بھی نہیں رکھتا اور نہ وہ حمید کی مانند لڑکیوں کی قربت کا خواہش مند ہے۔ اس کا ہر عمل اس کے مقصد کے تابع ہے اور وہ اس مقصد کے حصول کے لیے جو بھی روپ اور جو بھی ذریعہ بن پڑے اختیار کر لیتا ہے۔ وہ اشتیاق احمد کے کرداروں یعنی انسپکٹر جمشید یا کامران مرزا کی مانند پُر سکون گھریلو زندگی سے محروم ہے۔ ابن صفی کا علی عمران ایک ایسا مسافر ہے جو مسلسل حالتِ سفر میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کی قسمت میں یا تو سلیمان اور جوزف کے جھگڑے اور مسائل ہیں یا پھر اپنے ساتھیوں کے تبصرے اور تنقیدیں ہیں جنھیں وہ خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہتا ہے۔ اس کے ساتھی تھک جاتے ہیں، بور ہو جاتے ہیں، گھبرا جاتے ہیں یا وہ ہمت ہارنے لگتے ہیں لیکن وہ حوصلہ ہارنا نہیں جانتا۔ اس کا مقابلہ باوسائل، طاقت ور اور عددی قوت رکھنے والے ایسے گروہوں سے ہوتا ہے جو اس کے کردار اور اس کے ذاتی جوہر اور اس کے وجود میں پوشیدہ خلوص کی قوت کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔ ہر ملک دشمن فرد یا گروہ کے مقابلے میں علی عمران اپنی جان کو ہتھیلی پر لے کر اترتا ہے۔ ایثار، جاں نثاری، انسانیت، مقصد کے ساتھ گہری وابستگی، یکسوئی، ارتکاز اور بے غرضی ابن صفی کے علی عمران کے وہ اوصاف ہیں جو دشمن کی چال بازیوں، اس کے وسائل اور گہری سازشوں اور پیچیدہ جالوں کو توڑ ڈالتے ہیں۔ ان معنوں میں وہ اشتیاق احمد کے کرداروں یعنی انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا کے مماثل دکھائی دیتا ہے لیکن اس کا دائرہ عمل اور انسانی تعلق اشتیاق احمد کے کرداروں سے وسیع تر ہے۔ وہ رنگ و نسل اور مذہبی تعلق سے قطعِ نظر ہر خطے کے انسانوں کے کام آتا ہے اور مجرموں کے ساتھ ٹکراتا رہتا ہے۔

اشتیاق احمد کے کرداروں کے تقابلی جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کردار دینی شعور سے آراستہ اور وطن پرست ہیں۔ صدارتی نظام کے حامی ہیں۔ ان میں مشرقی اقدار و روایات کی پاس داری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور وہ مغربی طرزِ زندگی سے بہت دور ہیں۔ کرنل فریدی، کیپٹن حمید علی عمران کی مانند ان کی زندگیوں میں کلب، ہوٹلنگ اور سماج کے مختلف طبقات کے ساتھ تعلق اور دوستیوں کا کوئی رجحان نہیں

پایا جاتا۔ یہ قناعت پسند اور نمود و نمائش سے دور رہتے ہیں۔ جبکہ مظہر کلیم کا علی عمران م اس کے بر عکس ہے۔ اشتیاق احمد کے کردار محدود حلقۂ احباب رکھتے ہیں اگر چہ ان کے مراسم وسیع ہیں۔ ان کا مقابلہ جن مجرموں سے ہوتا ہے ان میں سماجی جرائم کا ارتکاب کرنے والے لوگوں سے لے کر عالمی سطح کے مجرم شامل ہیں۔ ان کا واسطہ مقامی گروہوں سے بھی پڑتا ہے اور اعلیٰ حکومتی عہدے داروں اور سیاست دانوں کے ساتھ بھی ان کی مڈبھیڑ ہوتی رہتی ہے۔ ان کرداروں کی باہمی خصوصیات مشترک ہیں اور ان کے مقابلے میں آنے والے مجرم بھی چند مخصوص صفات کے علاوہ مشترکہ عزائم اور ایک جیسی سوچ کے مالک دکھائی دیتے ہیں۔ اشتیاق احمد کے کردار اس اعتبار سے ابنِ صفی کے کرداروں سے منفرد ہیں کہ ان کے مقابلے میں ماورائی اور غیر منطقی عادات وخصائل رکھنے والے منفی کردار بھی اترے ہیں۔

مظہر کلیم کا مرکزی کردار علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی، (آکسن) نفسیات، مزاج، رویے، صفات، ذہنی اور عملی صلاحیتوں اور تجربات کے اعتبار سے ایک مثالی کردار ہے۔ یہ کردار کبھی شکست نہیں کھاتا اور نہ ہی ناکامی کو قبول کرتا ہے۔ اتفاقات ہمیشہ اس کی مدد کرتے ہیں اور یہ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے تکمیل تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ اس کردار کو دنیوی وجاہت، اعلیٰ عہدہ، مادی، معاشی، انسانی اور روحانی وسائل میسر ہیں اور وہ خود بھی ناقابلِ تسخیر صفات کا حامل ہے۔ اس کے باوجود علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) کے کردار میں توازن اور اعتدال کی کمی ہے۔ وہ شخصی تقابل کے مرحلے میں بھی دو انتہاؤں پر دکھائی دیتا ہے اور اس کے عمومی رویے میں متضاد صفات بلکہ متصادم رویے بھی پائے جاتے ہیں۔ وہ بیک وقت معصوم بھی ہے اور شاطر بھی۔ بے حد رحم دل بھی ہے اور بے حد سفاک بھی۔ وہ نخریلی اور خود پسند طبیعت بھی رکھتا ہے اور صوفی مزاج بھی ہے۔ وہ علمی، ادبی اور سائنسی دماغ کا حامل بھی ہے اور بے حد خونخوار اور خطرناک جنگجو بھی۔

مظہر کلیم کا علی عمران ابنِ صفی کے علی عمران سے کئی حوالوں سے مختلف ہے۔ ابنِ صفی نے علی عمران کے کردار میں اپنے عہد کے نوجوانوں کے رجحانات، میلانات اور عصری تقاضوں نیز مذہب اور مشرقی اقدار کو ایک توازن کے ساتھ پیش کیا تھا۔ اس کردار میں مغربیت، جدید علوم، جدید معاشرت اور مغرب سے متاثر کلچر کے محدود سے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں بایں ہمہ ابنِ صفی کا علی عمران اول تا آخر برِ صغیر کے مخصوص مسلم کلچر کا نمائندہ ہی محسوس ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس کے مکالمے مشرقیت کے آئینہ دار ہیں۔ ابنِ صفی کا

علی عمران ذہنی مہارتوں سے زیادہ اعلیٰ انسانی اوصاف کا حامل دکھائی دیتا ہے جن میں بے غرضی، بے لوثی، ایثار اور خود فراموشی شامل ہیں جبکہ مظہر کلیم کا علی عمران زیادہ تر ذہنی مہارتوں پر انحصار کرتا ہے اور اس میں نفسِ انسانی کی وہ خوبیاں کم دکھائی دیتی ہیں جو کہ ابنِ صفی کے علی عمران میں ہیں۔ اس کے خیالات اور افکار میں جدیدیت سے متاثر ذہن یا مغربیت کی نقالی نہیں ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں مظہر کلیم کے علی عمران کا کردار متوازن اور معتدل صفات کی بجائے دو انتہاؤں پر دکھائی دیتا ہے، کبھی تو وہ یکسر مغربیت کا نمائندہ اور جدیدیت کا عکس معلوم ہوتا ہے اور کبھی اچانک اس پر مشرقیت غالب دکھائی دیتی ہے۔ ابتدائی ناولوں میں وہ زیرِ جامہ کے ساتھ ورزش کرتا دکھائی دیتا ہے اور آخری دور کے ناولوں میں نماز فجر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوا نظر آتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کردار میں تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔

مجرموں سے تفتیش کے سلسلے میں جرم کی نوعیت کے متعلق جو طریقے اپنائے گئے ان میں ابن صفی کی عظمت کا پلڑا بھاری ہے۔ مظہر کلیم کے ٹارچر کا سلسلہ عامیانہ اور بہیمانہ تشدد پر مشتمل ہے جس کے نتائج وقتی اور محدود ہیں۔ نیز یہ ماورائے قانون طریقہ کار ہے۔ جب کہ ابن صفی کے طریقہ تفتیش میں نفسیاتی حربے اور جانچ کے طریقے شامل ہوتے ہیں، گو کہ ابن صفی کے کردار خصوصاً ''فریدی'' بھی کسی حد تک مجرموں کے خلاف غیر قانونی طریقے اپناتا ہے لیکن مجموعی طور پر وہ قانون کی بالادستی قائم رکھتا ہے۔ ابن صفی کے ہاں تشدد پر مبنی رویہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ناول ''شعلوں کا ناچ'' میں فریدی مجرموں کا ساتھ دینے والی بظاہر ایک معزز ہستی کو اغوا کرتا ہے۔ اس پر دورانِ تفتیش نفسیاتی وار کیے جاتے ہیں اور اس کا سر اور بھنویں مونڈھ کر اسے پاگل خانے پہنچا دیا جاتا ہے۔

مظہر کلیم کے علی عمران کو مسلسل نت نئے مجرموں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ مجرم عام طور انسانوں کو قتل کرنے میں نہایت جری ہوتے ہیں، وہ نہایت سفاکی سے سینکڑوں، ہزاروں انسانوں کو مار سکتے ہیں۔ ان کے پاس جدید ترین آلات، خفیہ تنظیم، فعال کارکن، بے پناہ وسائل اور سرمایہ ہوتا ہے، وہ بھی روپ بدلنے اور تیز رفتار کاروائیوں کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن کوئی بھی علی عمران کا پاسنگ نہیں ہوتا۔ مظہر کلیم کا علی عمران بیک وقت سائنس دان، مارشل آرٹ کا ماہر، بے مثل نشانہ باز، متعدد عالمی زبانوں، بولیوں اور خفیہ زبانوں کا ماہر، آوازوں کی نقل کرنے میں استاذ اور بہروپ بدلنے مہارت تامہ رکھتا ہے اس لیے وہ اکیلا ہی کسی

تنظیم، ادارے، محکمے بلکہ فوج پر بھی غالب آجاتا ہے۔ ابنِ صفی کے یہاں ایسی غیر منطقیت نہیں پائی جاتی۔ ابن صفی کے ہاں بھی علی عمران نہایت غیر معمولی ہے لیکن وہ منطقیت کے دائرے میں ہی رہتا ہے۔

ابن صفی نے جاسوسی ناول نگاری کا آغاز ایک مشن اور فکر کے تحت کیا تھا۔ اسی فکر کے تحت انھوں نے کرداروں کو تخلیق کیا۔ ان کا خیال تھا کہ معاشرے کو درپیش موجودہ اجتماعی مسائل کا حل قانون کی بالادستی اور بلاامتیاز انصاف کی فراہمی اور معتدل مزاجی میں پوشیدہ ہے۔ انھوں نے اس فکر کو اپنے کرداروں کے ذریعے پیش کیا۔ ابنِ صفی کے تمام مرکزی کردار قانون کی بالادستی پر مکمل یقین، مجرموں کو قانون و انصاف کے دائرے میں لانے کا اٹل عزم، سماج کے کمزور، مظلوم اور معصوم افراد کی دادرسی کا جذبہ، جرم کے خاتمے اور وطن کے تحفظ کی خاطر جدوجہد جیسے مشترکہ اوصاف رکھتے ہیں۔ فریدی اور حمید یعنی جاسوسی دنیا کے دونوں مرکزی کرداروں کا آغاز انسپکٹر اور سارجنٹ کے طور پر ہوا۔ ابتدائی کہانیوں میں یہ دونوں کردار مقامی اور سماجی نوعیت کے پیچیدہ مقدمات کی تفتیش کے لیے محکمہ سراغ رسانی سے طلب کیے جاتے تھے لیکن قابلیت کی وجہ سے ان کا دائرہ کار بڑھ گیا۔ ان کا واسطہ بین الاقوامی مجرموں سے پڑا جن میں رونالڈ، جیرالڈ شاستری، جابر اور دیگر مجرم شامل ہیں۔ ان مجرموں سے مقابلوں اور کامیابیوں نے فریدی اور حمید کی شہرت، اختیارات اور خدمات میں اضافہ کیا۔ فریدی کو اپنے ملک کی مختلف ریاستوں میں کام کرنے والے مجرموں کے ساتھ بھی نمٹنا پڑا جو کہ خواتین کے استحصال سمیت کئی جرائم میں ملوث تھے۔ اسے سائنسی ایجادات کا بے دریغ استعمال کرنے والے مجرموں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے جدید ایجادات کے استعمال کی ضرورت کا احساس ہوا تو اس نے ضروری سائنسی علوم اور ان سے متعلق تجربات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سائنسی تجربات کی وجہ سے ہی اس نے فولادی می اور اس جیسی دیگر ملک دشمن ایجنٹوں کی ایجادات کا مقابلہ کیا۔ فریدی کو بہت جلد احساس ہو گیا کہ جرم اب علاقائی اور مقامی سطح تک محدود نہیں رہا بلکہ اب جرائم ملکی اور بین الاقوامی سطح پر زیادہ منظم اور باوسائل گروہوں کے ذریعے انجام دیے جانے لگے ہیں۔ حالات و واقعات نے اسے یہ بھی احساس دلا دیا کہ علاقائی معاملات میں بین الاقوامی قوتیں شامل ہو رہی ہیں۔ فریدی نے اپنے کام کے طریقے کو زیادہ بہتر بنایا۔ اعزازی کرنل بننے کے بعد اس نے بلیک فورس کے نام سے ایک خفیہ ایجنسی تشکیل دی تاکہ بڑے جرائم کا مؤثر انداز میں جواب دیا جاسکے۔ کرنل فریدی کا ٹکراؤ سنگ ہی، نانوتہ، تھریسیا اور زیرولینڈ کی تنظیم سے بھی ہوا۔

مجرموں کے ساتھ مسلسل مقابلوں نے فریدی کے تجربے، ذہانت، ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو ترقی دی۔ اسے احساس ہوگیا کہ جرم کا ارتکاب اب گروہوں سے بڑھ کر اقوام کی سطح پر کیا جارہا ہے۔ اور ان جرائم کو قانون اور ریاستوں کا تحفظ حاصل ہوچکا ہے۔ اس فکری ارتقا کی وجہ سے فریدی کی توجہ مقامی سماجی جرائم سے بڑھ کر عالمی سطح کے ان جرائم کی سرکوبی کی جانب مبذول ہوگئی جن کا نشانہ اس کا ملک بن رہا تھا۔ وہ جرم کی تفتیش اور مجرموں کے تعاقب کے لیے گہری منصوبہ بندی، پیش بندی، سراغ رسانی کے جدید آلات اور اپنے خفیہ کارندوں کا استعمال کرنے لگا۔

عورت سے دور رہ کر زندگی بسر کرنے والے کرنل فریدی کو ہارڈ اسٹون کہا جاتا تھا۔ جاسوسی دنیا کی کہانیوں کے طویل سلسلے میں صنفِ نازک سے متعلق اس کے رویے میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی البتہ بعض مجرم خواتین کو جھانسہ دے کر گرفتار کرنے کے لیے اس نے ناٹک ضرور کیا۔ جنسیت سے متعلق فریدی کا خیال یہ تھا کہ یہ غیر منطقی طرزِ فکر اور اپنے شعور کو درست استعمال نہ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے۔ انسان اپنے شعور کو اہم کاموں پر مرتکز رکھے تو وہ جنسی کجروی کا شکار نہیں ہوسکتا۔ عورتوں کے متعلق اس کے تجربات نے اسے سکھایا کہ عزت افزائی اور اہمیت دینے سے انسان میں داخلی اعتبار سے ایسی قوت پیدا ہوجاتی ہے جو کہ جنسی جذبے کو لگام ڈالنے میں مدد دیتی ہے، اس لیے جن خواتین کی عزت نہیں کی جاتی اور انھیں گھروں میں اہمیت نہیں دی جاتی وہ آسانی سے جنسی کجروی کا شکار ہوسکتی ہیں۔

فریدی کے شعور نے ترقی کی تو اسے اپنے ملک کے ساتھ انسانیت کی نجات اور اسے درپیش مسائل کے حل کی فکر ہوئی۔ اسے نظام معاشرے اور سماج کی بہتری کے لیے کسی ٹھوس نقطۂ نظر کی ضرورت کا احساس ہوا۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ معاشی استحکام اور جائز خواہشات کی تکمیل ہو تو لوگوں کے نفوس کی تہذیب ہوسکتی ہے اور جرائم کا رجحان کم ہوسکتا ہے۔ جلد ہی فریدی کو احساس ہوگیا کہ لوگوں کو عملی کاموں کی طرف آنا ہوگا اور اس کے لیے قوتِ عمل کو بڑھانا ضروری ہے۔ انسانیت کی بہتری کے لیے سوچ و بچار کے دوران میں اسے یہ نکتہ بھی سمجھ آگیا کہ کچھ لوگوں کو ہمیشہ دوسروں کی خاطر قربانی دینا ہی پڑتی ہے ورنہ سماج آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اپنے سکھ قربان کیے بغیر آدمی دوسروں کے دکھ نہیں بانٹ سکتا۔ وہ انسانیت کی خاطر عالمی مجرموں کے ساتھ ٹکراتا ہے تاہم اسے افسوس رہا کہ کچھ لوگ انسانیت کے عالمی دشمنوں کے لیے کرائے کے سپاہیوں

کا کردار ادا کرتے ہیں تاکہ اپنے لیے روٹی کا بندوبست کر سکیں۔ فریدی کو ایسے افراد سے دلی ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ انسانیت کی نجات، معاشی ضروریات اور عملی جدوجہد کے فلسفے پر غور کرنے کے بعد فریدی قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے اس معاشی اصول تک پہنچ گیا کہ اگر دولت ایک خاص طبقے ہی تک محدود رہے گی تو اس سے انسانی معاشرے میں بے چینی بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہ عنصر جرائم کا بڑا سبب بنتا ہے۔ بالادست لوگ وسائل پر قابض ہو جاتے ہیں اور عوام کو قناعت سکھائی جاتی ہے۔ فریدی نے اقبال کے پیغامِ خودی کو یہ مفہوم دیا کہ اگر خود غرضی اور جاہ پسندی سے منہ موڑ لیا جائے اور ایک نئے انداز کی سرمایہ داری کی بنیاد ڈالنے کی بجائے خلوصِ نیت سے کام کیا جائے تو عوام کی بے چینی اور اکتاہٹ کم ہو سکتی ہے۔ لوگوں کو محض قناعت کا سبق پڑھانے کی بجائے ان کی ”خودی“ کو ابھارا جائے تو اس سے سماج میں بہتری آ سکتی ہے۔

حمید ”جاسوسی دنیا“ کی کہانیوں کا راوی ہے۔ پہلے اس کی زندگی کا واحد مقصد لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارنا تھا لیکن کرنل فریدی کے ساتھ رہ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ طور طریقے شرفاء کے نہیں ہوتے۔ اس نے اپنے عاشقانہ مزاج اور رومانوی جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی اور اس میں قدرے کامیاب بھی ہوا۔ سارجنٹ حمید سے کیپٹن حمید بننے کے دورانیے میں اسے کم از کم اتنی عقل ضرور آ گئی کہ وہ جاسوسی مہمات میں دلچسپی لینے لگا اور اس میں ذمہ داریوں کا بھی کچھ نہ کچھ احساس پیدا ہو گیا۔ اس نے بعض کہانیوں میں عورت کا کامیاب روپ دھارا۔ اس سے حمید کی فن کاری سامنے آتی ہے۔ روپ دھارنے کا فن اس نے فریدی سے سیکھا تھا۔ ابتدائی کہانیوں میں حمید ان مہارتوں سے واقف نہیں تھا۔ سراغ رسانی کے علاوہ حمید کی لسانی اور ادبی صلاحیت میں بھی ترقی ہوئی۔ وہ اپنے طیش پر قابو پا کر ایسے کاٹ دار اور نوکیلے جواب دینے لگا جو قارئین کو بے اختیار مسکرانے پر مجبور کر دیتے۔ حمید کی حسِ مزاح بہتر ہو گئی۔ ایک ناول میں وہ طاقت کا سرمہ بیچنے والا ایک عطائی حکیم بھی بنا۔ پہلے کرنل فریدی کے اس رویے سے شاکی رہتا تھا کہ وہ مشن سے متعلق بھرپور آگہی نہیں دیتا۔ مابعد حمید کے اس رویے میں بھی بہتری آ گئی۔ خواتین سے متعلق بھی کیپٹن حمید کی فکر اور رویے میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ اس نے لڑکیوں کے پیچھے خوار ہونا تو ترک کر دیا لیکن لڑکیوں کے ساتھ اس کا ٹاکرا جاری رہتا ہے۔

مملکتِ خداداد پاکستان کو ابتدائی دور میں خاصے مخدوش حالات کا سامنا تھا۔ ایک نوزائیدہ مسلم ریاست کے معاشرتی استحکام کی ضرورت تھی۔ اس کے سماج کو مغربی تہذیب کے ورثے میں ملے ہوئے افکار و نظریات اور مسلم نظریاتی تحریکوں کے درمیان تصادم کے خدشات بھی درپیش تھے اور اسے جدید دنیا میں تبدیل ہوتی عالمی سیاست اور ریاستوں کے باہمی ٹکراؤ اور کسی نئے عالمی تصادم جیسے چیلنجوں میں اپنی بقا کی راہ بھی تلاش کرنا تھی۔ اس دور کے ادیب، شاعر، دانش ور اور مفکرین ان تمام باتوں پر غور و فکر کر رہے تھے۔ اس دور کے سماجی تقاضوں اور ادبی چیلنج کو سامنے رکھ کر ابنِ صفی نے علی عمران کی صورت میں ایسا کردار تشکیل دیا جو کہ بیک وقت مشرقی و مغربی امتزاجات کا نمونہ ہو۔ اس پیکر کی اٹھان اتنی شان دار تھی کہ اس نے مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔

فریدی اور حمید کی بہ نسبت علی عمران کا کردار زیادہ واضح سوچ اور ایک خاص پسِ منظر میں ترتیب دیا گیا اسی لیے یہ کردار ابنِ صفی کے لیے سہل رہا۔ فریدی اور حمید کی جوڑی کے لیے ابنِ صفی کو جو تردد کرنا پڑتا تھا وہ مشکل علی عمران کی کردار نگاری میں نہ تھی۔ ابتدائی طور پر علی عمران کا کردار ایک فری لانسر ذہین اور دانش ورانہ خصوصیات لیکن احمقانہ مزاج رکھنے والے عام نوجوان کا تھا جسے والد کے اثر و رسوخ اور انٹیلی جنس کے ایک افسر فیاض کی دوستی کی بدولت بعض پیچیدہ کیسوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ ابنِ صفی نے اس کی مقبولیت اور قارئین کے مطالبات کو سامنے رکھ کر اس کی ظاہری سماجی حیثیت میں تو تبدیلی نہیں کی لیکن اس کی بڑھتی ہوئی لیاقت اور وسیع ہوتے ذہنی کینوس کے مطابق علی عمران کو ملک کے ایک اہم خفیہ ادارے کا سربراہ بنا ڈالا جس نے اپنے مزاج کے پیشِ نظر اپنے ماتحتوں سے بھی خود کو پوشیدہ ہی رکھا کیوں کہ اس کا مزاج، ظاہری رویہ، لوگوں کے ساتھ برتاؤ اور شوخی و ظرافت میں اتنی سادگی، درویشی، احمقانہ پن اور بے تکلفی تھی کہ وہ ادارہ جاتی نظم و ضبط کو اس شخصیت کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔ علی عمران کے اس ظاہری رویے میں پوشیدہ سنجیدگی اور داخلی اوصاف کی جھلک شکرال کی مہم میں نمایاں ہوئی جو کہ اس کی زندگی میں عالمی طاقتوں اور بڑی مجرم تنظیموں کے ساتھ ٹکراؤ کا آغاز تھا۔ یہ ٹکراؤ پھر علی عمران کی آخری مہم تک ایک تسلسل کی صورت میں جاری رہا۔ شکرال والی مہم میں ہی علی عمران نے اپنے کردار کو نبھانے کے لیے ایکس ٹو کے عہدے کو ایک ڈمی بلیک زیرو کے ذریعے سنبھالنے کا تجربہ کیا۔ پہلا بلیک زیرو شکرال کی مہم میں کام آگیا تو اس نے اس

سیٹ کے لیے طاہر نامی نوجوان کو چنا جو ایک مستقل کردار کی حیثیت اختیار کر گیا۔ علی عمران کا ارتقائی سفر مختلف پہلوؤں سے ہوا۔ اس کے مزاح میں ادبی پہلو کی بجائے فلسفیانہ جھلکیاں اجاگر ہونے لگیں۔ سماجی سطح پر اس کا ٹکراؤ عام مجرموں سے کم اور بین الاقوامی نوعیت کے گروہوں سے زیادہ ہونے لگا۔ اس کا ٹکراؤ ہمبگ دی گریٹ، سنگ ہی، تھریسیا، بوغا اور زیرو لینڈ جیسی تنظیموں سے رہا۔ زیرو لینڈ کے ساتھ ٹکراؤ کے علاوہ وہ مختلف ممالک میں ہونے والی سازشوں کے خاتمے اور انسانیت کو بڑے مجرم گروہوں کے شر سے بچانے کے لیے بھی سر گرم رہا۔

علی عمران حماقتوں کا مسلسل مظاہرہ کرتا رہا۔ یہ دنیا کے اذہان پر چھائی ہوئی عقلیت پسندی کے خلاف گویا اس کا احتجاج تھا۔ ملک و قوم کے کسی مفاد کو یقینی خطرے سے دوچار دیکھ کر علی عمران پر چھائی ہوئی حماقت کا نقاب الٹ جاتا ہے اور وہ ایک مختلف شخصیت دکھائی دیتا ہے۔ ایسے میں وہ کسی جنگل کا ایسا درندہ نظر آتا جو خطرے کو بھانپ کر خبر دار ہو چکا ہے۔ جولیا اور صبیحہ سمیت مختلف کرداروں نے عمران کے احمق پن کو سنجیدگی میں بدلتے ہوئے دیکھا اور معلوم ہوا کہ وہ در حقیقت نہایت ہوشیار انسان ہے۔ علی عمران کی گفتگو میں تلمیحات، الٹے پلٹے مصرعے اور مضحکہ خیز تنقید شامل ہوتی تھی پھر مزاح میں بھی اس کے ہاں ایک خاص فلسفیانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ اس نے تجاہلِ عارفانہ، خیالِ معکوس، قولِ محال، قولِ مضحک اور مغالطے کا استعمال بڑھا دیا۔ مصرعوں اور اشعار کی الٹ پلٹ کی جگہ کنفیوشس کے خود ساختہ اقوال نے لے لی اور وہ اپنے ہی خیالات کو قولِ مضحک کے طور پر پیش کرنے لگا۔ علی عمران نے فلسفیانہ نظریات کے مقابلے میں فلسفہ حماقت پیش کیا یعنی جب تک انسان خود کو عقل مند خیال کرتا رہے گا وہ احمق ہی رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ علی عمران نے قرآن کریم کی آیت "اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا" سے استدلال کیا ہو۔ علی عمران کے فکری ارتقا کی ایک مثال اس کے اشعار ہیں۔ ملک میں سرخ انقلاب لانے والوں کا فکری مقابلہ اس نے اشعار کے ذریعے کیا۔ استاد محبوب نرالے عالم کے ذریعے ملک میں سرخ انقلاب کی کوشش کرنے والوں کو اپنی نظم سنا کر علی عمران نے انھیں خبر دار کیا کہ وہ اپنے ملک کے نظریاتی تشخص کا دفاع کرے گا۔ علی عمران نے ثابت کیا کہ وہ خود کو ہر اعتبار سے ملک و قوم کا محافظ خیال کرتا ہے۔

علی عمران نے اس پر غور کیا کہ انسان طاقت و اختیار ملنے کے بعد مزید طاقت کے حصول کے لیے دیوانہ کیوں بن جاتا ہے؟ زیادتی کی اس حرص اور دیوانگی کی جھلکیاں اسے عالمی سطح کے جرائم میں بھی دکھائی

دیں۔ اسے انسان اور جرم کے درمیان تعلق کی نئی جہتوں کا علم ہوا۔ حکومتوں اور ریاستی امور کے کارپردازوں کی سفاک ذہنیت بھی علی عمران پر آشکارا ہوئی۔ علی عمران نے جان لیا کہ مغرب کی انسانیت نوازی بھی ایک دھوکا ہے۔ یہ سفید فام اقوام کی بالادستی اور مفاد پرستی کا دوسرا نام ہے۔ اس نے دیکھا کہ جدید مغربی تہذیب میں انسان پر ایک جانور کو بھی فوقیت حاصل ہے۔ ہر سطح کے مجرموں اور انسانیت کے دشمنوں کے ساتھ مسلسل مقابلوں کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ طاقت کے حصول اور دنیا کے وسائل پر تسلط جمانے کی جنگ نے انسانوں کو درندہ بنا دیا ہے۔

ابن صفی کے علی عمران انسانیت کی فلاح کا راستہ اور نظریہ اختیار کرتا ہے۔ وہ قومیت، لسانیت یا رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر انسانیت کی خاطر جینا چاہتا ہے۔ علی عمران کے نزدیک آدمی کی پہلی شناخت انسان ہونا ہے درندگی نہیں۔ یہ دیکھ کر وہ کہتا کہ اس کی زندگی کا مقصد عام آدمی کا تحفظ ہے تاکہ طاقت ور کمزور کو برباد نہ کر دے۔ وہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر طاقت ور کو چھوٹ مل گئی تو یہ زمین جہنم بن جائے گی۔

ابن صفی کا علی عمران مغربی فکر و فلسفے میں موجود تشکیک سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس کے رویے میں ہمیشہ اعتماد، یقین اور امید دکھائی دیتی ہے۔ پہلے وہ حماقتوں سے کام لے کر ماحول سے خوف اور تشویش کو کم کر دیا کرتا تھا بعد میں وہ سنجیدہ نظر آنے لگا اور ساتھیوں کو امید اور یقین کا پیغام دیتا رہا۔ علی عمران کا عمل قرآنِ کریم کے اس فرمان کے مطابق نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو امید دلاتا ہے اور شیطان قنوطیت پیدا کرتا ہے۔ وہ ایسی شگفتہ بیانی کے ساتھ اپنے یقین کا اظہار کرتا ہے جس سے انسانی عقل کو بھی تشفی ملتی ہے۔

اشتیاق احمد نے انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا، محمود، فاروق، فرزانہ، آصف، آفتاب، فرحت اور شوکی برادران کے کردار تخلیق کیے۔ ان کرداروں میں ابنِ صفی کے کرداروں سے کچھ نہ کچھ مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ اشتیاق احمد کے کرداروں میں مقامی گھریلو زندگی کے طور واطوار، وطن پرستی، پاکستانیت اور مذہب پسندی پائی جاتی ہے۔ تمام کرداروں نے وطن کے تحفظ کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا۔ انھوں نے مقامی سماجی جرائم سے لے کر قومی سلامتی اور عالمِ اسلام کے تحفظ کے حوالوں سے مہمات انجام دیں۔ ان کرداروں نے مختلف شعبوں بشمول سراغ رسانی، کوہ پیمائی، تیراکی، اسلحہ چلانے پر دسترس، جسمانی لڑائی اور مختلف قسم کی جنگی مہارتوں میں اپنا لوہا منوایا۔ ملک و قوم کی خاطر کارہائے نمایاں انجام دینے کی وجہ سے ان کرداروں کو

ریاست کی جانب سے خصوصی اجازت نامہ یا مراعات دی گئیں۔ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو صدرِ مملکت نے اپنے خصوصی اختیارات کے تحت خفیہ ایجنسیوں کا مطلق العنان سربراہ بھی مقرر کیا۔

انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا نے طب کی ایک خاص شاخ یعنی ہومیو پیتھی میں مہارت حاصل کی۔ مجرموں نے جب اس فن کو جرم کے لیے استعمال کیا تو انسپکٹر جمشید نے ہومیو پیتھی میں اپنی مہارت کی وجہ سے جرم اور اس کے طریقۂ کار کا سراغ لگالیا۔ ان کرداروں کے ارتقاء میں تسلسل کی بجائے اتار چڑھاؤ نظر آتا ہے ۔ کبھی وہ بڑی بڑی جنگوں میں بھی مسکراتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور کبھی بظاہر بہت چھوٹی باتوں پر پریشان ہوتے ہیں۔ کرداروں کا یہ رویہ ناول میں سسپنس کی غیر ضروری آمیزش پیدا کرتا ہے اور کہانی کے لطف کو بڑھانے کی بجائے گھٹا دیتا ہے کیوں کہ کسی کردار کو نفسیاتی سطح پر ایک جیسا ہی رکھا جانا چاہیے لیکن نفسیاتی سطح پر یہ کردار انفرادیت کا اظہار نہیں کر پائے۔ کسی بھی مکالمے یا رویے کے اظہار میں ایک کردار کو دوسرے کی جگہ رکھا جا سکتا ہے۔ سماجی سطح پر ان کا رویہ واعظانہ ہو گیا۔ دوسروں کو موقع بے موقع سمجھانے کی عادت پیدا ہو گئی۔ چند ناولوں میں تو کرداروں نے مذہبی موضوعات پر مناظرے بھی کئے۔

چھوٹے کردار محمود، فاروق اور فرزانہ، نیز آصف، آفتاب اور فرحت اور شوکی برادران بہت باتونی ہیں۔ ان کی پیشہ ورانہ مہارتوں، تجربات اور صلاحیتوں میں اضافہ ہوا لیکن حیرت انگیز طور پر ان کی عمروں میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں دکھائی گئی۔ ان کی ذہنی بلوغت کے باوجود جسمانی بلوغت کے متعلق کوئی بات نہیں کی گئی۔ ان کی عمروں اور تعلیمی ارتقاء کے مراحل پوشیدہ رہے۔ اندازاً یہ سب ثانوی درجات کے طلبہ و طالبات ہیں۔ ان بچوں کو مذہبی اقدار و روایات اور مشرقی آداب کا پابند ظاہر کرنے کا تقاضا یہ تھا کہ ارتقائی طور پر ان کے رویے، سماجی طرزِ عمل، نفسیاتی تبدیلیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تاکہ کردار حقیقی پاکستانی معاشرے کے مطابق دکھائی دیتے یا انھیں بچوں کی سطح پر ہی رکھا جاتا اور غیر منطقی یا دیومالائی قسم کی صلاحیتیں ظاہر نہ کی جاتیں۔ ان بچوں کے ارتقائی سفر میں اتار چڑھاؤ دکھایا گیا ہے لیکن اس عمر کے کسی بھی کردار میں رونما ہونے والی طبعی تبدیلیوں اور ان کے تقاضوں کا نظر انداز کرنے سے ان بچوں کے کرداروں میں سقم دکھائی دیتا ہے اور یہ سب معاشرے کے جیتے جاگتے افراد سے فاصلے پر نظر آتے ہیں حالانکہ ان کی گھریلو زندگی کو سامنے لانے کا فطری تقاضا یہ تھا کہ وہ طبعی تبدیلیوں کے مراحل سے گزرتے ہوئے نظر آتے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان

کے رویوں میں نفسیاتی اور طبعی تبدیلیاں فطری انسانی رویے کے لحاظ سے تبدیلی رونما ہوتیں یا ان کی مذہب پسندی کی وجہ سے کہانیوں میں کچھ ضروری تبدیلیاں کی جاتیں۔

مظہر کلیم کے علی عمران میں مذہب پسندی کے باوجود نفسیاتی، سماجی اور رویہ جاتی سطح پر اس کردار میں واضح تبدیلی آئی۔ اہلِ مذہب کے ساتھ روابط کا اظہار ہوا۔ ابتدا میں اس کردار کے رویے، نفسیاتی ردِ عمل اور سماجی برتاؤ میں مذہب کی جھلکیاں بہت کم تھیں البتہ والدہ کے ساتھ برتاؤ میں مشرقیت کا انداز ابتدا سے ہی موجود تھا۔ ہنسی مذاق اور بسا اوقات پھکڑ پن اس کے رویے کا نمایاں حصہ تھا۔ ارتقا میں یہ کردار ایک دیومالائی پیکر میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی شخصیت مافوق الفطرت دکھائی دینے لگی۔ دنیا بھر کے علوم وفنون اور سائنس اور آرٹس کے پیچیدہ علوم اس کے سامنے روشن ہو گئے۔ جسمانی لڑائی میں اس کا مدِ مقابل پوری دنیا میں کوئی نہ رہا اور اس کے سامنے ٹیکنالوجی، عالمی مجرم تنظیمیں یہاں تک کہ طاقت ور ریاستی ایجنسیاں بھی فیل ہو کر رہ گئیں۔ یہ کردار خواتین کے ساتھ رہنے، ان کے ساتھ تعلق کا اظہار کرنے اور گناہ کے مواقع میسر آنے کے باجود بدکاری سے بالکل دور رہتا ہے۔ ارتقائی طور پر اس رویے میں کوئی تبدیلی دکھائی نہیں دیتی البتہ بعض مواقع پر شیطانی قوتیں اسے حرام کاری کے بالکل قریب لے جاتی ہیں لیکن وہ غیبی امداد کی وجہ سے بچ جاتا ہے۔ اس کردار نے دنیا کے ہر خطے میں اسفار کیے۔ اس کی مہمات کا دائرہ دشمن ممالک سے لے کر عالمی مجرم تنظیموں کی خفیہ لیباٹریوں، میزائل اڈوں اور سمندروں کے اندر اور زیرِ زمین کام کرنے والے دہشت گردی کے مراکز تک پھیلا ہوا ہے۔ علی عمران ایم، ایس، سی، ڈی، ایس، سی (آکسن) نے اسرائیل کے خلاف بھی مہم جوئی کی۔ اس کی مزاحیہ پھکڑ بازی اور احمقانہ حرکتوں میں کمی آگئی۔ رویے میں بھی بہتری شائستگی، متانت اور پھر دین و مذہب کے ساتھ قلبی تعلق کا اظہار ہوا۔ دین ومذہب کے ساتھ اس کردار کے تعلق میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ مصنف مظہر کلیم کے جواں سال بیٹے کے انتقالِ پر ملال کے بعد علی عمران کے کردار پر سنجیدگی چھانے لگی اور مذہب کے ساتھ تعلق میں اضافہ ہو گیا۔ علی عمران نے ماورائی دنیا میں بھی کام کیا اور صوفیا کے ساتھ اس کا تعلق گہرا ہو گیا یہاں تک کہ وہ ان کے احکام کے مطابق مہمات انجام دیتا رہا۔ علی عمران کے مکالموں، رویوں اور مزاج پر تصوف کا رنگ دکھائی دیا۔ وہ خاکساری اور عاجزی کا مظاہرہ کرنے لگا۔

ب۔ نتائج:

☆ ابن صفی نے اپنے ناولوں کے ذریعے اردو کے جاسوسی ادب کو عالمی ادب میں پیش کیے جانے کے قابل بنایااور انسانوں کو درپیش مسائل اور انسانی حیات کے مختلف پہلوؤں پر منفرد انداز میں روشنی ڈالی۔

☆ ابنِ صفی نے کرداری نگاری میں فکر و فن کی حتی الامکان رعایت رکھی۔ ان کے کردار اسی دنیا کے جیتے جاگتے لوگ محسوس ہوتے ہیں۔ ابنِ صفی کے ناولوں میں اعلیٰ درجے کا مزاح، نقد و نظر اور طنز پایا جاتا ہے۔

☆ ابن صفی نے جاسوسی ادب میں ایک منفرد جہت سے شائستہ اور شستہ مزاح پیش کیا۔

☆ ابنِ صفی نے اپنے کرداروں کے مکالموں کے ذریعے جاسوسی ادب میں سماج کے جملہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی، ماڈرن ازم یا شاعری اور موسیقی کے جدید رجحانات پر قدامت پسندی کو ترجیح دی اور درپیش مسائل کے حل کے لیے مشترکہ سوچ اختیار کرنے کا نظریہ دیا۔ ماڈرن ازم میں موجود مادیت پرستی اور پر تعیش زندگی کو مسترد کیا۔

☆ ابن صفی نے فریدی اور علی عمران کے کرداروں کے ذریعے نوجوانوں کو مقصدیت، حب الوطنی اور قانون کی پاس داری کی تعلیم دی۔

☆ ابن صفی نے علی عمران کے ذریعے پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف عالمی سازشوں کی جانب توجہ دلائی۔ صہیونی منصوبوں کو زیرولینڈ اور دیگر کرداروں مثلاً تھریسیا، نانوتہ، سنگ ہی وغیرہ کے ذریعے اجاگر کیا۔ کہانی، کردار نگاری، پلاٹ، موضوع اور انسانی نفسیات کی نزاکتوں کی رعایت رکھتے ہوئے جاسوسی ناول نگاری بظاہر ناممکن اور جان جوکھم کام تھا جو ابنِ صفی نے پورا کر دکھایا۔

☆ ابنِ صفی نے ہر کردار کے ساتھ مکمل انصاف سے کام لیا۔ ان کے مثبت کردار بھی اعلیٰ درجے کا مزاح پیش کرتے ہیں۔ مضحک کرداروں کے ساتھ ان کی مماثلت نہیں پائی جاتی وہ قطعی طور پر ایک الگ اور منفرد فرد دکھائی دیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ فن کردار نگاری کے حوالے سے سماج کو درپیش مسائل اور انسانی

نفسیات کو باریکیوں کے ساتھ پیش کرنا ایک غیر معمولی علمی، ادبی اور نظریاتی کارنامہ ہے۔ ابنِ صفی کو اردو ہی نہیں عالمی ادب میں بھی ان کا جائز مقام ملنا چاہیے۔

☆ اشتیاق احمد بنیادی طور پر بچوں کے ادیب تھے لیکن ان کے لکھے ہوئے ناول بچوں کے علاوہ بڑے بھی شوق سے پڑھتے تھے اور ان کے لکھے ہوئے ناولوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ اس لیے اشتیاق احمد اردو پاکستانی اردو ادب کا حوالہ ہیں۔ جاسوسی ادب میں پاکستانی ماحول، معاشرے، کلچر گھریلو روایات اور سماجی حالات کو پیش کیا اور اپنے کرداروں کے ذریعے پاکستانیت کی تبلیغ کی۔ انھوں نے بچوں میں جذبہ حب الوطنی پیدا کرنے کے ساتھ عالمی سازشوں کے متعلق آگاہی فراہم کی اور ملک اور قوم کی خاطر اپنے کرداروں کے ذریعے قارئین کو جدوجہد کا پیغام دیا۔ اشتیاق احمد نے اپنے کرداروں کے مکالموں اور ناولوں میں پیش کردہ سچویشن کے ذریعے بچوں میں مذہب وملت، ملک و قوم، دین و وطن کے حوالے سے حساسیت کو بیدار کیا اور اسلامیت اور پاکستانیت کو فروغ دیا۔ وہ کچھ عرصے کے لیے مسلکی اختلافات کے موضوعات پر بھی لکھتے رہے اس سے ان کی مقبولیت پر بھی فرق پڑا لیکن جلد ہی انھوں نے دوبارہ قومی سوچ کے مطابق لکھنا شروع کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ ان کی سوچ و فکر کے دھارے میں تبدیلی آتی رہی ہے۔

☆ اشتیاق احمد کے کرداروں میں سچائی، پاکیزگی اور دیانت و امانت کے اوصاف پائے جاتے ہیں جو بچوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

☆ اشتیاق احمد نے اپنے کرداروں کے ذریعے بہتر زبان سیکھنے، سمجھنے، بولنے اور لکھنے کا شعور دیا۔

☆ اشتیاق احمد کے کردار مکالموں میں آیات و احادیث کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے کرداروں کے ذریعے قارئین کو زندگی کے متعلق ایک خاص نقطۂ نظر سے آگاہ کرتے ہیں۔

☆ اشتیاق احمد کی کردار نگاری فلسفیانہ گہرائی اور انسانی نفسیات کے مطابق برتاؤ کے معیار پر پورا نہیں اترتی کیوں کہ ان کے مکالموں میں انسانی شخصیت کی انفرادیت کا اظہار نہ ہونے کے برابر ہے۔ کرداروں میں یکساں رویے بھی پائے جاتے ہیں۔

☆ بعض کرداروں کے متعلق سوچا جا سکتا ہے کہ ان کی کہانی میں کوئی واقعی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ کہ بعض افعال اور اقوال بھی غیر ضروری یا غیر اہم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے کردار خیر و شر، جرم و سزا اور قانون کی بالادستی کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں اپنی صلاحیتوں اور مہارتوں سے زیادہ غیبی امداد پر یقین رکھتے ہیں۔

☆ مظہر کلیم نے علی عمران کو اپنے ناولوں کا مرکزی کردار بنایا جو بنیادی طور پر ابنِ صفی کی تخلیق ہے۔ مگر مظہر کلیم نے عمران سیریز میں سینکڑوں مجرم، منفی اور متعدد مضحک کردار خود بھی تخلیق کیے اور دیگر کچھ نئے کردار اردو کے جاسوسی ادب میں متعارف کروائے۔

☆ مظہر کلیم کی کرداری نگاری سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں مجرموں کی نفسیاتی کیفیت اور اوصاف پر بڑا عبور تھا کیوں کہ وہ خود وکیل بھی تھے۔ انھوں نے نئے نئے مجرم کرداروں کا تجربہ کیا۔ وہ کہانی میں کسی مجرم کردار کو رعایت نہیں دیتے تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجرموں کو معاف کر دینے کے حق میں نہ تھے۔

☆ مظہر کلیم نے عمدہ کردار نگاری کی لیکن ان کے کردار مقبولِ عام ادب کی ضرورت ہی کو پورا کرتے ہیں۔

☆ مظہر کلیم کی کردار نگاری میں مبالغے کا عنصر پایا جاتا ہے۔ خاص طور پر مرکزی کردار علی عمران کو عام انسانی اوصاف سے بڑھا کر بیان کیا ہے۔

☆ مظہر کلیم کے کردار فاسٹ ایکشن پر یقین رکھتے ہیں۔ کرداروں کے عمل میں تیزی کا عنصر نمایاں ہے۔ کردار نگاری میں سسپنس کا عنصر موجود ہے۔ ان کے کردار سراغ رسانی کے جدید ترین آلات اور وسائل استعمال کرتے ہیں، سائنسی ایجادات و اختراعات کا مظہر کلیم بکثرت استعمال کرنے کے عادی ہیں۔

☆ مظہر کلیم کی کرداری نگاری میں گہرائی اور فلسفیانہ رنگ نہیں پایا جاتا، ان کا مزاح بھی محض طنز، جگت، قولِ مضحک اور واقعاتی ہے۔ وہ جملوں کے اندر ندرت خیال سے وہ لطف پیدا نہیں کر پاتے جو ابنِ صفی کا خاصہ ہے۔

☆ اردو جاسوسی ادب کے مذکورہ بالا تینوں نامور ناول نگاروں کی کردار نگاری کو سامنے رکھیں تو ابنِ صفی کی کردار نگاری سب سے مقدم ہے۔ ان کے کرداروں کے مکالموں کو دیکھا جائے تو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کردار سماجی مسائل پر مباحثے میں شریک ہیں یا جاسوسی ادب کی کسی مہم کا حصہ ہیں۔ ابنِ صفی کے کردار اپنے عہد کے مسائل، انسانوں کی مشکلات اور رنگ و نسل اور جغرافیائی اختلاف کی بنیادوں پر باہم شمشیر آزما ہونے والی اقوام کی نفسیات کو بھی سمجھتے ہیں اور مظلوم انسانوں کے دکھوں اور غموں کا ادراک بھی رکھتے ہیں۔ ابنِ صفی کے کردار کرنل فریدی اور خاص طور پر علی عمران مغربی نظریات کی انسانیت کی بنیاد پر ہی تردید کرتے ہیں۔

☆ ابنِ صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم اردو جاسوسی ادب کے تینوں معروف ترین ناول نگاروں کے مرکزی کرداروں میں جو بڑی ارتقائی تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے وہ ان کا دین ومذہب کی جانب جھکاؤ، مضامینِ تصوف کو اہمیت دینا اور سیاسی تبدیلی کے لیے فرد کی اصلاح کے نظریے کو قبول کرنا ہے۔ تینوں مصنفین تزکیہ، اخلاص، انسان دوستی، احترامِ آدمیت کے اصولوں کے پرچارک ہیں۔ اس حوالے سے تینوں مصنفین نے مشرقی اقدار و روایات پر عمل ہی کو اپنے معاشرے کے لیے درست سمجھا۔ ابنِ صفی کی والدہ کا مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے حلقے سے تعلق بھی ایک بنیادی سبب ہو سکتا ہے جب کہ اشتیاق احمد بھی روایت پسند حلقے سے وابستہ تھے۔ اسی طرح مظہر کلیم بھی کسی روحانی سلسلے کے ساتھ وابستہ تھے۔ جیسا کہ مظہر کلیم کے خیر و شر کے سلسلے میں لکھے گئے ناولوں سے اندازہ ہوتا ہے۔

☆ ابنِ صفی نے کردار نگاری کے اعلیٰ تقاضوں کے مطابق کہانی پیش کرنے اور اس میں زندگی کے اعلیٰ تصورات کو اجاگر کرنے میں کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔ کردار نگاری کے زمرے میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کے تراشے ہوئے مرکزی کرداروں کا تقابل اگر عالمی ادب میں پیش کیے گئے معروف کرداروں سے کیا جاسکتا

ہے۔ ان کے کردار انسانوں کو درپیش مسائل کو سطحی انداز میں دیکھنے کی بجائے فلسفیانہ گہرائی اور برتر تصور کے تناظر میں کسی خاص فریم ورک کے ساتھ دیکھنے اور حل کرنے کے عادی ہیں۔ ابنِ صفی کی کردار نگاری کی یہ خوبی انھیں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

ج۔ سفارشات:

☆ اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کا موضوعاتی سطح پر اور مذہبی و سیاسی نظریات کے حوالے سے مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

☆ ابنِ صفی کی فلسفہ مغرب پر مضحک تنقید کا جائزہ بھی ایک موضوع ہے جس پر تحقیق کام کیا جاسکتا ہے۔

☆ ابنِ صفی کے اسلوب کردار نگاری اور مزاح کو نصاب میں بطورِ مضمون شامل کرنا چاہیے۔

☆ ابنِ صفی، اشتیاق احمد اور مظہر کلیم اردو جاسوسی ادب کے تینوں معروف ترین ناول نگاروں کے کرداروں کا دین و مذہب کی جانب جھکاؤ، مضامینِ تصوف کو اہمیت دینا اور سیاسی تبدیلی کے لیے فرد کی اصلاح کا نظریہ پیش کرنا اور تزکیہ، اخلاص، انسان دوستی، احترامِ آدمیت کے تناظر میں تفصیلی کام کی ضرورت ہے۔

☆ اشتیاق احمد اور مظہر کلیم کے ہاں جرائم کے نت نئے پہلوؤ اور مجرموں کا تنوع تحقیق کا اہم موضوع ہے۔

☆ ابن صفی کے کرداروں کا عالمی ادب میں پیش کیے جانے والے جاسوسی یا سراغ رساں کرادروں سے تقابل تحقیق کا اہم موضوع ہو سکتا ہے جیسے کرنل فری اور علی عمران کا تقابل شرلاک ہومز اور جیمز بانڈ سے۔

☆ نسل نو میں بہتر ادبی ذوق، تعمیری جدوجہد اور مسائل کے حل کا شعور اجاگر کرنے کے لیے محققین اور ادبا کے لیے جامعات کی سطح پر ورکشاپ اور کانفرنس وغیرہ کا انعقاد اہمیت کا حامل ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذات

ابنِ صفی، الفانسے، جلد5، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، اونچا شکار، جلد25، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، بحری یتیم خانہ، جلد17، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، بلی چیختی ہے، جلد13، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، بھیانک آدمی، جلد2، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، پاگلوں کی انجمن، جلد17، اسرار پبلیکیشنز، لاہور

ابنِ صفی، پراسرار چیخیں، جلد1، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد

ابنِ صفی، پیاسا سمندر، جلد8، اسرار پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، تابوت میں چیخ، جلد15، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، تصویر کا دشمن، جلد33، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، تیسرا شعلہ، جاسوسی دنیا، جلد18، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، تیسری ناگن، جاسوسی دنیا، جلد36، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، ٹسڈل کی بیداری، جلد34، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، ٹھنڈی آگ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، جہنم کا شعلہ، جلد18، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، حماقت کا جال، جلد6، اسرار پبلیکیشنز، لاہور سن ندارد

ابنِ صفی، خطرناک لاشیں، جلد9، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، خوف ناک عمارت جلد 1، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد

ابنِ صفی، خونی ریشے، جلد36، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، درندوں کی بستی، جلد5، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، دلیر مجرم، جلد1، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، دھواں اٹھ رہاتھا، جلد28، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، دھوئیں کی تحریر، جلد3، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد

ابنِ صفی، دوسرارخ، جلد31، حصہ اول، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد

ابنِ صفی، دیو پیکر درندہ، جلد34، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، رلانے والی، جلد33، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، ڈیڑھ متوالے، ج2، اسرار پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، رائفل کا نغمہ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، ریت کا دیوتا، جلد38، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، زلزلے کا سفر، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، زہریلا سیارہ، جلد39، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، ستاروں کی چیخیں، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، سیکڑوں ہم شکل، جلد26، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، شکاری پر چھائیاں، جاسوسی دنیا، جلد41، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، شفق کے پجاری، جلد6، اسرار پبلیکیشیز، سن ندارد

ابنِ صفی، شوگر بینک، جلد15، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، شیطان کی محبوبہ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، ندارد

ابنِ صفی، طوفان کا اغوا، جلد21، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، کنگ چانگ، جلد20، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، لڑکیوں کا جزیرہ، جلد3، اسرار پبلیکیشنز، ندارد

ابنِ صفی، مہلک شناسائی، جلد35، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، موت کی آہٹ، جلد31، پہلا حصہ، اسرار پبلیکیشنز، سن ندارد

ابنِ صفی، وبائی ہیجان، جلد25، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

ابنِ صفی، ہمزاد کا مسکن، جلد41، اسرار پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، اُن کے کارنامے، فیروز سنز، لاہور، 1974

اشتیاق احمد، انڈونیشیا کا ہوا، اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، بار اول، فروری 1989

اشتیاق احمد، باطل قیامت اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، پارسل میں بم، اٹلانٹس پبلیکیشنز، کراچی، سن ندارد

اشتیاق احمد، پانچ پیسے کا کیس، اشتیاق پبلیکیشنز، لاہور، اپریل 1984

اشتیاق احمد، جاپانی فتنہ، انداز پبلیکشنز لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، جمشید پر کیس، اشتیاق پبلی کیشنز لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، جنت میں قتل، اشتیاق پبلی کیشنز لاہور، 1987

اشتیاق احمد، جنگل میں کارنامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1978

اشتیاق احمد، جنوں کا طوفان، انداز پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، چائے کا بھکاری، اشتیاق پبلی کیشنز، 1983ء

اشتیاق احمد، حاتم کا باپ، اٹلانٹس پبلی کیشنز، کراچی، سن ندارد

اشتیاق احمد، خودکشی کی دعوت، مکتبہ اشتیاق، لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، خون کا سمندر، اٹلانٹس پبلیکیشنز کراچی، سن ندارد

اشتیاق احمد، خونی سائنس دان، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

اشتیاق احمد، دنیا کے قیدی، اشتیاق پبلیکیشنز لاہور، جولائی 1984ء

اشتیاق احمد، ژابنائے مہم، اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، جولائی 1986

اشتیاق احمد، سرخ تیر کی وادی میں، اشتیاق پبلی کیشنز، 1976

اشتیاق احمد، سلاٹر کی واپسی، اشتیاق پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، سمندر کی آگ، اشتیاق پبلی کیشنز، جنوری 1991ء

اشتیاق احمد، غار کا کنواں، اشتیاق پبلیکشنز لاہور، 1989ء

اشتیاق احمد، فائل کا انتقام، انلانٹس پبلیکیشنز کراچی، سن ندارد

اشتیاق احمد، کمرہ نمبر 420، مکتبہ اقراء، لاہور، بار دوم، اکتوبر 1979ء

اشتیاق احمد، لوہے کا آدمی، اشتیاق پبلیکیشنز، لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، موت کا جزیرہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1978

اشتیاق احمد، موت کی سرنگ، اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، نیا کارنامہ، اشتیاق پبلی کیشنز، لاہور، سن ندارد

اشتیاق احمد، وادی مرجان، اٹلانٹس پبلی کیشنز کراچی، سن ندارد

اشتیاق احمد، ہنگامے کی موت، مکتبہ اقرا، لاہور، بار دوم

اشتیاق احمد، یشوما اور سرخ تیر، فیروز سنز، لاہور، 1976

مظہر کلیم، انکانا، یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، اوپن کلوز، یوسف برادرز، پاک گیت ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، ایکابان، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، ایکشن گروپ حصہ دوم، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، بارکی، یوسف برادر، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، بانکے مجرم، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، بلیک کرائم، جلد دوم، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، بلیک ہاونڈز حصہ دوم، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، تاتارڈیگرز، یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، تفریحی مشن، یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، تفریحی مشن حصہ دوم، خان برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، تھریڈ بال مشن، چند باتیں، یوسف برادرز، ملتان، سن ندرارد

مظہر کلیم، ٹرومین، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، جناتی دنیا، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، جیالے جاسوس، یوسف برادز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، ریڈ آرمی، یوسف برادر، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، ڈاگ کرائم، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، ڈینجر گروپ چاؤ، خان برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، زیرولاسٹری، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، سپر مائنڈ ایجنٹ، یوسف برادز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، عمران کا اغوا، یوسف برادرز ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، عمران کی موت، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، فلاسٹر پروجیکٹ حصہ دوم، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، فیس آف ڈیتھ، یوسف برادرز، پاک گیٹ، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، کاروانِ دہشت، یوسف برادرز، ملتان، سن طباعت ندارد

مظہر کلیم، کالی دنیا، خان برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، لاسٹ سیٹ اپ، چند باتیں، یوسف برادرز، ملتان، سن ندرارد

مظہر کلیم، لوگاسا مشن، یوسف برادرز ملتان، سن ندرارد

مظہر کلیم، لیڈی کلرز، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، مثالی دنیا، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، مہاپرش، یوسف برادرز، ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، ناقابلِ تسخیر مجرم، یوسف برادرز، ملتان، سن ندراد

مظہر کلیم، ناواشنگو، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

مظہر کلیم، وننگ پارٹی، خان برادرز، ملتان سن ندارد

مظہر کلیم، وے ٹوایکشن، یوسف برادرز، پاک گیٹ ملتان، سن ندارد

ثانوی مآخذات

ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، ادبی اصطلاحات کا تعارف، اسلوب لاہور ۲۰۱۵ء

ابوالکلام قاسمی، ناول کا فن، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2001ء

احسن فاروقی، ڈاکٹر، ڈاکٹر سید نورالحسن ہاشمی، ناول کیا ہے؟ درد اکادمی لاہور ۱۹۶۴ء

ارتضی کریم، ڈاکٹر، اردو فکشن کی تنقید، تخلیق کار پبلشرز، دہلی، 1996

ارتضی کریم، اظہار عثمانی (مرتبین) اردو میں پاپولر لٹریچر: روایت اور اہمیت، اردو اکادمی، دہلی، 2015ء

اشتیاق احمد، میری کہانی، اٹلانٹس پبلیکیشنز، کراچی، 2017ء

اطہر پرویز، داستان کا فن، بک ٹاک، لاہور، 2019ء

انور جمال، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۹۸ء

ایس ایم معین قریشی، اردو زبان و ادب، شیخ شوکت علی اینڈ سنز، لاہور، اشاعت اول، اپریل 1986ء

خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، فکشن ہاؤس، لاہور، 2005ء

خالد محمود، خالد جاوید (مرتبین)، ابن صفی شخصیت اور فن کے آئینے میں، دہلی اردو اکیڈمی، دہلی،

خلیل احمد بیگ، مرزا، پروفیسر، زبان، اسلوب اور اسلوبیات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، اشاعت دوم 2011ء

راشد اشرف، ابن صفی: شخصیت اور فن، بزم تخلیق ادب پاکستان، کراچی، جنوری 2013ء

راشد اشرف (مرتب)، سری ادب اور ابن صفی، فضلی بک، کراچی، جنوری 2021ء

روبینہ تبسم، اردو فکشن: تنقیدی تناظرات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2017ء

سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2013ء

سہیل بخاری، اردو ناول نگاری، مکتبہ جدید، لاہور، 1960ء

سوزن بیسنیٹ، تقابلی ادب ایک تنقیدی جائزہ، مترجم توحید احمد، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2015ء

طیبہ خاتون، اردو نثر کی داستان، ارسلان بکس، میرپور آزاد کشمیر، ستمبر 2003ء

عبدالقادر سروری، کردار اور افسانے، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن، 1929ء

عظیم الشان صدیق، اردو ناول: آغاز وارتقا، بک ٹاک، لاہور، 2019ء

علی حیدر، سید، ڈاکٹر، اردو ناول، سمت و رفتار، شبستان، الہ آباد، 1979ء

فاروق احمد، اشتیاق احمد: شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2021ء

قاسم محمود، سید، پاکستانیکا، الفیصل، لاہور، چھٹا ایڈیشن، نومبر 2008ء

قاسم یعقوب (مرتب)، اردو میں اسلوب اور اسلوبیات کے مباحث، سٹی بک پوائنٹ کراچی، 2017ء

محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2009ء

محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تاریخ اردو زبان و ادب (ملکی اور عالمی تناظر میں)، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2018ء

محمد فیصل، ابن صفی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2017ء

محمد عارف اقبال، ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، اردو بک ریویو، دہلی، جون 2013ء

مشتاق احمد، قاضی، اردو نثر ایک مطالعہ، دارالشعور، لاہور، 2015ء

مشتاق احمد قریشی، ابن صفی کون؟ نئے افق گروپ آف پبلیکیشنز، کراچی، س ن

مشتاق احمد قریشی، ابن صفی کا نیا رخ، نئے افق گروپ آف پبلیکیشنز، کراچی، مئی 2017ء

مظفر سلطان پوری، سید، ابن صفی زندہ ہے، پروین بخاری پبلشر، نواب شاہ، اگست 1980ء

ممتاز حسین، ادبی مسائل، مکتبہ اردو، لاہور، فروری 1955ء

مہ نور زمانی بیگم، کرشن چندر کے ناولوں میں نسوانی کردار، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، 1987ء

نجم الہدیٰ، ڈاکٹر، کردار اور کردار نگاری، میر بخش علی اسٹریٹ مدراس ۱۹۸۰ء

یوسف سرمست، پروفیسر، بیسویں صدی میں اردو ناول، بک ٹاک، لاہور، 2019

Ken Gelder ،Popular Fiction: The Logics and Practices of a Literary Field،Routledge, London,2004

Christine Berberich, The Bloomsbury Introduction to Popular Fiction, Bloomsbury Academic, UK,2015

مقالات

ارشاد علی، اردو نثر کے مضحک کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ، مقالہ برائے (پی ایچ۔ڈی) اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

بشریٰ پروین، مقبول عام فکشن، پاپولر ادب کا معیار ضرورت و اہمیت، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، 2014ء

خورشید احمد وٹو، ابن صفی کی ادبی خدمات، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 1997ء

فائقہ جبین، بچوں کے جاسوسی ادب میں اشتیاق احمد کی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے ایم اے اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن برائے خواتین بنک روڈ کیمپس لاہور، 2010ء

محمد طیب علی، ابن صفی کے نمائندہ نسوانی کردار، مقالہ برائے ایم فل اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، 2015ء

محمد عزم الحق شاہ، ابن صفی کے مرکزی کردار: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے ایم فل اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، نومبر 2020ء

نادیہ اشرف، مقبول عام منتخب اردو ناولوں کا فکری و فنی مطالعہ (نمائندہ خواتین ناول نگاروں کے حوالے سے)۔ مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ستمبر 2021ء

David Vermillion, AN ANALYSIS OF THE TECHNIQUES OF CHARACTERIZATION IN SELECTED FICTION OF JACK LONDON, Master of Science Thesis, Indiana State Teachers College, Indiana, 1956

Gloria Bansi Borde ،"POPULARITY OF POPULAR LITERATURE: A STUDY IN SCIENCE FICTION" ،Thesis Of PhD (English) , The University Of Pune, Aundh Pune

Patrick Martin ،Characterisation in the Novel: an Aesthetic of the Uncanny ،Thesis Of PhD, School of Communications, Dublin City University,July 2004

Paul Raphael Rooney, "ReadershipAnd Non-Canonical Victorian Popular Fiction 1860-1900:Materiality,Textuality, and Narrative", PhD Thesis, College of Arts, Social Sciences, and Celtic Studies National University of Ireland, Galway, 2013

رسائل و جرائد

اردو ریسرچ جرنل، 6، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، جولائی، 2015ء

جرنل آف ریسرچ، 22، مدیر قاضی عابد، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، 2012ء

سہ ماہی آمد، کتابی سلسلہ 5، مدیر عظیمہ فردوسی، پٹنہ، دسمبر 2012ء

معیار 8، مدیر رشید امجد، شعبہ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2012ء

تحقیقی زاویے، 8، مدیر رشید امجد، شعبہ اردو الخیر یونیورسٹی، بھمبر، 2016ء

سہ ماہی ادبیات (حصہ اول و دوم)، شمارہ نمبر 22-121، مدیر اختر رضا سلیمی، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، جولائی تا دسمبر 2019ء

اخبارات

روزنامہ، ایکسپریس، بدھ، 30 مئی 2018ء

روزنامہ نئی بات، 20 اکتوبر 2019ء

روزنامہ، ایکسپریس، اتوار، 20 دسمبر 2015ء

روزنامہ ایکسپریس کراچی، 18 جون 2019ء

لغات

اوکسفورڈ ڈکشنری، اورینٹل بک سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۰ء

تصدق حسین، مولوی، سید، لغات کشوری، سترہویں بار، منشی نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۹۴۷ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، ۱۹۸۲ء

سید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ، طبع پنجم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۶ء

فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

قاموس الاصطلاحات، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۲ء

محمد عبداللہ خویشگی، فرہنگ عامرہ، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

Abdul Haq, English Urdu Dictionary, Thired Edition, Anjum Press, karachi

The Penguin Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, By J.A Cuddon

1999

ضمیمہ جات

سوالنامہ

بحوالہ ابن صفی

1۔ابن صفی کے مرکزی کرداروں (کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور علی عمران) اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں سے متعلق آپ کی رائے؟ مذکورہ کرداروں میں کیا ارتقا ہوا ہے؟

2۔ابن صفی کے کردار ان کی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟ وہ کون سی صفات ہیں جو ان کو امتیاز عطا کرتی ہیں؟

3۔ابن صفی کے معاصرین اور بعد کے جاسوسی ادب پر ان کے اثرات؟

بحوالہ اشتیاق احمد

1۔ اشتیاق احمد کی ناول نگاری اور مرکزی کرداروں (انسپکٹر جمشید / محمود، فاروق، فرزانہ / انسپکٹر کامران مرزا / آصف آفتاب، فرحت / شوکی برادران اور رفعت) اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں یا کسی طرح کے اثرات کے متعلق آپ کی رائے؟

2۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اشتیاق احمد جاسوسی ناول نگاری میں منفرد اسلوب اور کرداروں کے حامل ہیں؟ وضاحت کریں۔

3۔ اشتیاق احمد کے مرکزی کرداروں کے امتیازات کیا ہیں؟

بحوالہ مظہر کلیم

1۔ مظہر کلیم کی ناول نگاری کا بہتر نمونہ کون سا ہے اور کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مظہر کلیم ابن صفی اور اشتیاق احمد کے مقابلے میں زیادہ پسند کیے جاتے ہیں؟

2۔ مظہر کلیم کے مرکزی کردار ہماری معاشرتی اقدار اور حقیقی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟

3۔ کیا مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار کو ابن صفی سے منفرد انداز میں پیش کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

4۔ مظہر کلیم کے ابتدائی ناولوں اور مابعد ناولوں میں علی عمران میں کیا تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں؟

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ مذکورہ سوالوں کے جوابات الگ ست لکھ کر مندرجہ ذیل ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ ابن صفی کے مرکزی کردار)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**sayyedfahad@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

سید فہد ترمذی

تعلیمی قابلیت

ایم-اے آئی-آر

پیشہ و ادبی خدمات

کمپیوٹر ڈپارٹمنٹ پاکستان سکاؤٹس کیڈٹ کالج بٹراسی مانسہرہ، مانسہرہ ہزارہ سے تعلق ہے۔ اردو جاسوسی ادب پر کچھ مضامین بھی لکھے ہیں جو سوشل میڈیا پر سراہے بھی جاتے ہیں۔

ابن صفی کے مرکزی کردار

ابن صفی کے مرکزی کرداروں (کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور علی عمران) اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں سے متعلق آپ کی رائے؟ *

ابن صفی نے اپنے سارے مرکزی کرداروں کو ساتھ ساتھ پروان چڑھایا ہے، فریدی و حمید کے پہلے ناول دلیر مجرم میں اور آخری ناول صحرائی دیوانہ میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید میں فرق محسوس ہوتا ہے جو کہ اچھا لگتا ہے، بالکل اسی طرح علی عمران کے کردار کو بھی ابن صفی نے پروان چڑھایا اور اپنے ناولوں میں کوئی کمی نہیں رہنے دی۔

ابن صفی کے کردار ان کی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟ *

بہت ساری جگہوں پر ابن صفی کے کرداروں میں ابن صفی کی جھلک نظر آتی ہے، خاص طور پر کرنل فریدی، علی عمران اور کیپٹن حمید کے کرداروں میں ابن صفی کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ابن صفی نے اپنے پہلے ناول میں حمید کی عمر چوبیس سال لکھی جبکہ ابن صفی کی اپنی عمر چوبیس سال تھی، عمران کا پہلے ناول لکھتے وقت ابن صفی کی عمر ستائیس سال تھی اور عمران کی عمر ابن صفی نے ستائیس سال دکھائی، کرنل فریدی ابن صفی کا آئڈیل کردار تھا۔ ایک پیشرس میں بھی ابن صفی نے بتایا کہ پڑھنے والے ابن صفی کی شخصیت انکے کرداروں میں تلاش کرتے ہیں اور یہ درست بھی ہے مگر اس سلسلے میں ابن صفی نے لکھا کہ انہیں بور نہ کیا جائے۔

ابن صفی کے معاصرین اور بعد کے جاسوسی ادب پر ان کے اثرات؟ *

واضح طور پر ابن صفی کے معاصرین اور انکے بعد جاسوسی ناول لکھنے والوں پر ابن صفی کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بلکہ جاسوسی ادب کے علاوہ اردو کی دیگر اصناف سے تعلق رکھنے والے مصنفین کی کتب میں بھی ابن صفی کے اثرات ملتے ہیں اور کئی مصنفین اس بات کا برملا اظہار و اعتراف بھی کرتے ہیں۔

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ مذکورہ سوالوں کے جوابات الگ ست لکھ کر مندرجہ ذیل ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ ابن صفی کے مرکزی کردار)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**mosid.yousuf@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

محمد معین یوسف

تعلیمی قابلیت

ایم بی اے

پیشہ و ادبی خدمات

ملازمت

ابن صفی کے مرکزی کردار

ابن صفی کے مرکزی کرداروں (کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور علی عمران) اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں سے متعلق آپ کی رائے؟ *

سوال سمجھ نہیں آیا

ابن صفی کے کردار ان کی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟ *

تقریبا قریب ہیں

ابن صفی کے معاصرین اور بعد کے جاسوسی ادب پر ان کے اثرات؟ *

کافی زیادہ ہیں خاص کر مظہر کلیم صاحب کے اثرات زیادہ ہیں

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ مذکورہ سوالوں کے جوابات الگ ست لکھ کر مندرجہ ذیل ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ ابن صفی کے مرکزی کردار)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**mrrazaasim@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

عاصم رضا

تعلیمی قابلیت

ایم ایس (کمپیوٹر سائنس)

پیشہ و ادبی خدمات

بطور پیشہ میرا تعلق کمپیوٹر سائنس کے ساتھ ہے ۔ ادبی خدمات اگر کوئی ہو سکتی ہیں تو بطور مترجم ۔

ابن صفی کے مرکزی کردار

* ابن صفی کے مرکزی کرداروں (کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور علی عمران) اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں سے متعلق آپ کی رائے؟

ابن صفی کے ہاں تو کرنل فریدی ، کیپٹن حمید اور علی عمران میں کوئی خاص ارتقاء محسوس نہیں ہوتا ۔ البتہ مظہر کلیم کے ہاں علی عمران کے کردار میں ارتقاء محسوس ہوتا ہے ۔

* ابن صفی کے کردار ان کی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟

کرنل فریدی کی حد تک ابن صفی کے کردار ان کی زندگی سے میل کھاتے ہیں ۔

* ابن صفی کے معاصرین اور بعد کے جاسوسی ادب پر ان کے اثرات؟

ابن صفی کے معاصرین کے اثرات تو تقریبا نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ البتہ ابن صفی کے اثرات ان کے معاصرین اور بعد میں لکھنے والوں پر ضرور ہیں ۔ مظہر کلیم کے ہاں بھی ابن صفی کی اٹھائی ہوئی بنیادیں معلوم ہوتی ہیں ۔

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ ست لکھ کر اس ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ اشتیاق احمد کے مرکزی کردار)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**sayyedfahad@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

سید فہد ترمذی

تعلیمی قابلیت *

ایم۔اے آئی۔آر

پیشہ و ادبی خدمات *

کمپیوٹر ڈپارٹمنٹ، پاکستان اسکاؤٹس کیڈٹ کالج بٹراسی مانسہرہ، مانسہرہ سے تعلق ہے، کچھ مضامین بھی لکھے ہیں۔

اشتیاق احمد کے مرکزی کردار

اشتیاق احمد کی ناول نگاری اور مرکزی کرداروں (انسپکٹر جمشید؛محمود؛ محمود، فاروق، فرزانہ؛ انسپکٹر کامران مرزا؛ آصف آفتاب، فرحت؛ شوکی برادرز اور رفعت)   اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں یا کسی طرح کے اثرات کے متعلق آپ کی رائے؟ *

اشتیاق احمد بھی ابن صفی سے کافی متاثر تھے اور اس کا اظہار بھی کر چکے ہیں، اشتیاق احمد کے کردار بھی انکے ناولوں کے ساتھ پروان چڑھتے گئے مگر ایک جگہ اشتیاق احمد مسلکی طرف چلے گئے جس کی وجہ سے انکی تحاریر میں فرق بھی آیا اور کئی لوگوں نے پڑھنا چھوڑ بھی دیاشش

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اشتیاق احمد جاسوسی ناول نگاری میں منفرد اسلوب اور کرداروں کے حامل ہیں؟ اشتیاق احمد کی کردار نگاری کی انفرادیت کیا ہے؟ *

تعداد کے لحاظ سے اشتیاق احمد نے شاید بچوں کے لئے سب سے زیادہ ناول لکھے، انکے کرداروں میں ابن صفی کے کرداروں کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں، مگر انہوں نے اپنے کردار تخلیق کیے اور ان کا اسلوب بھی بچوں کے ادب میں مختلف ہے

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ ست لکھ کر اس ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ اشتیاق احمد کے مرکزی کردار)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**mumtazimran5@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

علی عمران ممتاز

تعلیمی قابلیت *

ایم ایس سی ماس کمیونی کیشن

پیشہ و ادبی خدمات *

ادیب و چیف ایڈیٹر ماہنامہ کرن کرن روشنی وگلبل

اشتیاق احمد کے مرکزی کردار

اشتیاق احمد کی ناول نگاری اور مرکزی کرداروں (انسپکٹر جمشید؛محمود؛ محمود، فاروق، فرزانہ؛ انسپکٹر کامران مرزا؛ آصف آفتاب، فرحت؛ شوکی برادرز اور رفعت) اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں یا کسی طرح کے اثرات کے متعلق آپ کی رائے؟ *

انسپکٹر جمشید کا کردار بہت اہم رہاہے فاروق فرزانہ اور محمود کی جاسوسی کی حس ہی ناول کی کامیابی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جاسوسی ناول نگاری میں مخصوص کردار اس ناول کی بنیادی ضرورت ہوتے ہیں اگر کردار مستقل ہوں تو بطور ہیرو بچوں کے لیے رول ماڈل بن جاتے ہیں۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اشتیاق احمد جاسوسی ناول نگاری میں منفرد اسلوب اور کرداروں کے حامل ہیں؟ *
اشتیاق احمد کی کردار نگاری کی انفرادیت کیا ہے؟

بالکل منفرد اسلوب ہی کی وجہ سے اشتیاق احمد کے ناول اہم مقام رکھتے ہیں۔میں تو نئے ادیب کو اشتیاق احمد کے ناول کا مطالعہ کرنے کا ہی کہتاہوں

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ ست لکھ کر اس ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ اشتیاق احمد کے مرکزی کردار)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**mosid.yousuf@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

محمد معین یوسف

تعلیمی قابلیت *

ایم بی اے

پیشہ و ادبی خدمات *

ملازمت

اشتیاق احمد کے مرکزی کردار

* اشتیاق احمد کی ناول نگاری اور مرکزی کرداروں (انسپکٹر جمشید؛محمود؛ محمود، فاروق، فرزانہ؛ انسپکٹر کامران مرزا؛ آصف آفتاب، فرحت؛ شوکی برادرز اور رفعت) اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں یا کسی طرح کے اثرات کے متعلق آپ کی رائے؟

بچپن اور لڑکپن میں ان جیسا بننے کی کوشش تھی

* کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اشتیاق احمد جاسوسی ناول نگاری میں منفرد اسلوب اور کرداروں کے حامل ہیں؟
اشتیاق احمد کی کردار نگاری کی انفرادیت کیا ہے؟

جی یقینا وہ منفرد ادیب تھے

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ ست لکھ کر اس ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ اشتیاق احمد کے مرکزی کردار)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**mrrazaasim@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

عاصم رضا

تعلیمی قابلیت *

ایم ایس (کمپیوٹر سائنس)

پیشہ و ادبی خدمات *

میرا تعلق کمپیوٹر سائنس کے ساتھ ہے ۔ ترجمے اور ٹرانسکرپشنز اردو مجلات میں شائع ہوئی ہیں ۔

اشتیاق احمد کے مرکزی کردار

اشتیاق احمد کی ناول نگاری اور مرکزی کرداروں (انسپکٹر جمشید؛محمود؛ محمود، فاروق، فرزانہ؛ انسپکٹر کامران مرزا؛ آصف آفتاب، فرحت؛ شوکی برادرز اور رفعت) اور ان میں پیش آمدہ تبدیلیوں یا کسی طرح کے اثرات کے متعلق آپ کی رائے؟ *

ان کرداروں میں کسی قسم کا ارتقاء محسوس نہیں ہوتا ۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اشتیاق احمد جاسوسی ناول نگاری میں منفرد اسلوب اور کرداروں کے حامل ہیں؟ *
اشتیاق احمد کی کردار نگاری کی انفرادیت کیا ہے؟

ایک پورے گھرانے کو ہی سراغرساں بنا دینا بلاشبہ اردو جاسوسی ادب میں منفرد اسلوب ہے ۔

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ سے لکھ کر مندرجہ ذیل ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ مظہر کلیم)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**sayyedfahad@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

سید فہد ترمذی

تعلیمی قابلیت

ایم۔اے آئی۔آر

پیشہ و ادبی خدمات

کمپیوٹر ڈپارٹمنٹ، پاکستان اسکاؤٹس کیڈٹ کالج بٹراسی مانسہرہ، مانسہرہ سے تعلق ہے، کچھ مضامین بھی لکھے ہیں۔

مظہر کلیم کے مرکزی کردار

* مظہر کلیم کی ناول نگاری کا بہتر نمونہ کون سا ہے اور کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مظہر کلیم ابن صفی اور اشتیاق احمد کے مقابلے میں زیادہ پسند کیے جاتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیوں؟

مظہر کلیم نے ناول نگاری میں دیگر مصنفین کے کرداروں پر زیادہ لکھا، انہوں نے اپنا سلسلہ سنہ 1973ء میں سپائی سیریز کے تحت شروع کیا تھا جس کے صرف دو ہی ناول لکھ پائے تھے ناول شیزوفرنیا اور ناول اپ گن، اس دعوے کے ساتھ کہ آگے وہ ان سلسلوں پر مزید ناول لکھیں گے مگر انہیں ناکامی ہوئی اور پھر عمران سیریز ہی لکھنے لگے، مظہر کلیم نے پہلے سے مشہور سلسلوں پر لکھا اور تجارتی یا پیشہ ورانہ نقطہ نظر سے لکھا، ابن صفی کے ساتھ اکرم الہ آبادی کے کردار خان اور بالے بھی کافی مقبول تھے مگر جو مقبولیت ابن صفی کے کرداروں کی تھی وہ نہیں تھی، اسی طرح ایچ اقبال کے کردار میجر پرمود کو بھی خاصی مقبولیت ملی، پھر ٹارزن، عمرو عیار بہت مقبول تھے اور مظہر کلیم نے انہی مقبول سلسلوں اور کرداروں کا سہارا لیا اور بے شک ان کو شہرت بھی ملی مگر یہ ایسی شہرت نہیں کہ اس کا ابن صفی کی شہرت سے موازنہ کیا جا سکے، ابن صفی برصغیر پاک و ہند کے علاوہ عالمی سطح پر بھی مشہور و معروف ہیں جنکی تعریف جاسوسی ادب کی ملکہ اگاتھا کرسٹی نے بھی کی اور بھی کئی شخصیات نے تعریف کی، ابن صفی نے اپنی محنت سے اپنی تخلیقات پیش کیں، اسی طرح اشتیاق احمد کو بھی بہت مقبولیت ملی۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مظہر کلیم کی مقبولیت اشتیاق احمد کی مقبولیت کے تقریباً برابر یا کم ہو گی کیونکہ اشتیاق احمد اپنی محنت اور کام کی بدولت مشہور ہوئے جبکہ مظہر کلیم کو کسی قسم کی محنت نہیں کرنی پڑی، سب بنے بنائے پر لکھا۔

* مظہر کلیم کے مرکزی کردار ہماری معاشرتی اقدار اور حقیقی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟

مظہر کلیم کے مرکزی کردار دراصل وہی ہیں جو ابن صفی کے تخلیق کردہ مرکزی کردار ہیں، جو کچھ مظہر کلیم نے لکھا اس سے قبل ابن صفی نے بہتر انداز سے لکھ لیا تھا بعد میں مظہر کلیم نے معمولی ردوبدل کے ساتھ وہی کچھ لکھا، عمران کی عمرانیت وہی ہے، حمید کی حمیدیت وہی ہے، قاسم کا بھولا پن، کرنل فریدی کا سخت مزاج، رحمان صاحب کا سخت مزاج، سائنسی کارنامے وغیرہ۔ اس کے علاوہ ابن صفی کے کرداروں پر ڈھائی سو سے زائد مصنفین نے غیر قانونی طور پر لکھا اور ہر کسی نے اچھا لکھنے کی کوشش بھی کی مگر ابن صفی کی طرح بہتر نہ لکھ پائے۔ دیگر مصنفین کی عمران سیریز اور جاسوسی دنیا میں کرداروں نے اچھے کام بھی کیے مگر مظہر کلیم ساتھ یہ بھی دکھاتے رہے کہ کسی پر کوئی رحم نہیں کرنا، خوامخواہ خون خرابہ، کسی کو برقی بھٹی میں ڈال دینا، جسم کے اعضاء کاٹ دینا، تشدد بہت ہے۔ ناول کو ہائی لیول یا بین الاقوامی دکھانے کے چکر میں زیادہ ہی حقیقت سے دور لے گئے۔

کیا مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار کو ابن صفی سے منفرد انداز میں پیش کیا ہے؟ *

دراصل مظہر کلیم نے ابن صفی کے عمران کو مکمل نہیں پڑھا، چونکہ ابن صفی کی زندگی میں بیسیوں مصنفین نے انکے کرداروں پر اجازت کے بغیر لکھا، ان میں مظہر کلیم بھی شامل ہیں، تقریباً 1968ء 69ء سے مظہر کلیم نے ابن صفی کے کرداروں پر لکھنا شروع کیا، ابن صفی خود اپنے کرداروں کو پروان چڑھا رہے تھے تو دیگر مصنفین نے یہ ایک بڑی غلطی کی کہ ایک مصنف اپنے کرداروں پر لکھ رہا ہے اور وہ اس مصنف کے کرداروں کی نفسیات بدل کر لکھیں جیسا کہ عمران نے سلیمان کی شادی گلرخ سے کروا دی تھی، ثریا کی شادی ڈاکٹر شاہد سے ہوئی تھی، عمران کے والد کا ددھیالی اور ننھیالی نام کرم رحمان اور فضل الرحمان ہے اور کرم رحمان زیادہ مشہور ہے، بعد میں مظہر کلیم نے سلیمان کو دوبارہ کنوارہ بنا لیا، ثریا کا نکاح پر نکاح کر لیا، عمران کا ایک اور باپ عبد الرحمن پیش کر دیا وغیرہ۔ کئی چیزیں عمران کی وہی ہیں جو ابن صفی نے پیش کیں جو کہ اچھی تھیں، جیسے عمران کا مزاح، ریڈی میڈ کھوپڑی، سنگ آرٹ، عمران کا اماں بی کی جوتیاں کھانا، جولیا سے مزاح وغیرہ مگر عمران کی نفسیات بھی ابن صفی نے منفرد پیش کی جسے سمجھے بغیر لکھا گیا، جس طرح عمران کے دشمن یا سیکرٹ سروس اراکین عمران کو مسخرہ سمجھتے ہیں تو کچھ شروع کے ناول پڑھنے والے بھی ایسا ہی سوچتے ہیں، کچھ لکھنے والوں نے بھی ایسا ہی کیا، عمران کی عمرانیت وہی ہے اور اس میں معمولی ردوبدل کرنے کے چکر میں اسے پیش کرنے کا انداز بھی بدل گیا، اسے غصے والا اور وعدہ خلاف بھی دکھایا گیا جیسا کہ بعض ناولوں میں کسی مجرم کے ساتھی کو عمران پکڑتا ہے اور وہ جرائم پیشہ بھی نہیں ہوتا ہے اور بے قصور ہوتا ہے، اس سے عمران وعدہ کرتا ہیکہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا بعد میں کسی سیکرٹ سروس رکن سے کہتا ہے اسے ختم کر دو، وہ شخص کہتا ہے آپ نے وعدہ کیا تھا تو عمران کہتا ہے میں نے وعدہ کیا تھا سیکرٹ سروس ممبر نے نہیں۔ وغیرہ۔ تو مظہر کلیم نے ٹارزن، بچوں کے عمرو عیار کی طرح عمران پر لکھا اور ان کی عمران سیریز صرف بچوں کے لئے کچھ بہتر ہو سکتی ہے مگر بچوں کے لئے بھی اس لحاظ سے بہتر نہیں کہمظہر کلیم نے یہ بھی دکھانے کی کوشش کی کہ کسی پر کوئی رحم نہیں کرنا۔

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ سے لکھ کر مندرجہ ذیل ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ مظہر کلیم)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**mosid.yousuf@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

محمد معین یوسف

تعلیمی قابلیت

ایم بی اے

پیشہ و ادبی خدمات

ملازمت مینجر کارپوریٹ سیلز

مظہر کلیم کے مرکزی کردار

مظہر کلیم کی ناول نگاری کا بہتر نمونہ کون سا ہے اور کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مظہر کلیم ابن صفی اور اشتیاق احمد کے مقابلے میں زیادہ پسند کیے جاتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیوں؟ *

بلیک تھنڈر سیریز اور جناتی دنیا

مظہر کلیم کے مرکزی کردار ہماری معاشرتی اقدار اور حقیقی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟ *

تقریبا

کیا مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار کو ابن صفی سے منفرد انداز میں پیش کیا ہے؟ *

جی

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ سے لکھ کر مندرجہ ذیل ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ مظہر کلیم)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**mrrazaasim@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

عاصم رضا

تعلیمی قابلیت

ایم ایس (کمپیوٹر سائنس)

پیشہ و ادبی خدمات

میرا تعلق کمپیوٹر سائنس کے ساتھ ہے ۔ بطور مترجم اور ٹرانسکرائبر اردو مجلوں میں کچھ چیزیں شائع ہوئی ہیں۔

مظہر کلیم کے مرکزی کردار

* مظہر کلیم کی ناول نگاری کا بہتر نمونہ کون سا ہے اور کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مظہر کلیم ابن صفی اور اشتیاق احمد کے مقابلے میں زیادہ پسند کیے جاتے ہیں؟ اگر ہاں تو تو کیوں؟

مظہر کلیم کے ماورائی سلسلے کے ناول ان کی ناول نگاری کا بہتر نمونہ ہیں ۔ لڑکپن اور نوجوانی کی عمر میں مظہر کلیم ابن صفی اور اشتیاق احمد کے مقابلے میں زیادہ پسند کیے جاتے ہیں ۔

* مظہر کلیم کے مرکزی کردار ہماری معاشرتی اقدار اور حقیقی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟

موجودہ زندگی کی تیز رفتاری اور معلومات کی وسعت کے اعتبارسے دیکھا جائے تو مظہر کلیم کے مرکزی کردار ہماری جدید معاشرتی اقدار اور حقیقی زندگی سے خاصی حد تک میل کھاتے ہیں۔

* کیا مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار کو ابن صفی سے منفرد انداز میں پیش کیا ہے؟

مظہر کلیم کے ہاں علی عمران کے کردار کی منفرد حیثیت ماورائی سلسلے کے ناولوں میں کھل کر سامنے آتی ہے ۔ مجموعی طور پر بنیادیں ابن صفی والی ہیں لیکن عمارت کے ڈیزائن ، اونچائی و وسعت اور نقش و نگار میں بلاشبہ انفرادیت موجود ہے۔

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!
مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار
ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں
ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔
آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ سے لکھ کر مندرجہ ذیل ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ مظہر کلیم)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد
hamed47pk@gmail.com

The respondent's email (**kazam.tariq@gmail.com**) was recorded on submission of this form.

ذاتی معلومات

آپ کا نام *

Muhammad Tariq Khan

تعلیمی قابلیت

M. phil Urdu

پیشہ و ادبی خدمات

Urdu Magazine Editor

مظہر کلیم کے مرکزی کردار

مظہر کلیم کی ناول نگاری کا بہتر نمونہ کون سا ہے اور کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مظہر کلیم ابن صفی اور اشتیاق احمد کے مقابلے میں زیادہ پسند کیے جاتے ہیں؟ اگر ہاں تو تو کیوں؟ *

ہیکل سلیمانی، بلیک فائٹرز، عمران کا اغوا، ایکسٹو ان کے ناول نگاری کے اچھے نمونے ہیں۔
مظہر کلیم کے کردار بہت زیادہ متحرک ہیں، ایکشن زیادہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ابن صفی اور اشتیاق احمد سے زیادہ پڑھے گئے اور پسند بھی۔

مظہر کلیم کے مرکزی کردار ہماری معاشرتی اقدار اور حقیقی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟ *

بہت زیادہ تو نہیں--- ان ناولوں میں حقیقت نگاری ڈھونڈنے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ایکشن سے بھرپور ناول قارئین کے دل بہلانے کا ذریعہ ہیں، البتہ عمران کے کردار میں اعلیٰ اخلاقی قدروں کو شامل کرکے غیر محسوس انداز میں اچھائی کے فروغ کی کوششیں بھی کی گئی ہیں۔

کیا مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار کو ابن صفی سے منفرد انداز میں پیش کیا ہے؟ *

میرے خیال میں ایسا ہی ہے، ابن صفی نے ادبی تقاضوں کا ذرا زیادہ خیال رکھا، اور زبان وبیان بھی اس وقت کے لحاظ سے بدل گیا تھا۔ شاید کچھ عرصے بعد ہمیں مظہر کلیم بھی غیر متعلق لگنے لگے۔ لیکن سر دست مظہر کلیم قارئین کو زیادہ سمجھ آرہا ہے۔

This content is neither created nor endorsed by Google.

Google Forms

Gmail

Hamed Mehmood <hamed47pk@gmail.com>

سر مظہر کلیم ایم اے صاحب اور جاسوسی ادب
1 message

shabeer brohi <brohishabeer@gmail.com>
To: hamed47pk@gmail.com

3 August 2024 at 22:26

I've invited you to fill out a form:اردو جاسوسی ناول میں کردار نگاری: ارتقائی مطالعہ

محترمی و مکرمی!

مذکورہ بالا عنوان کے تحت زیر ترتیب مقالہ کے سلسلے میں چند سوالات پیش خدمت ہیں۔

ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے اگر آپ مذکورہ سوالوں کے جواب دے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ہمارے معاون ہوں۔

آپ کی رائے ہمارے لیے قیمتی ہے۔ ہم اپ سے تفصیلی اور وضاحتی رائے/جواب کی توقع کرتے ہیں۔

آپ سوالات کے مطابق اپنی رائے الگ سے لکھ کر مندرجہ ذیل ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

(بحوالہ مظہر کلیم)

مقالہ نگار
حامد محمود
محقق پی ایچ ڈی اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

hamed47pk@gmail.com

ذاتی معلومات

آپ کا نام *
غلام شبیر بروہی
تعلیمی قابلیت

M.Sc (Microbiology)
M.P.A (H.R)

پیشہ و ادبی خدمات
پیتھالاجسٹ
تجزیہ نگاری و تبصرہ نگاری
سوال 1: مظہر کلیم کے مرکزی کردار
مرکزی کردار کے طور پر تو علی عمران ہی ہوتے ہیں البتہ سر مظہر کلیم ایم اے صاحب نے اپنے چند خوبصورت کردار بھی متعارف کروائے ہیں جن میں سر فہرست عبد العلی عرف رضوان المعروف ٹائیگر کا کردار ہے جو ناولز میں علی عمران کے شاگرد کے طور پر متعارف کروایا گیا ہے۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک بے حد ذہین سائنسدان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر کھوجی و مارشل آرٹس کا ماہر بھی ہے۔ ٹائیگر کے کردار کی خوبصورتی یہ ہے کہ یوں تو وہ زیر زمین دنیا میں گھومتا پھرتا ہے عمدہ مشہور ہے مگر اس کا کردار ہر لحاظ سے بے داغ ہے۔ حب الوطنی کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی فرمانبردار اور با ادب بھی ہے۔ ٹائیگر کے کردار کی مثال کنول جیسے پھول سی ہے جو کیچڑ میں کھل کر بھی پاکیزگی کی مثال سمجھا جاتا ہے۔
اس "ٹائیگر" کے کردار کے علاوہ بھی سر مظہر کلیم ایم اے صاحب نے کئی سارے خوبصورت کردار متعارف کروائے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں مثال کے طور پر کیپٹن شکیل (سنجیدہ و بردبار، گم گو مگر فہم و فراست کا بہاڑ) جس کی خاصیت اس کے سپاٹ چہرے میں ہے جس کا چہرہ کوئی بھی پڑھ نہیں پاتا ہے۔
صالحہ کا کردار بھی ایک نہایت ہی خوبصورت اضافہ ہے۔ صالحہ جو یوں تو ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتی ہے مگر اس کے کردار میں تکبر و غرور و بے جا نمائش جیسی کوئی عادت نہیں ہے۔ صالحہ جو مارشل آرٹس میں مہارت رکھتی ہیں اور انتہائی حب الوطن بھی ہیں۔

سوال 2: مظہر کلیم کی ناول نگاری کا بہتر نمونہ کون سا ہے اور کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مظہر کلیم ابن صفی اور اشتیاق احمد کے مقابلے میں زیادہ پسند کیے جاتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیوں؟

*

جواب: یوں تو سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کے تمام ناولز ہی ناول نگاری کے بہترین نمونے سمجھے جاتے ہیں مگر ان کی تحاریر کی جو خوبصورتی ہے وہ ان کی تحاریر میں شامل مختلف اوصاف کی وجہ سے ہے جیسا کہ حب الوطنی، امتِ مسلمہ سے بے پناہ ہمدردی و محبت کا اظہار اور امتِ مسلمہ کے لیے جان کی بازی لگا دینے کی بے انتہا ترغیب، سماجی برائیوں سے نفرت کا اظہار اور خوبصورت و اعلیٰ کردار و افکار اپنانے کی مسلسل ترغیب، خیر کی سمجھ اور شر سے بچنے کی سہل الفاظ و مدلل انداز میں ترغیب و نصیحت، سب سے اہم کہ چپکے سے نیک عمل کر گزرنے کی نصیحت اور اپنے پیاروں اور قریبی ساتھیوں سے بے انتہا محبت و وفاؤں کا درس وغیرہ وغیرہ۔
پھر سب سے اہم کہ ابنِ صفی محترم کی تحاریر زیادہ تر بڑی عمر کے لوگ پسند کرتے تھے اور اشتیاق احمد صاحب زیادہ تر بچوں و ٹین ایجرز میں مشہور تھے جبکہ سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کی تحاریر بچوں، نوجوانوں، جوانوں، ادھیڑ عمر و بزرگوں تک میں یکساں مقبول تھے اور یہی اہم فرق رہا دیگر مصنفین اور سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کی تحاریر میں۔

سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کی شاندار تحاریر میں شوگی پاما، خاموش چیخیں، کاغذی قیامت، حشرات الارض، ویدر باس، زیرو اوور زیرو، گولڈن سینڈ، فور کارنرز، فلاسٹر پراجیکٹ، مسلم کرنسی، سفلی دنیا، ہاٹ ورلڈ، ہیکل سلیمانی، سنیک کلرز اور فور اسٹارز شامل ہیں جن میں سائنسی، اقتصادی و سماجی جرائم کے ساتھ ساتھ خیر کی طاقتوں اور شر کی سیاہ کاریوں کو بھی متعارف کروایا گیا ہے۔

سوال 3 : مظہر کلیم کے مرکزی کردار ہماری معاشرتی اقدار اور حقیقی زندگی سے کس حد تک میل کھاتے ہیں؟
*

جواب: دنیا اچھائی سے خالی نہیں ہے اور اسی وجہ سے ایک مستقل قاری کی حیثیت سے میں سمجھتا ہوں کہ آج بھی ہمارے معاشرے میں بے شمار ایسے لوگ ضرور موجود ہیں جن میں سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کے ناولز میں دکھائے گئے مرکزی کرداروں کے اوصاف ضرور چھلکتے ہوں گے۔

سوال 4: کیا مظہر کلیم نے علی عمران کے کردار کو ابن صفی سے منفرد انداز میں پیش کیا ہے؟

*

جواب: غیر جانبدارانہ موازنہ کیا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ محترم ابنِ صفی صاحب کی جانب سے متعارف کروائے گئے علی عمران اور سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کی تحاریر میں دکھائے گئے علی عمران میں زمین آسمان کا فرق ہےمثال کے طور پر یہ کہ

1. ابن صفی صاحب کا عمران ہر وقت چیونگم چباتے ہوئے جگالی کرتا دکھائی دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ بہت جلد پہچان لیا جاتا تھا جبکہ سر مظہر کلیم ایم اے صاحب نے علی عمران کی یہ جگالی والی عادت ختم کروادی۔
2. ابنِ صفی صاحب کا عمران ہر وقت ٹیکنی کلر لباس زیب تن کیے دکھتا تھا جبکہ سر مظہر کلیم کی تحاریر میں ماسوائے مخصوص موقعوں کے عمران ٹیکنی کلر لباس استعمال نہیں کرتا ہے۔
3. ابن صفی صاحب کے کردار گلم گلوچ بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں جبکہ سر مظہر کلیم کے قلم کی تراش خراش سے تمام کردار بشمول تنویر اخلاق و کردار کے اونچے معیار تک پہنچتے دکھائی دیتے ہیں۔
4. ابنِ صفی صاحب کا عمران شرلاک ہومز جیسا دکھتا ہے جس کی سراغرسانی الجھی الجھی ہوئی سی لگتی ہے جبکہ سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کا علی عمران شرلاک ہومز کے ساتھ ساتھ جیمز بانڈ۔ بھی ہے جو سراغرسانی کے ساتھ ساتھ اپنے ہر عمل میں اگے سورج کی طرح روشن روشن سا ہے اور یہی وہ خاصیت ہے جس کی وجہ سے سر مظہر کلیم ایم اے صاحب جاسوسی ادب کے ٹاپ مصنف گردانے جانے لگے۔
5. سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کے عمران کی جس خصوصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ہے اس کا نئے سے نیا علم حاصل کرنا، ماڈرن دور کی ہر نئی تحقیق (جاری یا مکمل) سے باخبر رہنا اور اپنے آپ ہی میں قابل و ماہر ترین سائنسدان و ریسرچر ہونا۔ کمال تو یہ کہ اس نے دنیا کی قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید ترین زبانوں تک کی معلومات بھی جمع کر رکھی ہے۔ یہ ایک نہایت ہی شاندار ترغیب ہے جو سر مظہر کلیم ایم اے صاحب کی ہر تحریر میں دیکھی جاتی رہی ہے